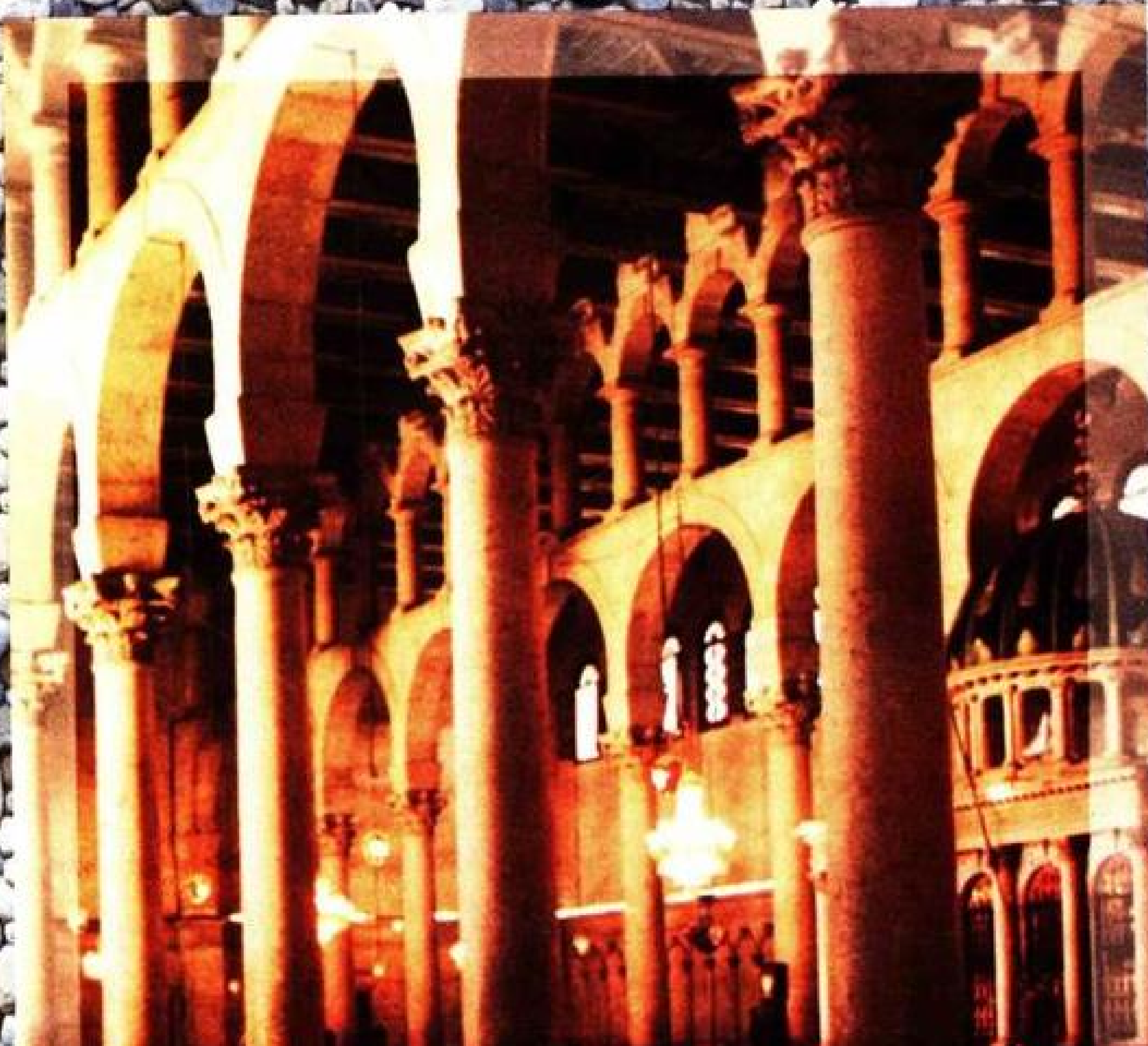
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات



محمد یٰسین مظہر صدیقی

ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بنو ہاشم اور بنو امیہ

کے

معاشرتی تعلقات

محمد یٰسین مظہر صدیقی

ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تالیف :	بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات
مرتب :	محمد یٰسین مظہر صدیقی
صفحات :	۱۸۴
ناشر :	ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
مطبع :	انٹر نیشنل پرنٹنگ پریس، علی گڑھ
کتابت :	الائٹ کمپیوٹرز، ۶۴-احمد نگر، علی گڑھ
اشاعت :	جولائی ۲۰۰۱ء
تعداد :	۱۰۰۰
قیمت :	نوے روپے (Rs.90.00)
ملنے کے پتے:	☆ادارہ / شعبہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
	☆پبلیکیشنز ڈویزن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
	☆ادارہ مطالعاتِ اسلامی، ۶۴-احمد نگر، علی گڑھ
	☆مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، علی گڑھ
	☆ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ
	☆مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ
	☆یونیورسل بک ہاؤس، عبدالقادر مارکیٹ، علی گڑھ

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے نام

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

محمد یٰسین مظہر صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

تمہید

امام ابنِ تیمیہ (۱۰ر ربیع الاول ۶۶۱ / ۲۳ر جنوری ۱۲۶۳-۲۰ر ذوالقعدہ ۷۲۸ / ۲۶-۲۷ دسمبر ۱۳۲۸) نے ایک اموی خلیفہ کے باب میں فتویٰ دیا ہے کہ ان کے حسنات بھی تھے اور سیئات بھی۔ یہ شخصِ واحد کے کردار و اعمال پر تبصرہ نہیں، بلکہ کلی صداقت ہے جو انسانی معاشرے کے تمام افراد و طبقات پر یکساں صادق آتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر میں خیر و شر کے جو عناصر آمیز کر دئے گئے تھے ان کے ایک جزء نے ان کو جنت کا باسی بنایا تھا تو دوسرے نے ان کو خلد سے نکلوایا تھا۔ بقول امام ولی اللہ دہلوی (۴ر شوال ۱۱۱۴ / ۲۱ر فروری ۱۷۰۳-۲۹ر محرم ۱۱۷۶ / ۲۰ر اگست ۱۷۶۲) قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ میں ہر آن و لمحہ تصادم جاری رہتا ہے اور قوتِ بہیمیہ پر قوتِ ملکیہ کے غلبہ و فتح میں انسان کی سعادت مضمر ہے اور اسی حقیقت کو علامہ اقبال (۳۰ر ذوالقعدہ ۱۲۹۴ / ۹ر نومبر ۱۸۷۷- ۲۰ر صفر ۱۳۵۷ / ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء) نے "فطرتِ اسد اللّٰہی" اور "مرحبی و عنتری" سے تعبیر کیا ہے اور بقول ایک صاحبِ طرز ادیب اچھا آدمی ہر وقت اچھا نہیں رہتا جس طرح برا آدمی ہر وقت برا نہیں رہتا۔ کلامِ الٰہی میں اسی کو نفس کے "تقویٰ" اور "فجور" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی فطرتِ انسانی ہے، جس میں ہر آن رزمِ خیر و شر برپا رہتی ہے۔

اس کے برخلاف ہمارے سوانح نگار اور ان سے زیادہ مورخین کرام بقول شبلی نعمانی (ذوقعدہ ۱۲۷۴ / مئی ۱۸۵۷-۲۸ر ذوالحجہ ۱۳۳۲ / ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴) تعریف و تحسین پر آئیں تو فرشتہ بنا کر چھوڑیں اور تنقیص و توہین کا وطیرہ اختیار کریں تو شیطان بنا دیں، وہ انسان کو انسان نہیں رہنے دیتے۔ اس کائنات میں بلاشبہ فرشتے بھی ہیں جو شر سے مبرا ہیں اور شیاطین بھی جو خیر سے عاری، لیکن انسانی

معاشرتی تعلقات کے حوالے سے جن فرشتوں اور شیطانوں کا ذکر اذکار ہوتا ہے وہ اپنے اپنے شر و فساد کے ساتھ خیر و صلاح کے خصائص بھی رکھتے ہیں اور ان کا مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

عام سوانح و تاریخ سے زیادہ اسلامی عبقریات و تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ اسے شخصی و افرادی اور اجتماعی و طبقاتی شر و فساد کا نمائندہ بنادیا گیا ہے۔ بالخصوص اموی صحابہ کرامؓ، خلفاءِ عظام اور امراءِ انام کو انفرادی اور طبقاتی دونوں اعتبار سے "شیطنت وابلیسیت" کا پیکر قرار دے دیا گیا ہے۔ بنوہاشم اور بنوامیہ کا نام آتے ہی اول الذکر کو "خیر" کا اور آخر الذکر کو "شر" کا پیغامبر و علمبردار بتادیا جاتا ہے اور طرفہ ستم یہ کہ اسی کو تاریخی حقیقت سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ ہمارے جدید سوانح نگاروں اور تاریخ نویسوں نے اس جدید "تاریخ سازی" کا کاروبار خاص مقاصد اور فتنہ جو مفاسد سے کیا ہے۔ مستشرقین اور اسلام دشمن مورخین کا تو منشاے تحقیق و نگارش ہی یہ رہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ بگاڑی جائے مگر ہمارے اپنے متعصب و جانبدار مورخین کا طرزِ تفتیش و پیشکش بھی ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں کہ وہ ممدوح افراد و طبقات کی "تعریف و تحسین" میں اس مجرمانہ افراط و غلو سے کام لیتے ہیں کہ جب تک ان کے مبغوض افراد و طبقات کی روسیاہی کا انتظامِ کلی نہ کرلیں ان کو حقِ تصنیف و تحقیق ادا ہوتا نظر نہیں آتا۔ ان کو ذرا احساس نہیں ہوتا کہ ان کی جانبدارانہ نگارش سے اسلام اور ملتِ اسلامی کی کیسی روسیاہی، کیسی جگ ہنسائی اور کیسی عالمی رسوائی کا کیسا سامان ہوتا ہے۔

بلاریب ہماری اس روسیاہی میں بقولِ شبلی مرحوم سیاہی ہمارے قدیم تاریخی مصادر نے فراہم کی ہے مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے اور قدیم راویوں اور مورخوں کے شرف و عظمت کی علامت بھی کہ ان کی تحریروں میں بہت سی روشنائی بھی موجود ہے جس سے اسلام، سابقین اور اسلاف کے روشن و تابناک چہروں کو ان کی اپنی روشنی اور تابناکی سمیت آئینہ کے مقابل کیا جاسکتا ہے اور ان کو مزید تابانی عطا کی جاسکتی ہے۔ اصیل مورخین اور سوانح نگاروں کا یہ طریقہ واردات نہیں ہوتا کہ وہ صرف سیاہی چہروں پر پوتیں اور روشنائی سے ان کو تابندہ و درخشاں نہ بنائیں۔ صحیح اور اسلامی طرزِ تحقیق و نگارش صرف یہ ہے کہ سیاہ و سفید دونوں رنگ دکھائے جائیں اور ان دونوں کو ان کی اصل حدود و خطوط پر رکھا جائے۔ عہدِ گذشتہ کی بازیافت ہو یا دورِ معاصر کی پیشکش، دونوں میں اسی حزمِ عالمانہ، احتیاطِ محققانہ اور طریقہ مصنفانہ کی شرط کی رعایت دوامی طور سے ناگزیر ہے۔

بنوامیہ اور بنوہاشم قبیلہ قریش کے دو عم زاد اور قرابت دار خانوادے تھے۔ وہ ایک عظیم

ترین خاندان بنو عبد مناف کے ارکانِ اربعہ کے دو رکن رکین تھے جبکہ دوسرے دو ارکان بنو نوفل اور بنو مطلب کو وہ مقامِ برتر حاصل نہ تھا۔ بایں ہمہ وہ چاروں ایک متحدہ خاندان بناتے تھے اور اپنے تمام معاشرتی تعلقات و روابط میں ایک "سماجی اکائی" کی مانند تھے اور اسی طور بین القبائلی معاشرتی رویہ اپناتے تھے۔ وہ آپس میں حلیف تھے، حریف نہ تھے۔ ان کے اتحاد و یگانگت اور مودت و محبت کے تو ان کے حریف و مقابل بلکہ جانی دشمن تک قائل تھے۔ بایں ہمہ ان میں کبھی کبھی فطرتِ انسانی کے شری عناصر کی کارفرمائی اور قوتِ بہیمیہ کے غلبہ کی بنا پر اختلاف و تصادم بھی رونما ہوتا تھا۔ وہ آپس میں الجھ بھی جاتے تھے، لڑ بھی پڑتے تھے، دست و گریباں بھی ہو جاتے تھے اور برسرِ پیکار بھی ہو سکتے تھے۔ یہ خالصتاً خاندانی چشمک سے زیادہ مفادات کا ٹکراؤ ہوتا تھا یا معاصرانہ چپقلش کا شاخسانہ، یہ خاندانی عداوت تھی، نہ قبائلی رقابت۔ کیونکہ وہ دوسرے خاندانوں، بطون اور قبیلوں کے مقابل ہمیشہ ایک متحدہ خاندان، منظم جماعت اور سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ بنو عبد مناف بالخصوص بنو امیہ اور بنو ہاشم میں ازدواجی روابط ہر دور میں قائم رہے، کاروباری اور تجارتی تعلقات بھی استوار رہے، سیاسی و فوجی سطحوں پر وہ ایک دوسرے کے دوش بدوش غیروں کے خلاف آمادہ کارو پیکار بھی رہے۔

سماجی اور معاشرتی تعلقات کے وسیع جہاں میں ان کے باہمی روابط خیر کے مستقل علائم تھے، شر کبھی کبھی سر ابھارتا تھا اور اسی وقت جب طرفین میں سے کوئی تعصب، تفاخر اور تجاوز کی راہ اختیار کرتا تھا۔ تجاوزات کی "بدکاری" کے مظاہر تو ایک ہی خاندان، خانوادے اور قبیلے کے اپنے افراد و طبقات میں بھی نظر آجاتے ہیں کہ یہ فطرتِ انسانی کے بہائم ہیں۔ قریش ایک ہی قبیلہ تھا اور معزز و مکرم ترین مگر "تجاوزات" کی صورت میں وہ مخالف و مقابل عناصر کا مجموعہ تصادم بن جاتا تھا۔ بنو ہاشم کے افراد و جماعات میں اختلاف اور ٹکراؤ بھی ہر زمانے میں پیدا ہوتا رہا ہے اور بنو امیہ بھی باہم دست بگریباں رہے۔ بنو امیہ کے باہمی اختلافات کو تو "کارِ ابلیسی" قرار دینا آسان ہے، بنو ہاشم کے آپسی تجاوزات کا کیا نام دھرا جائے۔ حضرات عباس بن عبد المطلب ہاشمیؓ اور علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کے بعض اختلافات کتبِ حدیث کے اوراق پر جلوہ فگن ہیں۔ ابو طالب ہاشمی اور ابو لہب ہاشمی کے تنازعات بھی تاریخ کے مسلمات ہیں۔ عباسی، علوی، جعفری اور عقیلی خاندانوں کی چشمکیں بھی تاریخی واقعات ہیں۔ بعد کے ادوار میں انھوں نے زیادہ بدترین شکلیں اختیار کر لی تھیں مگر ان کو کوئی بھی خاندانی رقابت، قبائلی عصبیت یا خونی عداوت نہیں قرار دیتا۔ یہ صحیح بھی ہے کہ وہ سیاسی و سماجی مفادات کے زائیدہ و

پرورده تھے۔ اسی طرح بنوہاشم اور بنوامیہ کے اختلافات کی نوعیت تھی۔

مدتوں سے "اختلاف نگاری" کی وبا چل رہی ہے کیونکہ ہمارے ذہنوں کے نہاں خانوں اور قلموں کی نوکوں کو زہر آلود بنادیا گیا ہے۔ جنھوں نے یہ کاروبارِ شر و فساد برپا کیا تھا، یا جواب بھی اس 'کارِ ابلیسی'' میں مصروف ہیں..ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کو مطعون کیا جائے، پیغمبر اسلام ﷺ کے کارِ صلاح و فلاح پر نعوذ باللہ خاک ڈالی جائے اور اسلاف کے خوبصورت و تابناک چہروں پر سیاہی ملی جائے تاکہ مسلمانوں بالخصوص نوخیز جوانوں اور نونہال طالبان کو اپنے مذہب اور اپنے اسلاف اور اپنی تاریخ پر شرمساری محسوس ہو۔ وہ اپنا کام کر چکے، اور کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔

اب ہمارا فرض کارِ منصبی اور تقاضائے غیرتِ ملی یہ ہے کہ ان روشن علائم، تابناک علامات اور خوبصورت روایات کو بھی منظر عام پر لائیں جن کی روشنی میں ہمارا دین و مذہب، ہمارے بزرگانِ ملت اور ہماری ملی تاریخ روشن، تابندہ، درخشاں اور قابلِ افتخار معلوم ہوتی ہے۔ تصویر کا یہ روشن رخ بھی تو آخر ناظرین و قارئین کی نگاہوں کے سامنے آئے۔ ہمارے طلبہ، عوام اور خواص سب کو یہ تو معلوم ہو کہ سب کچھ سیاہ و تاریک نہیں، بلکہ زیادہ تر روشن و تابناک ہے۔ تصویر کے دونوں رخوں کو پیش کرنے کے بعد اصلی چہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی اس کتابِ لطیف کا مقصدِ تالیف ہے۔ اس سے بڑا، زیادہ اہم اور ناگزیر تر مقصود یہ ہے کہ امتِ اسلامی کے مختلف طبقات کے درمیان وہ باہمی اخوت و محبت پیدا کی جائے جو ایمان واسلام کا مطمحِ نظر، وحدتِ ملی کا تقاضا اور دنیا میں جینے اور ترقی کرنے کا زینہ ہے۔

ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ معاصرانہ چشمک اور باہمی اختلافِ انسانی کے مظاہر و علائم کو یکسر نظر انداز نہ کیا جائے جیسا کہ مخالفینِ اسلام اور معاندینِ خلافتِ اسلامی کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ روشن و مثبت تعلقات اور محبت آمیز و خلوص آگیں روابط کو کلی طور سے اپنی جانبداری کی چادر میں چھپاتے چلے آئے ہیں۔ ہم نے اس کے برخلاف باہمی اختلاف اور معاصرانہ تصادم کو نہ صرف بیان کیا ہے، بلکہ ان کی توجیہ و تعلیل اور تاویل بھی کی ہے۔ اس سے زیادہ زور اس حقیقت کو اجاگر کرنے پر رہا ہے کہ اموی-ہاشمی تعلقات میں خیر کا جذبہ اور اخوت کا ملکہ غالب ترین رہا تھا اور اسی کے مختلف مظاہر کو مختلف ادوارِ خلافتِ اسلامی کے حوالے سے ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے۔ علمائے محققین ان علائمِ نور سے واقف بھی ہیں اور بعض بعض ان کو منصۂ شہود پر لاتے بھی رہے ہیں لیکن ان کی کاوشیں زیادہ تر جزوی رہی ہیں۔ یہ غالباً اولین کوشش ہے جو ان دونوں عظیم ترین و مخلص ترین خاندان ہائے رسالت کے معاشرتی تعلقات

وروابط کو تاریخی تناظر و تسلسل میں کی جارہی ہے۔

بقولِ مولانا محمد اسحاق سندیلوی مرحوم (م ۱۹۹۷ء) یہ "حسنی روایت" کی توسیع ہے۔ حضرت حسن بن علی ہاشمیؓ (۱۵/ رمضان ۳/ یکم اپریل ۶۲۵ - ربیع الاول ۵۰/ ۶۷۰) نے "حقِ تمام و کمال" کی خاطر اپنا حقِ خلافت حضرت معاویہ بن ابی سفیان امویؓ کے حق میں چھوڑ دیا تھا اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی تھی اور اس کے لئے بعض اپنوں کی ملامت و طعن کا ہدف بننا بھی قبول کر لیا تھا، لیکن یہ تو ان مفسدانِ قوم نے بھی الزام واتہام نہیں لگایا تھا کہ انھوں نے کسی "نااہل ہاتھ" کے قبضہ میں زمامِ کار سونپ دی تھی۔ اتحاد و خیر کا یہی غلبہ اور قوتِ ملکیہ کا یہی تصرف ان کے تمام معاصروں اور جانشینوں میں بھی روبہ کار رہا اور آج بھی اس کی کارفرمائی جاری ہے۔ دینِ اسلام اور تمدنِ اسلام تو غیروں کو اپنا بنانے کا کام کرتے ہیں اور ہمارا مقصد و ہدف تو اپنوں ہی کے درمیان محبت واخوت، اتحاد و یگانگت اور تعلقِ خاطر پیدا کرنا اور اسے مستحکم تر بنانا ہے۔

اسلامی تعلیمات، تاریخی تحقیقات کے دوش بدوش ہمارے اساتذہ کرام نے بھی حق وانصاف اور الفت و مہر کے جذباتِ خیر دل میں پیدا اور جاگزیں کرنے کے علاوہ ان کو عام کرنے کا درس اپنے قول و فعل سے دیا۔ مولانا اسحاق سندیلوی مرحوم کا جانگداز و روح پرور سبق یہی تھا کہ ہم تمام صحابہ کرام کے افراد و جماعات سے اسلامی محبت و عقیدت رکھنے کے پابند ہیں۔ ایک کی محبت میں دوسرے سے عداوت ہمارا شیوہ نہیں، "حبِ علیؓ و بغضِ معاویہؓ" جس طرح دین و شرافت میں مبغوض ہے، اسی طرح "حبِ معاویہؓ" میں "سب و شتمِ علیؓ" ناقابلِ معافی۔ ہمارے لئے دونوں واجب الاحترام، لائق عقیدت اور مرکزِ محبت ہیں۔ انھیں کے مانند، ان دونوں کے اخلاف واتباع کا معاملہ ہے۔ ان کے اختلافات و مشاجرات تو ان کے سیاسی، سماجی اور مسلکی اسباب و عوامل کی بنا پر تھے۔ ان کے تجزیہ و تحلیل سے ان کا صحیح تناظر سامنے آجاتا ہے اور بقول امام ابن تیمیہ ان میں سے ایک "اقرب الی الحق" تھا تو دوسرا حق سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پھر مورخِ اسلام و طالبِ حق کا مقصد و فریضہ حق کا پتہ لگانا اور اجاگر کرنا ہے اور کسی طور کسی شخص، امر، مسئلہ اور معاملہ پر فیصلہ سنانا نہیں ہے۔ جج اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو حقیقتِ کلی جانتا ہو، ہم اہلِ تاریخ تو چند روایات واخبار کے سوا کچھ نہیں جانتے، ان کی بنا پر فیصلہ و فتویٰ کیسے صادر کر سکتے ہیں۔

اس خاکسار راقم کی تعلیم و تربیت اور ذہنی و علمی پرداخت میں بہت سے مربیوں، محسنوں اور معلموں کا ہاتھ ہے اور ان سب کا ذکرِ خیر کرنا اس تمہید یہ میں ناممکن ہے۔ ان کا مجموعی شکریہ ادا کرنے

اور ان کی جناب میں اپنی احسان مندی کا اظہار کرنے کے بعد اپنے والدِ ماجد مولوی حاجی انعام علی مرحوم (۸۵-۱۹۰۹ء) کے لامتناہی احسانات میں سے یہاں صرف ایک کا ذکر بر محل ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے اور اس کی بر سر عام حمایت کرنے کا جگرا رکھتے تھے، خواہ ان کو کتنی ہی ذہنی اور مسلکی تکلیف پہونچے۔ انھوں نے قبولِ حق اور دفاعِ حق کی صلابت اپنے اس خادم کو بھی بخشی۔

ہمارے اساتذہ کرام میں تین غیر مسلکی بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا اس کتاب کے حوالے سے موزوں تر لگتا ہے۔ ڈاکٹر سید مجاہد حسین زیدی، جامعہ کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، میں استادِ تاریخ تھے اور خاکسار راقم کے مربی۔ میرے داخلے کے اولین لمحہ سے انھوں نے میری تمام کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا۔ وہ مطالعہ کے لئے اکساتے، تحقیق کا حوصلہ دلاتے، تحریر ونگارش کے لئے ابھارتے، محبت و تعلق کے دباؤ سے لکھواتے اور پھر تعریف و تحسین کے ڈونگرے برساتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں قدیم بھارت کے ''گرو'' اور اسلامی روایت کے ''استاد و شیخ'' تھے۔ وہ حق پرست وذرہ نواز بھی تھے۔ پروفیسر سید ابوالکاظم قیصر زیدی (مارچ ۱۹۱۳ء-۳۰ جون ۱۹۸۷ء) جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاذِ ادبِ اردو تھے۔ ذہین وفطین، شعر وادب کے ماہر اور غالب کے پارکھ۔ متونِ غالب کی تشریح و تفسیر کے اشاری امام، چند جملوں، فقروں بلکہ دست و سر کے اشاروں میں معانی کی ترسیل کرنے والے، اسلامی تاریخ و مشرقی روایات کے امین، اردو شعر و ادب میں میرے اصل استاذ، اگرچہ خاکسار کبھی اردو ادب کا طالب علم نہیں رہا۔ ان کی نگاہِ بندہ پرور خاکسار پر پڑی تو اپنی محبت و تعلقِ خاطر کے تحت مجھے اپنی تعلیم و تربیت کے حصار میں از خود گھسیٹ لیا۔ اب اعتراف کرتے ہوئے شرمساری ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم چند مقربانِ خاص ان کے حصار سے نکل بھاگنے کے لئے کبھی کبھی بیقرار ہو جاتے تھے مگر ان کی محبت و مودت اتنی شدید اور اس کا حصار اتنا مستحکم و وسیع تھا کہ سرزمینِ جامعہ تنگ ہو جاتی تھی۔ وہ پڑھاتے تھے، اشعار کے مفاہیم بتاتے تھے۔ اپنی طویل مجالس میں اسرارِ گفتگو اور روایاتِ ادب سکھاتے تھے۔ چائے پلاتے، سامانِ اکل و شرب سے نوازتے اور اپنے علمِ وسیع اور ذوقِ لطیف سے ہم بے بہروں کو بہرہ ور بناتے تھے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر پروفیسر ڈاکٹر سید نور الحسن مرحوم سرزمینِ سرسید پر میرے اولین محسن و مربی بنے۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ انھوں نے کندۂ ناتراش کی تراش وخراش کا کام بھی سنبھال لیا۔ وہ ' جگت ڈاکٹر صاحب'' تھے، ان کے دور میں ان کے سوا

اور کوئی ''ڈاکٹر صاحب'' نہیں تھا اور نہ بن سکتا تھا۔ وہ ماہر مورخ، مشفق استاذ اور محبت آگیں مربی تھے۔ ان کے ارد گرد ہیبت و وقار کا ایک خوفناک ہالہ تھا۔ جس کے اندرون میں خیر کل اور سب کے لئے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ اپنے پہلے درس میں انھوں نے ایک جملہ کہا تھا: ''کسی کا کوئی بھی بیان، یہاں تک کہ میرا بھی نظریہ بلا تنقید کبھی قبول نہ کرو''۔ وہ سنگِ میل ہی نہیں، علمی تحقیق و مطالعہ میں منارۂ نور بن گیا۔ ان کی نوازشات وعطایا علی گڑھ میں میرے مطالعہ، تحقیق، تحریر اور ملازمت کی بنیادی مادی وجوہ بن گئیں۔ وہ وسیع الظرف، عظیم الشان اور پیارے شخص تھے اور اپنی حسنات میں آج بھی زندہ ہیں۔

میرے ان تینوں ''گروؤں'' کے حسنات بھی ہیں اور سیئات بھی۔ ان کا مکمل یا مفصل تذکرہ خاکسار راقم کے قلم پر ادھار ہے جو جلد ہی انشاء اللہ مع ''اسلامی سود'' ادا ہوگا۔ البتہ یہاں یہ کہنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ خاکسار راقم سے ان تینوں اساتذہ کرام کا مسلکی اور دینی اختلاف تھا، سیاسی نقطہ نظر میں بھی تصادم تھا، تاریخ اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ، تحقیق و تحریر میں کبھی کبھی سخت مغائرت کی شکل پیدا ہو جاتی تھی۔ حق و روایاتِ مشرقی کی پاسداری کے علاوہ، ہمارا ذہنی اور فکری اختلاف ہمیشہ رہا، اور یہ ان بزرگ ارواح اور مقدس پیکرِ ثلاثہ کی عظمت و شرافت کی بات ہے کہ انھوں نے اپنے اس ''جسارت آزما'' شاگرد کی اختلافی تحریروں کو بھی سراہا، اس کی ہمت افزائی کی اور اس کو آگے بڑھایا۔ تلمیذانہ عقیدت و محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کتابِ لطیف میں، جو محبت و یگانگت کے اوراقِ مصور کا پیکر رکھتی ہے، ان تینوں استاذوں اور مربیوں کے احسانات و عطایا کا پورا پورا اعتراف کیا جائے۔

صحابہ کرام کی عدالت و عظمت اور محبت و عقیدت کا بنیادی سبق حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی مرحوم نے پڑھایا اور صحیح اسلامی تاریخی شعور بخشا۔ وہ کسی کے طرفدار نہ تھے، بلکہ حق آشنا و حق پرست تھے۔ وہ تمام صحابہ کرام سے محبت و عقیدت رکھنے کے قائل تھے اور کسی سے نفرت و عداوت کا شمہ بھی دل کے کسی کونے میں رکھنے کو ایمان و محبت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کتابِ مستطاب کا ان کے اسمِ گرامی سے معنون کرنا اس موضوع کا حق بھی ہے اور میری شاگردانہ محبت و عقیدت کا مظہر بھی۔

الامین، ۶۴-احمد نگر

مورخہ ۲۵/۳/۲۰۰۱ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

صدر / ڈائرکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ بحث
مورخین اور اصولِ تاریخ نگاری

قریش کے متعدد خاندانوں میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کو جو امتیاز و افتخار حاصل ہوا وہ کسی اور کے نصیب میں نہیں آیا۔ بنو ہاشم کو رسولِ اکرم ﷺ اور نبوتِ الٰہی سے نسبت و تعلق کے شرف و مجد کی بنا پر اور بنو امیہ کو خلافتِ اسلامی اور حکومت و فرمانروائی سے سرفرازی و سربلندی کے سبب۔ لیکن اسی کے ساتھ ان دونوں خاندانوں کی باہمی رقابت اور قبائلی عداوت کی وہ شہرت ہوئی کہ زبان زدِ عام و خاص بنی(۱)۔ تاریخِ اسلامی کو مسخ کرنے کی جو کوششیں شعوری اور غیر شعوری طور پر مختلف ادوار میں کی گئی ہیں ان میں سے ایک انتہائی خطرناک و زہر آگیں کوشش کا نشانہ اموی صحابہ کرام بالعموم اور اموی خلفاء عظام بالخصوص رہے ہیں (۲)۔ جانبدار و متعصب راویوں اور مورخوں نے یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے کہ ہاشمی اور اموی رقابت و عداوت عہدِ جاہلیت میں ان کے جدِ امجد کے زمانے سے چلی آرہی ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری بنو امیہ کے اسلاف و اخلاف کے رشک و حسد، تعصب و نفرت اور دلی شقاوت پر ہے جو ان کو بنو ہاشم سے تھی۔ ان مورخین و رواۃ کے خیال میں اس کا سبب یہ تھا کہ بنو ہاشم از ابتدائے آفرینش اپنے اوصافِ حمیدہ و صفاتِ ستودہ کی بنا پر دینی اور دنیاوی مجد و شرف اور سیاسی و تہذیبی سیادت و قیادت کے سزاوار رہے جبکہ ان کے رقیب و حریف بنو امیہ اپنی ازلی شقاوت اور دینی اور دنیاوی برائیوں کے سبب عزت و شرف اور سربلندی و سرفرازی سے محروم رہے۔ اور اپنی اس محرومی کے سبب وہ بنو ہاشم کے دشمن بن گئے کہ ان کی رفعت و بلندی تک پہونچنا ان کے بس میں نہیں تھا، بلکہ وہ دون ہمتی اور کم ظرفی کی وجہ سے بلندی و سرفرازی کی طرف نگاہ ہی نہیں اٹھاتے تھے اور صرف پستی و ذلت کے خوگر بن چکے تھے۔ اپنی اسی پست فطرتی کے تقاضوں سے مجبور ہو کر بنو امیہ نے

عہدِ جاہلیت میں بنو ہاشم سے ٹکر لی اور مات کھائی، اسلامی عہد میں پہلے اسلام کی مخالفت کی اور راندۂ درگاہ ربانی ہوئے اور پھر خلافت و حکومت غصب کر کے لعنت زدۂ خلق بنے (۳)۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی رقابت و عداوت کے اساطیری قصہ کے کچھ اہم اسباب و عوامل ہیں جنھوں نے اس کو اتنی شہرتِ عام اور قبولیتِ انام بخش دی ہے اور اس کو ایک تاریخی واقعہ اور حقیقتِ ثابتہ بنا دیا ہے حالانکہ وہ اصولِ نقد و جرح کی کسوٹی پر ذرا بھی کھرا نہیں اترتا۔ اصلاً محرک تو بنو امیہ کی وہ نفرت و عداوت ہے جو ہمارے بیشتر راویوں اور مورخوں کے دلوں میں جاگزیں ہے اور وہی محرکِ اولین و آخرین ہے مگر اس کے مظاہر مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور عوامل و محرکات بھی ہیں جن کی وجہ سے قصہ کہانی کو تاریخ و واقعہ بنانے میں مدد ملی ہے۔

سب سے بنیادی سبب ہمارے ابتدائی مآخذ و مصادر کے وہ بیانات و روایات ہیں جو جانبدار اور متعصب راویوں نے ان میں بھر دئے ہیں۔ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ ہمارے تمام موجودہ مصادرِ تاریخ و سیرت عہدِ عباسی کی پیداوار ہیں اگرچہ ان کی روایات و اخبار کی تحصیل و ترسیل کا کام پہلی صدی ہجری / ساتویں-آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہو چکا تھا۔ چونکہ عباسی خلفاء و حکمراں اپنے پیشرو اموی خلفاء کے سیاسی جانشین و حریف تھے اس لئے ان کے زمانے میں جو تاریخی کتابیں لکھی گئیں ان میں عباسی نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ اس ترجمانی کی ذمہ داری عباسی خلفاء کے سر نہیں ڈالی جاسکتی کیونکہ وہ جانبدارانہ اور متعصبانہ روایات و بیانات کی تصنیف و تبلیغ کے محرک و باعث نہیں تھے لیکن چونکہ ان کی خلافت و حکومت ہی بنو امیہ کی خلافت و حکومت کی سیاسی مخالفت و عناد پر قائم ہوئی تھی اس لئے یہ لازمی اور فطری نتیجہ تھا کہ ان کے معاندانہ رویہ و انقلاب کی بازگشت ان کی معاصر تاریخوں میں سنائی دیتی۔ عباسی انقلاب کی بنیاد ہی اس منفی دعوت پر رکھی گئی تھی کہ اموی خلافت از اول تا آخر منہاجِ نبوت اور طریقہ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے خلاف تھی لہذا اس کو ختم کر کے آلِ محمد ﷺ کی خلافتِ راشدہ قائم کی جائے جو قرآنی اصولوں کے مطابق اور منہاجِ نبوت کے موافق ہو۔ تاریخ کی یہ المناک ستم ظریفی ہے کہ عباسی دعوتِ انقلاب کی حمایت و نصرت شیعہ و خوارج اور ان تمام مرکز مخالف و اسلام دشمن عناصر نے کی جو بنو امیہ سے اپنے سیاسی، مسلکی اور ذاتی اسباب سے عناد رکھتے تھے (۴)۔ بنو امیہ کی دشمنی پر مبنی عباسی دعوتِ انقلاب کامیاب ہوئی اور پھر دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ اموی خلافت کے بعد قائم ہونے والی تمام حکومتیں بشمول عباسی خلافت کسی طور بنو امیہ سے بہتر و

برتر ثابت نہیں ہوئیں۔ مگر چونکہ بعد کی ان تمام حکومتوں کی مخالفت وعداوت پر کوئی دوسری حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے خلاف طعن و تشنیع کی وہ مہم نہیں چلائی گئی جس کا ہدف بنوامیہ کو بنایا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بنوامیہ اور ان کی خلافت وحکومت کے خلاف جو فضا عباسی انقلاب نے پیدا کردی تھی اس کے نتیجہ میں اموی مخالف رجحانات ابھر آئے تھے اور پھر ان کی بنیاد پر اموی مخالف روایات ہمارے تمام ابتدائی ماخذ و مصادر میں در آئیں۔

بنوامیہ اور ان کی خلافت کا دوسرا المناک شرف یہ ہے کہ خلافتِ اربعہ راشدہ کی جانشینی ان کے حصہ میں آئی۔ علماء و مورخین اور عوام وخواص نے شعوری اور غیر شعوری طور پر ان کا موازنہ و مقابلہ ان کے عظیم پیشرؤوں سے کیا۔ ظاہر ہے کہ اس میزانِ عدل میں بنوامیہ کا پلڑا ہلکا رہا کیونکہ بہر حال وہ خلفاءِ اربعہ بالخصوص شیخین -- حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما -- کے دینی مرتبہ و مقام کی بلندی کو کسی طور نہیں پہونچتے تھے اگرچہ بعض سیاسی اور انتظامی میدانوں میں ان کے کارنامے کسی سے کم نہ تھے۔ اہلِ ایمان ودین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دینی اور دنیاوی اعتبار سے عہدِ نبوی کے بعد خلافتِ شیخین کا درجہ و مقام ہے اور ان سے فروتر ان کے دونوں جانشینوں -- حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما -- کا ہے۔ مسلمانوں کی غالب اکثریت کے نزدیک خلفاءِ اربعہ کی تاریخی وواقعاتی ترتیب ان کی دینی و مذہبی حیثیت بھی متعین کرتی ہے (۵)۔ ظاہر ہے کہ خلفاءِ بنی امیہ اور ان کی حکومت کا وہ مرتبہ ومقام نہیں تھا جو خلفاءِ اربعہ کا تھا۔ مگر ان کی وہ فروتر اور پست حیثیت بھی نہ تھی جو دونوں ادوار اور نظاموں کا موازنہ کرنے والوں بالخصوص ان کے ناقدوں نے ان کو تاریخِ اسلام میں عطا کی ہے۔ انھوں نے دراصل اسلامی اور غیر اسلامی، شرعی اور غیر شرعی اور خلافت وملوکیت کا فرق ان دو ادوار میں قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور عوامی سطح پر اور شہرتِ عوام کے لحاظ سے وہ اپنی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں (۶)۔ لیکن یہ تفریق و تقسیم خلافِ واقعہ ہے۔ اموی خلافت اگرچہ خلفاءِ اربعہ کی حکومت کی ہم پلہ و ہم رنگ نہ تھی مگر وہ غیر اسلامی، غیر شرعی یا ملوکیت بھی نہ تھی جیسا کہ عام طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ درجہ مراتب کا جو فرق اکابرِ صحابہ کرام اور اصاغر صحابہ عظام میں تھا یا جو عمومی فرق صحابہ اور تابعین میں تھا وہی یا اسی سے ملتا جلتا فرق ان دونوں ادوار میں بھی تھا۔ اسلامی اصول واقدار کے مطابق بنوہاشم کو رسولِ اکرم ﷺ سے نسبت و تعلق کے شرف کے باوجود عملِ صالح کی بنیاد پر تفوق وفضیلت حاصل تھی اور بنوامیہ عملِ صالح اور خدمتِ اسلام میں کسی سے پیچھے نہ تھے (۷)۔ مگر خلافتِ راشدہ کے

جانشین و وارث ہونے کے سبب ان کے بارے میں کچھ توقعاتِ بیجا قائم کرلی گئیں اور کچھ بعد کے زمانے کی سیاسی روایت و چشمک کے پس منظر میں ان پر غلط الزامات و اتہامات عائد کئے گئے اور اس طرح ان کو بنوہاشم کا حریف و رقیب اور دشمن قرار دیا گیا۔

خلافتِ راشدہ کے دوسرے دور میں بعض ایسے اہم اور دور رس نتائج کے حامل واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ایک طرف ، تو تاریخِ اسلام کا دھارا بدل دیا تو دوسری طرف بنوامیہ اور اموی خلافت کے دشمنوں اور مخالفوں کا ایک محاذ قائم کردیا۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ خلافتِ عثمانی ملتِ اسلامی اور صحابہ کرام کے اتفاق و اتحاد سے قائم ہوئی تھی اور اس وقت کوئی ایسا گروہ موجود نہ تھا جو اس کا مخالف ہوتا مگر بعد میں ایک فتنہ جو جماعت نے اپنے پر مفاسد مقاصد کے لئے یہ شوشہ چھوڑا کہ حضرت علی حضرت عثمان سے خلافت کے زیادہ حق دار تھے اور بعد میں اسی جماعت نے شیخین سے بھی ان کو افضل قرار دے دیا۔ تفضیلِ علی کا یہ بظاہر معصوم سا نقطہ نظر جلد ہی عثمان دشمنی میں بدل گیا جو خلیفہ سوئم کی المناک شہادت پر منتج ہوا۔ حضرت عثمان کی مخالفت اور شہادت کے پیچھے بنیادی طور پر اموی مخالف رجحانات کار فرما تھے۔ پھر جب خونِ عثمان کے قصاص کے لئے اتحادِ ثلاثہ --حضراتِ ام المومنین عائشہ، زبیر و طلحہ --اور حضرتِ معاویہ نے کوشش کی تو اس کو بھی بنوہاشم کی مخالفت و رقابت سے تعبیر کیا گیا حالانکہ خونِ عثمان کا مطالبہ کرنے والوں کا مقصود حضرت علی کی خلافت و حکومت کی مخالفت و دشمنی نہ تھی بلکہ قاتلانِ عثمان کی سرکوبی اور ملتِ اسلامی کو افراتفری اور غلط سیاسی اقدار و معیارات سے بچانے کی کوششِ جمیل تھی لیکن اس کو بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے حضرت علی کی خلافت کی دشمنی اور بنوہاشم کی عداوت میں تبدیل کرکے اس طرح پیش کیا گیا کہ عوام تو عوام خواص و علماء تک اس شاطرانہ فریب کا شکار ہوگئے (۸)۔

اسلام دشمن اور بنوامیہ مخالف عناصر نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت اموی خلافت کو نہ صرف منہاجِ نبوت اور طریقہ رسالت سے ہٹا ہوا قرار دیا بلکہ ان کے دورِ حکومت کو ظلم و جبر کا دور ثابت کیا جب بنوہاشم بالخصوص خاندانِ علی مرتضیٰ پر ناقابلِ بیان و ناروا مظالم توڑے گئے۔ اتفاق سے اس زمانے میں بعض ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جنھوں نے ان کی طعن و تشنیع کی مہم جوئی کے لئے مسالہ فراہم کردیا۔ ان میں کربلا کا واقعہ ہائلہ اور بعض دوسرے علوی بزرگوں کے انقلابی اور تبدیلِ حکومت کے اقدامات بہت زیادہ اہم تھے۔ تعجب ہے کہ ان سیاسی واقعات کو دینی رنگ عطا کیا گیا اور ان کا مطالعہ

خروج وانقلاب برپا کرنے والوں کے نقطہ نظر سے کیا گیا مگر کبھی خلافت وحکومت کے نقطہ نگاہ سے ان پر نظر بھی نہیں ڈالی گئی۔ حکومتی نظام اور سیاسی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کے لئے اسلام نے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ حکومتِ وقت کی تبدیلی کے لئے بھی اصول مقرر ہیں۔ عہدِ اموی میں تبدیلی اور انقلاب کی جو مساعی کی گئیں وہ ان اصول وضوابط سے ہرگز میل نہیں کھاتیں (۹)۔ پھر طرفہ ستم یہ کہ امویوں اور ان کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ اپنی حکومت ونظام کے دفاع کا حق نہیں دیا گیا بلکہ ان پر ظلم و ستم کرنے کا اتہام بھی لگا دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی حکومت خواہ کتنی غیر شرعی وغیر اسلامی اور ظالم و جابر ہو اپنے اقتدار کے خلاف محاذ آرائی، بغاوت وخروج کرنے اور انقلاب برپا کرنے کی کبھی اجازت نہیں دے سکتی۔ اگر بفرضِ محال ان انقلابی کوششوں کو دبانے کی مساعی کو ظلم وجبر بھی مان لیا جائے تو ان کے علاوہ اور کون سے مظالم تھے جو اموی خلفاء نے بنوہاشم پر توڑے تھے؟ اس سوال کے جواب میں فرضی مظالم کی داستانیں تراشی گئیں اور ان تمام مثبت اور محبت آمیز تعلقات وروابط کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جو بنوامیہ اور بنوہاشم کے خاندانوں کے درمیان ہر دور میں قائم وباقی رہے تھے۔

علماءِ تاریخ اور محققین اب تک کی معلومات وحقائق کے تجزیہ سے اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ فنِ سیرت بنیادی طور سے مدینہ منورہ میں پروان چڑھا جبکہ علمِ تاریخ نے عراقی امصار بالخصوص کوفہ اور بصرہ میں نشو ونما پائی۔ عراقی مکتبِ فکر کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حکومتِ اموی کے مخالف رجحانات اور خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی پہلی خانہ جنگی کے دوران اسلامی مملکت کا یہ علاقہ خاص کر کوفہ اور بصرہ دشمنِ اسلام عناصر اور اموی مخالف طاقتوں کے آماجگاہ رہے۔ یہاں خوارج وشیعہ طبقات نے نہ صرف ملتِ اسلامیہ کے خلاف سازش کی بلکہ فکر ونظر کو بھی متاثر کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے بنوامیہ کے خلاف ایک سوچی سمجھی مہم چلائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی صفوں سے اٹھنے والے ابتدائی راوی اور اخباری اموی مخالف رجحانات وافکار کے حامل تھے۔ چنانچہ ابتدائی عہد کے تمام مصنفین ورواۃِ حولیات جیسے ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی، سیف بن عمر تمیمی، عوانہ بن حکم اور ان کے شاگردانِ رشید نے نہ صرف صحیح اور غلط روایات کو خلط ملط کیا بلکہ ضعیف ومرجوح حتی کہ موضوع روایات تک روایت وبیان کیں جن کا نشانہ ملامت بنوامیہ اور ان کی حکومت و خلافت تھی۔ دوسرے راویوں اور اخباریوں میں علی بن محمد مدائنی، محمد بن سائب کلبی اور ان کے فرزند ہشام کلبی، ہیثم بن عدی، واقدی، ابن سعد وغیرہ شامل ہیں اور ان کی روایات میں بھی بنوامیہ کے مخالف

رجحانات پوری طرح جھلکتے ہیں۔دوسری صدی ہجری کے تقریباً تمام راوی اور اخباری بنو امیہ کے مخالف ہوں یا نہ ہوں بنو ہاشم کے طرفدار ضرور تھے۔روایت و تاریخ میں یہ جانبداری اور تعصب بھی بنوامیہ کے خلاف ہی گیا۔ان تمام روایات واخبار کا تنقیدی تجزیہ بہر حال یہ بتاتا ہے کہ ان کا معتد بہ حصہ موضوع روایات پر مبنی ہے جس کا حقیقت و تاریخ سے کوئی تعلق نہیں (۱۰)۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری اور بعد کی صدیوں میں تاریخِ اسلام کے صدرِ اول اور اموی عہد کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ حولیات و اخبار کے انھیں راویوں اور اخباریوں کی روایات و بیانات پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان میں جو اموی مخالف روایات و رجحانات موجود تھے وہ جوں کے توں تاریخ کے ان مصادر میں در آئے جو ان صدیوں میں لکھے گئے۔بنیادی طور سے تیسری صدی اور بعد کی صدیاں جمع و تدوین کے زمانے تھے جب مصنفین و مورخین نے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کی مسابقت کی اور تحلیل و تجزیہ اور تنقید و تمحیص کی کوئی کوشش نہ کی۔ تیسری صدی کے مشہور مورخین میں محمد بن جریر طبری، یعقوب بن واضح یعقوبی اور احمد بن یحییٰ بلاذری شامل ہیں۔ موخر الذکر کے یہاں کبھی کبھی شامی یا اموی نقطہ نظر بھی مل جاتا ہے اگرچہ ان کی غالب روایات بھی عراقی مکتبِ فکر کی نمائندہ ہیں۔یعقوبی بلاشک و شبہ شیعی مصنف تھے اور امویوں کے دشمن، لہذا ان کی روایات میں اموی مخالف رجحانات بہت واضح اور نمایاں ہیں، جبکہ اس صدی کے عظیم ترین مصنف طبری بھی عراقی فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر امویوں کے خلاف وہ تمام روایات نقل کرتے ہیں جو حولیات کے متعصب راویوں اور اخباریوں کی روایات کا طرۂ امتیاز تھے۔

ان مصنفینِ تاریخ کو مورخین کہنا ہی صحیح نہیں جیسا کہ زیادہ تر مستشرقین اور جدید مورخین کا خیال ہے۔وہ زیادہ سے زیادہ جامعینِ روایات و ناقلینِ اخبار تھے اور ان کا اصل کام روایات و اخبار کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کتابوں میں رطب و یابس، صحیح و غلط اور تاریخی و موضوعی روایات کا انبار لگ گیا۔ان جامعینِ روایات نے اپنے جوشِ جمع و تدوین میں بحث و نظر اور تنقید و تجزیہ کرنے کی قطعی کوشش نہیں کی۔وہ اپنی رائے و تبصرہ کا بہت ہی شاذ و نادر اظہار کرتے ہیں اور وہ بھی بہت ڈھکے چھپے انداز و لہجہ میں۔المیہ یہ ہے کہ وہ جن روایات کو اپنے علم و یقین کے مطابق غلط اور موضوع سمجھتے ہیں ان کو بھی اپنے جوشِ جمع و استقصاء میں بیان کر دیتے ہیں۔ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ تمام اخبار و روایات جو بنوامیہ اور ان کی حکومت کے خلاف عراقی امصار میں گردش کر رہی تھیں اور تاریخ و علم

کی دنیا میں سکہ رائج الوقت تھیں تاریخ کے مسلمہ حقائق وواقعات کی حیثیت سے قبولِ عام و خاص کی مصداق بنیں (۱۱)۔

مدتِ جدید تک مسلمانوں میں تاریخ کا صحیح ذوق نہیں پیدا ہوا۔ وہ محض واقعات کی کھتونی کو تاریخ سمجھتے رہے۔ حالانکہ واقعات نویسی اور چیز ہے اور تاریخ نویسی اور چیز۔ تاریخی شعور اور تنقیدی تجزیہ کی ہلکی پھلکی لہریں تو تیسری صدی ہجری کے بعد سے تاریخی بیانات کے بین السطور ملنی اور نظر آنی شروع ہوگئی تھیں مگر تجزیہ و تحلیل پر مبنی تاریخ فہمی کا عمل بہت بعد میں شروع ہوا۔ مشہور فلسفی مورخ علامہ ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ پر عظیم الشان مقدمہ لکھااور تاریخ کے ظاہری اور باطنی عوامل کی کارفرمائی کواجاگر کرتے ہوئے پہلی بار مسلمانوں کواس حقیقت سے آگاہ کیا کہ ظاہری واقعات و حقائق اصل تاریخ نہیں ہوتے بلکہ اصل تاریخ سازی وہ محرکات و عوامل کرتے ہیں جوان ظاہری واقعات و حقائق کو جنم دیتے اوران کی تشکیل کرتے ہیں اور جب تک ان اندرونی محرکات و عوامل کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے اصلی تاریخ سے روشناسی ناممکن ہے (۱۲) مگر یہ کتنی عبرت انگیز حقیقت ہے کہ علامہ ابن خلدون نے جب خود تاریخِ اسلام لکھی تو محض واقعات کی کھتونی کر کے رہ گئے اوران کے تجزیہ و تحلیل اور تنقید و بحث سے قاصر رہے۔ ان کے قصور و عجز کا ایک سبب تو یہ تھا کہ انہوں نے اپنے مطالعہ تاریخ و نگارش میں اپنے وضع کردہ اصولوں کو نہیں برتا مگر اس کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدیوں کی تسلیم کردہ طرزِ نگارش یعنی واقعات کی کھتونی سے اپنا دامن نہیں بچاسکے اور اسیر حلقہ فریبِ رواۃ رہے۔ پھر بھی ان کے یہاں تنقید و تجزیہ کا عنصر نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ امویوں کے ساتھ کچھ زیادہ انصاف کرتے ہیں (۱۳)۔ ان کی اور ان جیسے دوسرے ناقد مورخین کی مشکل یہی ہے کہ وہ ان اخبار و روایات پر تکیہ و انحصار کرنے پر مجبور ہیں جو ان کے پیشرؤوں بالخصوص ابتدائی صدیوں کے راویوں اور اخباریوں نے میراث میں چھوڑے ہیں۔ تاہم اگر وہ تنقیح مزید اور تنقید و تجزیہ سے کام لیتے تو غالباً تاریخِ اسلامی اتنی تاریک اور بنوہاشم و بنوامیہ کے تعلقات اتنے سیاہ نظر نہ آتے۔

تحلیل و تجزیہ اور تنقید پر مبنی مطالعہ تاریخ اور اس کی نگارش کا چلن عہدِ جدید کی پیداوار ہے اور اس میں قطعی برا ماننے کی ضرورت نہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ عصری دین اور علومِ جدیدہ کی عطا ہے۔ مشرق میں ابھی تک قدیم مطالعہ تاریخ و نگارش مقبول و محبوب ہے اور ابھی تک قدیم اور روایتی حلقوں میں تاریخ نویسی کا مطلب ہے واقعات کی کھتونی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں صحیح مطالعہ ہو سکتا

ہے اور نہ صحیح نگارش۔ مغرب اور جدید دنیا میں فنِ تاریخ نویسی نے بہت ترقی کی ہے اور ان کے یہاں تحلیل و تجزیہ اور تنقید کی بنیاد پر لکھی گئی تاریخ ہی اصلی تاریخ نویسی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے دوسرے تعصبات اور افکار کے سبب تاریخِ اسلام کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے ہیں جو ہمارے متعصب و جانبدار راویوں اور اخباریوں نے روا رکھا تھا۔ بلکہ بعض اوقات وہ ان سے بھی زیادہ ناروا سلوک کرتے ہیں (۱۴)۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے بعض منصف مزاج مورخین نے بنوہاشم و بنوامیہ کی تاریخی رقابت و عداوت سے متعلق روایات اور قصوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور کئی ایک نے علانیہ ان کی تردید و تنقید کی۔

ادھر عہدِ جدید میں بعض مورخوں اور مستشرقوں نے ان تعلقات کا صحیح جائزہ لینا شروع کیا ہے اگرچہ وہ ابھی اشاروں کنایوں سے آگے نہیں بڑھا ہے مگر اموی خلافت اور اس کے کارناموں کا حقیقت پسندانہ تجزیہ ان میں سے بعض کے قلم سے نکلا ہے (۱۵)۔ مسلم دنیا میں ایسی کوششیں خال خال ہوئی ہیں۔ ان میں محی الدین خطیب کی بعض کاوشیں خاصی اہم اور انصاف پسندانہ ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے عرب و عجم کے مصنفوں نے بھی یہ خدمت انجام دی ہے لیکن ان کی تمام تر کوششیں حاشیہ نویسی یا جواب دہی یا مدافعت نگاری سے آگے نہیں بڑھی ہیں (۱۶)۔ صحیح سمت میں قدم نہ اٹھانے کا ایک سبب تو وہی واقعات کی کھتونی اور تحلیل و تجزیہ اور تنقید سے عاری تاریخ نویسی کا قدیم وراسخ رجحان ہے مگر اس سے کہیں زیادہ اہم اور خطرناک ان کے متعصّبانہ رجحانات اور جانبدارانہ خیالات ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے واضح اور نمایاں رجحان اہلبیت بالخصوص خاندانِ علوی کی بے پناہ و غیر مصنفانہ محبت و عقیدت ہے۔ یہ مبالغہ آمیز عقیدت و محبت مورخوں اور مصنفوں کی نگاہ کو یک رخا اور ان کے نقطہ نظر کو غیر معتدل بنا دیتی ہے اور وہ حقائق و واقعات کو اپنی رنگ آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ایسے تمام مصنفین و مورخین کا تقریباً یہ عقیدہ ہو چکا ہے کہ اہلبیت کا مخالف و حریف بہر حال برسرِ باطل تھا اور ان کے ممدوح حضرات و طبقات بہر کیف برسرِ حق تھے۔ وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ حق و باطل کا معیار اسلام کے اصول اور قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی کے ضوابط متعین کرتے ہیں اور جو اس کسوٹی پر کھرا اترے وہ ہی برسرِ حق ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ مشکل یہ بات ان کے لئے ہے کہ وہ مخالفوں اور حریفوں کو جو اتفاق سے اس پورے قضیہ میں اموی خلفاء اور بنوامیہ کے ابطال تھے خیر و خوبی کا حامل سمجھ سکیں۔ ان کے نزدیک وہ مجموعہ شر و خرابی تھے اور خیر و خوبی سے کلیتاً عاری اور محروم۔

حالانکہ کوئی قوم، جماعت یا افراد خیر و خوبی سے بالکلیہ محروم نہیں ہوتے (۱۷)۔

ایک اور دوررس نتائج کا حامل رجحان ان میں یہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے زعم و گمان میں بنوہاشم اور بنوامیہ کو روایات و اخبار سے متاثر ہو کر اور بعض صحیح واقعات کی تعمیم (۱۸) کر کے دو حریف و رقیب گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں حالانکہ تاریخ میں ایسا وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرات علی و معاویہ میں سیاسی آویزش بعض وجوہ و حالات کے سبب ہوئی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ خلیفہ اموی یزید بن معاویہ کے عہد میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرات حسنین کے بعض فرزندوں اور پوتوں نے حکومتِ وقت سے ٹکر لی اور جامِ شہادت نوش کیا مگر کیا ان سب واقعات و حوادث کی تمامتر ذمہ داری خلفاءِ بنوامیہ اور ان کے خاندان کی ہے؟ سلاطین و حکمرانوں کو اگر ان کا ذمہ دار بھی قرار دے دیا جائے تو خاندانِ بنی امیہ اس تمام ظلم و ستم کے لئے کیونکر جوابدہ اور ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ اگر ان کی ذمہ داری اور موردِ الزام ہونے کا سبب یہ قرار دیا جائے کہ انھوں نے اپنے خاندانی حکمرانوں کے اقدامات کی حمایت و نصرت کی یا ان کے ظالمانہ اقدامات پر مجرمانہ خاموشی اختیار کی اس لئے وہ برابر کے ذمہ دار تھے تو ایک غیر جانبدار مورخ یہ پوچھ سکتا ہے کہ اس مثبت حمایت و نصرت کی مجرم ورنہ کم از کم مجرمانہ خاموشی اور تصدیق و تائید کی مجرم پوری ملتِ اسلامی تھی۔ لہذا اسے کیوں موردِ الزام قرار نہیں دیا جاتا؟

اس سے زیادہ اہم اور مثبت سوال یہ ہے کہ بنوہاشم کی مختلف شاخوں اور خاندانوں اور افراد کے تعلقات اپنے اموی ہمعصروں سے کیسے رہے تھے؟ عہدِ جاہلیت ہی میں یہ دونوں بطون کئی شاخوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور عہدِ اسلامی میں تو ان کی شاخیں بطون بن چکی تھیں۔ بنوہاشم میں علوی خانوادہ کے علاوہ جعفری، عباسی اور حارثی خانوادے وجود میں آچکے تھے اور اسی طرح بنوامیہ میں حکمراں بنوابی سفیان کے علاوہ مروانی، عثمانی اور بنوربیعہ وغیرہ کے خانوادے کثرتِ تعداد کے لحاظ سے کافی اہم تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بنوہاشم اور بنوامیہ دونوں عم زادوں کے خاندان تھے اور ان کے درمیان خون کے رشتہ کے علاوہ مصاہرت و ازدواج اور دوسرے سیاسی، تہذیبی اور سماجی تعلقات قائم تھے (۱۹)۔ اگر ہم بطور مثال خاندانِ علی و فاطمہ کو ہی لے لیں تو مثبت تعلقات کی بعض بڑی درخشاں مثالیں ملیں گی۔ حضرت حسن بن علی "فتنہ" کی ابتدا سے مصالحت و موافقت کے حامی اور آویزش و اختلاف کے مخالف رہے تھے اور بالآخر جب زمامِ کار ان کے ہاتھ میں پورے طور پر آئی تو انھوں نے

خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں سونپ دی اور اپنے لئے کنارہ کشی پسند کی۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ انھوں نے جان بوجھ کر خلافتِ نبوی کی باگ ڈور نااہل ہاتھوں میں دے دینے کا ناقابلِ معافی جرم کیا ہوگا۔ یقیناً حضرت حسین نے خلافتِ یزید کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں ان کی شہادتِ عظمیٰ کا المناک واقعہ پیش آیا مگر کیا انہوں نے حضرت معاویہ کی خلافت بھی نہیں تسلیم کی تھی اور کیا اس عہد میں وہ خانہ بدوش یا عزلت گزیں ہو گئے تھے؟ پھر حضرت علی کے دوسرے فرزندوں حضرات محمد بن الحنفیہ اور عمر بن التغلبیہ کا خلفاءِ وقت کے ساتھ بالخصوص اور بنو امیہ کے ساتھ بالعموم کیا رویہ رہا تھا؟ اور ان سے بڑھ کر حضرت حسین کے فرزندوں اور دختروں نے بالعموم اور حضرت علی زین العابدین بن حسین نے بالخصوص اپنے اموی عم زادوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا تھا؟ صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عباس اور ان کے والدِ بزرگوار نیز ان کے بھائیوں کے تعلقات خلفاءِ وقت اور بنو امیہ سے دوستانہ تھے یا مخالفانہ؟ جعفری اور عباسی خاندانوں کے دوسرے بزرگوں، مردوں اور عورتوں نے ان تعلقات کو نباہا تھا یا ان کے ترک پر راضی تھے؟ ان تمام سوالات کے جوابات ہماری انھیں جانبدار اور متعصّبانہ مصادرِ تاریخ اور دوسرے اسلامی مآخذ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں مگر ہمارے کوتاہ بیں اور یک رخے مورخوں نے نہ تو ان کا مطالعہ و تجزیہ کیا اور نہ ان کی بنیاد پر قریش کے ان دونوں اہم ترین خاندانوں کے ہمہ گیر و جامع تعلقات کا کوئی قابلِ ذکر مطالعہ پیش کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان مثبت و خوشگوار معلومات و روایات پر ان کی نظر نہ پڑی ہو۔ وہ ان کی نگاہ سے گذرے بھی ہوں گے مگر انھوں نے ان کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا کہ اس سے ان کے خود ساختہ نظریات و مزعومات پر زد پڑتی ہے اور ان کی متعصّبانہ تاریخ نگاری کو ٹھیس پہونچتی ہے (۲۰)۔ موجودہ مطالعے میں ہماری کوشش یہ ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں بالخصوص اسلامی تاریخ کے صدرِ اول میں جس کو ہم کلاسیکی عہد بھی قرار دے سکتے ہیں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے روابط و تعلقات کا معروضی، منصفانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ کہاں تک یہ دونوں عم زاد خاندان ایک دوسرے کے حریف و رقیب تھے اور کہاں تک ان کے تعلقات سیاسی، سماجی اور تہذیبی میدانوں میں خوشگوار و خوش آئند تھے؟

بنو ہاشم و بنو امیہ عہدِ جاہلیت میں

ان دونوں قریشی خاندانوں کے درمیان باہمی نفرت و عداوت بیان کرنے والوں نے اپنی تمامتر توجہ ان دو منافروں پر مرکوز رکھی ہے جو پہلے ہاشم اور امیہ اکبر کے درمیان اور پھر ان کے فرزندانِ گرامی عبد المطلب اور حرب کے درمیان ہوئے تھے۔ان میں سے پہلے منافرہ کا پس منظر و سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہاشم اپنی فطری دریادلی اور سخاوت کے سبب اہلِ مکہ اور حاجتمندانِ شہر کی امداد واعانت کیا کرتے تھے اور ایک بار جب مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تو انہوں نے اپنی دولت و سخاوت سے بہت سے بھوکوں کا پیٹ بھرا۔ان کے حریف امیہ اکبر کو ان کی دریادلی پسند نہ آئی اور دولتمند و مالدار ہونے کے باوجود موخر الذکر نے اہلِ مکہ اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی نہ کی جس کے نتیجہ میں ہاشم بن عبد مناف کو لوگوں کی محبت اور نیک نامی ملی اور امیہ کو بدنامی اور نفرت کا داغ اٹھانا پڑا۔امیہ کو اس سے مزید رنج ہوا اور ہاشم سے اور نفرت و عداوت بڑھی۔چنانچہ ان دونوں کے درمیان مجد و شرف اور فضیلت و عزت کے لئے منافرہ ہوا اور حَکَم نے فیصلہ ہاشم کے حق میں دیا اور شرائطِ منافرہ کے مطابق امیہ کو نہ صرف مالی تاوان ادا کرنا پڑا بلکہ وطن سے دربدری اور جلاوطنی کا ذائقہ بھی دس سال کی طویل مدت تک چکھنا پڑا۔روایات کے مطابق یہ پہلی عداوت تھی جو ان دونوں کے خاندانوں کے درمیان ہمیشہ کے لئے زہرناک تعلقات کا بیج بو گئی (۲۱)۔

اس سے زیادہ مضحکہ خیز یہ روایت ہے کہ ہاشم اور امیہ جڑواں پیدا ہوئے تھے اور پیدائش کے بعد ان کو تلوار سے جدا کیا گیا اور چونکہ اس عملِ تفریق سے ان کا خون بہا تھا اس لئے وہ دوامی عداوت و نفرت کا سبب بن گیا (۲۲)۔موخر الذکر روایت گھڑنے والوں نے یہ حقیقت بھی یاد نہ رکھی کہ ہاشم اور امیہ دونوں بھائی نہیں چچا بھتیجے تھے اور ان کے توأم ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا چنانچہ بعض سمجھدار راویوں نے امیہ کی جگہ ان کے والد عبد شمس کا نام بھی رکھ دیا ہے (۲۳)۔بہر حال یہ دونوں روایتیں مضحکہ خیز حد تک موضوع ہیں اور ان کے قبول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اسی طرح منافرہ والی روایت بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ وہ مجہول و موضوع ہے۔

دوسرے منافرہ کی کہانی یہ ہے کہ اذینہ نامی ایک یہودی تاجر عبد المطلب بن ہاشم کی جوار (پناہ) میں تھا جس کو حرب بن امیہ کے ایماء واشارہ پر ہاشم بن عبد مناف عبدری اور صخر بن عامر تیمی نے ابن مطرود خزاعی کی موجودگی میں قتل کر دیا۔ جب عبد المطلب ہاشمی نے حرب بن امیہ اموی سے اس قتلِ ناحق کے خون بہا کا مطالبہ کیا تو موخر الذکر نے انکار کر دیا۔ دونوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کے لئے شاہِ حبشہ نجاشی کو حکم بنانا چاہا مگر ان کے انکار کرنے پر دونوں نے بنو عدی کے مشہور حکم نفیل بن عبد العزیٰ کو معاملہ سپرد کیا جنہوں نے عبد المطلب ہاشمی کے حق میں فیصل کر دیا اور اس سے ان دونوں خاندانوں کے مابین عداوت اور گہری ہو گئی (۲۴)۔ پہلی تینوں روایتوں کی مانند یہ روایت بھی ضعیف و مرجوح ہونے کے سبب ناقابلِ قبول ہے (۲۵)۔

لیکن اگر تمام روایات کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے کہاں یہ لازم آتا ہے کہ وہ دوامی نفرت و عداوت کا سبب بن گئے تھے اور عارضی کشیدگی اور لمحاتی کبیدگی کے مظہر نہ تھے۔ عہدِ جاہلیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافرہ عرب سماج کا ایک قبائلی دستور تھا جو مختلف قبیلوں، گروہوں اور افراد کے درمیان پیش آتا ہی رہتا تھا (۲۶)۔ ممکن ہے کہ اس سے تعلقات میں دراڑ پڑ جاتی ہو مگر وہ عارضی ہوتی تھی کیونکہ دوسرے واقعات و حوادث ان منافرتوں کے سبب واقع ہونے والی مبینہ دوامی عداوت و نفرت کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے۔

مشہور روایت کے مطابق قریش کے جدِ امجد قصی بن کلاب نے بنو خزاعہ سے لڑ کر مکہ مکرمہ کی سیادت و سرداری حاصل کی تھی اور اپنی زندگی میں وہ پانچ مناصب کے مالک تھے جبکہ بقیہ دوسرے مناصب قریش کے دوسرے خاندانوں جیسے بنو تیم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو سہم اور بنو جمح وغیرہ کو حاصل تھے۔ اپنی وفات کے وقت قصی نے تمام مناصب اپنے فرزندِ اکبر عبد الدار کے حوالے کر دئے اور بقیہ تمام فرزندوں بالخصوص عبد مناف کو، جو بنو امیہ اور بنو ہاشم کے دونوں جدِ اعلیٰ تھے، محروم کر دیا۔ بعد میں بنو عبد مناف جب افرادی اور سیاسی و سماجی قوت کے حامل بنے تو انھوں نے بنو عبد الدار سے مکہ مکرمہ کی سیادت میں اپنا حصہ طلب کیا اور ہاشم نے اپنے تین بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل کی مدد سے رفادہ اور سقایہ کے عہدے حاصل کر لئے (۲۷)۔ اگرچہ یہ روایت بعض وجوہ سے صحیح نہیں ہے جن کا ذکر ہم ذرا دیر میں کریں گے مگر اس سے کم از کم ہاشم جو ہاشمی خاندان کے اور عبدِ شمس جو اموی خاندان کے مورثِ اعلیٰ تھے کے درمیان محبت والفت کے تعلقات کا اظہار ہوتا ہے اور نفرت و عداوت کے مبینہ نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔

"اخبار مکہ مشرفہ" کے مصنف ازرقی (م ۲۴۴ھ / ۸۵۸ء) کا بیان مذکورہ بالا روایت سے زیادہ بہتر اور صحیح معلوم ہوتا ہے جس کے مطابق قصی بن کلاب نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھ مناصب میں سے آدھے آدھے اپنے دو فرزندوں عبدِ مناف اور عبد الدار میں تقسیم کئے تھے اور عبدِ مناف نے اپنے والدِ ماجد اور برادرِ بزرگوار کی مانند اپنے تین عہدے --- رفادہ، سقایہ اور قیادہ --- اپنے دو فرزندوں عبدِ شمس اور ہاشم کو بوقت وفات یوں دئے تھے کہ اول الذکر دونوں ہاشم کو اور قیادہ عبد شمس کو عطا کیا تھا (۲۸)۔ ازرقی کی اس روایت کو تسلیم کرنے سے اکثر مورخین کے اس نظریہ عداوت کی تردید ہو جاتی ہے جو وہ سیادتِ مکہ مکرمہ کے سلسلہ میں ان دونوں خاندانوں کے درمیان قائم بتاتے ہیں (۲۹)۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاشم اور عبد شمس دونوں اپنے اپنے زمانے میں مکہ مکرمہ کے شیوخ وسادات میں تھے لہذا ان کے درمیان نفرت وعداوت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح بعض جانبدار اور متعصب مورخوں کا نظریہ تفضیلِ ہاشم بھی مسترد ہو جاتا ہے (۳۰) کیونکہ مکہ مکرمہ کی سیاسی اور سماجی قیادت وسیادت اشرافیہ کے اصولوں پر مبنی تھی جن کے مطابق قریش کے تمام شیوخ وسادات ہم پلہ وہمسر تھے اور کسی کو کسی پر ایسی فوقیت حاصل نہ تھی کہ ایک بادشاہ وحاکم ہوتا اور باقی محکوم وماتحت (۳۱)۔

یہی صورت حال عبد المطلب بن ہاشم ہاشمی اور حرب بن امیہ اموی کے زمانے میں قائم تھی کہ اول الذکر سقایہ ورفادہ کے مالک تھے تو موخر الذکر قیادہ کے، جو ان دونوں کو اپنے اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملے تھے۔ قیادہ کے بارے میں یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ فوجی معاملات میں بالخصوص میدانِ جنگ میں قریشی افواج کی سالاری صاحبِ قیادہ یا قائد کو حاصل ہوتی تھی اور تمام دوسرے قبائلی سردار اور قریشی سالار اس کے ماتحت ہوتے تھے۔ جیسا کہ ہم ابھی جنگِ فجار اور ابو سفیان بن حرب اموی کی جنگوں کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔

بنو عبدِ مناف کا خاندان اپنے اتحاد واتفاق، الفت ومحبت کے لئے عہدِ جاہلی کے علاوہ اسلامی عہد میں بھی ممتاز تھا۔ عبدِ مناف کے چار عظیم فرزندوں --- عبد شمس، ہاشم، مطلب اور نوفل --- کے خاندانوں پر یہ عظیم تر خاندان مشتمل تھا جو وقت کے ساتھ افرادی لحاظ سے برابر طاقتور ہوتا رہا (۳۲)۔ قبائلی دستور کے مطابق ان چاروں خاندانوں کے افراد کے درمیان یگانگت وچاہت کے تعلقات استوار تھے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کبھی بشری تقاضوں سے ان کے خاندانوں یا افراد وارکان میں کسی مسئلہ پر نزاع واختلاف اور رنجش پیدا ہو جاتی ہو لیکن وہ عارضی اور گھریلو چشمک سے زیادہ نہیں ہوتی

تھی اور اس سے دوامی اور مستقل عداوت کی بنیاد نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے خاندانوں اور قبیلوں کے مقابلہ میں وہ سب کے سب ایک متحد جماعت اور منظم وہم آہنگ گروہ بن جاتے تھے۔

کتاب المنمق کے ایک حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قریش میں پہلا اختلاف بنوامیہ اور بنوزہرہ کے درمیان ہوا تو پورے بنوعبدِ مناف نے اپنے خاندان بنوامیہ کا ساتھ دیا اور بنوزہرہ کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کے درپے ہوگئے اور آخر کار تحکیم کے ذریعہ معاملہ سلجھالیا گیا۔ اسی ماخذ سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کے خزانے سے طلائی غزالوں کی چوری کے معاملہ میں بنوامیہ نے اپنے سیاسی اتحاد "الاحلاف" کا بنوہاشم کے خلاف، جو "المطیبون" کے سیاسی اتحاد سے تعلق رکھتے تھے، ساتھ نہیں دیا تھا (۳۳)۔ عہدِ نبوی کے قریب کی ایک مثال ابنِ اسحاق نے یوں بیان کی ہے کہ ہشام بن ولید نے ابوازیہر پر ذوالمجاز کے بازار میں حملہ کیا۔ موخر الذکر کی ایک دختر عاتکہ ابوسفیان بن حرب اموی کی بیوی تھی چنانچہ ابوسفیان اموی کے فرزند یزید نے اپنے نانا کا انتقام لینے کے لئے بنوعبد مناف کو جمع کیا۔ ابوسفیان اموی کو خبر ملی تو انھوں نے خوں بہا پر رضامندی کا اظہار کر کے معاملہ رفع دفع کیا۔

ان تمام مثالوں میں بنوعبد مناف کو ہم ایک متحدہ خاندان کی مانند ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک دیکھتے ہیں۔ آئندہ بھی ان کے اتحاد واتفاق اور یگانگت کی متعدد مثالیں آئیں گی لیکن یہاں اس مسئلہ پر ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کردیا جائے کہ بنوعبد مناف کی اس قربت وقرابت کا احساس فریقین کو تھا۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ جب صلحِ حدیبیہ کے بعد حضرت ابوسفیان تجارت کے لئے شام گئے تو قیصر روم نے ان کو رسولِ اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کے سلسلہ میں طلب کیا۔ اس وقت ابوسفیان نے کہا تھا: "هو ابن عمي وليس في الركب يومئذ احد من بني عبد مناف غيري" (وہ یعنی محمد ﷺ میرے بھتیجے ہیں اور قافلہ میں آج میرے سوا اور کوئی بنوعبد مناف کا فرد نہیں ہے۔) رسولِ اکرم ﷺ کو ان سے قرابت کا کتنا خیال تھا اس کا کچھ اندازہ امام مسلم کی روایت سے ہوتا ہے جس کے مطابق حضرت حسان بن ثابت انصاری نے دفاعِ اسلام میں قریش کی ہجو کے ساتھ ساتھ ابوسفیان اموی کی بھی تنقیص کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا: "وما لقرابتي منه؟" (ان سے میری قرابت کا کیا ہوگا؟) اور آپؐ کی ہدایت پر انہوں نے ابوسفیان کی ہجو نہیں کی (۳۴)۔

عرب کے قبائلی دستور میں منادمت کی ایک شریفانہ روایت تھی جو دو افراد بالخصوص تجار

کے درمیان قائم ہو جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کے ندیم (دوست) اور شریکِ تجارت کہلاتے تھے۔ محمد بن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ھ / ۸۵۹ء) نے اپنی دونوں کتابوں میں قریشِ مکہ کے اٹھاون ندیموں کی فہرست دی ہے اور اس میں سر فہرست عبد المطلب بن ہاشم ہاشمی اور حرب بن امیہ اموی کو رکھا ہے اور مزید تشریح کی ہے کہ نفیل بن عبد العزی عدوی کے ذریعہ منافرہ کے زمانے تک وہ دونوں ایک دوسرے کے ندیم رہے اور منافرہ کے بعد جدا ہو گئے اور جنگِ فجار سے قبل جب عبد المطلب ہاشمی کی وفات ہوئی تو حرب بن امیہ اموی نے عبد اللہ بن جدعان تیمی سے رشتہ ندیمی استوار کر لیا (۳۵)۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس منافرہ کے بعد بھی عبد المطلب ہاشمی اور حرب اموی کے درمیان تعلقاتِ محبت و صداقت بر قرار رہے تھے اور کم از کم اس منافرہ نے ان کے خاندانوں کے تعلقات اور افراد کے رشتہ مودت پر ذرا بھی اثر نہیں ڈالا تھا۔ چنانچہ ۵۷۳ء میں جب یمن کے حمیری بادشاہ سیف ذی یزن نے حبشی افواج کو شکست دے کر یمن سے نکالا اور وہاں خالص عرب حکومت قائم کی تو اس کو مبارکباد دینے اور عرب سالمیت کا اظہار کرنے کے لئے جن قریشی شیوخ کا وفد گیا تھا اس کے دو معزز ارکان عبد المطلب ہاشمی اور حرب اموی تھے (۳۶)۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ان دونوں شیوخ کے تعلقاتِ محبت و یگانگت کا پختہ اندازہ ان کے رشتہ مصاہرت سے بھی ہوتا ہے۔ روایات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں خاندانوں کے درمیان ازدواجی تعلقات کی ابتدا کب سے ہوئی مگر غالباً یہ قیاس صحیح ہے کہ اس کے آغاز کا سہرا انھیں دونوں بزرگوں کے سر ہے (۳۷)۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ عبد المطلب ہاشمی نے اپنی چھ دختروں میں سے دو حضرات صفیہ اور ام حکم کی شادی بالترتیب حرب اموی کے ایک فرزند حارث اور خاندانِ عبد شمس کے ایک اور رکن کریز بن ربیعہ سے کی تھی اور تیسری دختر امیمہ کی شادی بنو امیہ کے ایک حلیف جحش بن رئاب اموی سے کی تھی (۳۸)۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عرب کے قبائلی نظام میں حلفاء اور موالی اسی خاندان / بطن / قبیلہ کے افراد و ارکان شمار ہوتے تھے جس سے وہ رشتہ "حلف" یا رشتہ "ولا" استوار کرتے تھے (۳۹)۔ دختروں کے علاوہ عبد المطلب ہاشمی نے اپنے ایک فرزند ابو لہب ہاشمی کی شادی بنو امیہ کی ایک دخترِ ام جمیل اموی سے کی تھی جو حرب اموی کی دختر اور ابو سفیان بن حرب اموی کی بہن تھی (۴۰)۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ تمام شادیاں اور ازدواجی رشتے منافرہ سے پہلے اور بعد میں بھی ہمیشہ قائم و دائم رہے اور وقتی رنجشوں اور اختلافوں نے

انھیں کبھی متاثر نہیں کیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ندیمی اور دوستی، ازدواج و مصاہرت اور مودت والفت کے تعلقات بنو ہاشم اور بنو امیہ کے دوسرے افراد میں نہ صرف قائم واستوار رہے بلکہ وہ بعض حالات میں مثالی رہے۔ عبد المطلب ہاشمی کے فرزند عباس ہاشمی نے حرب اموی کے فرزند ابوسفیان اموی سے ندیمی اور دوستی کا رشتہ استوار کیا اور دونوں ایک دوسرے کے تازندگی ندیم ودوست رہے (۴۱)۔ اس سلسلہ میں ایک دل چسپ روایت یہ ملتی ہے کہ عہدِ جاہلی میں کسی وقت عباس بن عبد المطلب ہاشمی اور ابوسفیان بن حرب اموی تجارت کے لئے یمن گئے تو ایک دن بازار کا کاروبار ایک ندیم دیکھتا تھا اور دوسرا خیمہ کی رکھوالی کرتا اور کھانا پکاتا تھا اور دوسرے دن دوسرا (۴۲)۔ یہ ان دونوں کی مستقل محبت ومودت کا پختہ ثبوت ہے۔

بعثتِ نبوی کے بعد بھی ان دونوں بزرگانِ بنی ہاشم و بنی امیہ کے تعلقات پہلے کی طرح خوشگوار و مضبوط رہے۔ ابنِ اسحاق وغیرہ متعدد مورخوں اور راویوں کا بیان ہے کہ فتحِ مکہ کے لئے جب افواجِ نبوی شہر کے باہر ایک وادی میں خیمہ زن تھیں اور قریشِ مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے انھوں نے ہزارہا مشعلیں جلا رکھی تھیں تو صورتِ حال جاننے کے لئے حضرات عباس ہاشمی وابوسفیان اموی ساتھ ساتھ مکہ سے نکل کر خیمہ گاہ نبوی میں آئے تھے۔ ان کو آتا دیکھ کر حضرت عمر بن خطاب عدوی نے ان کا تعاقب کیا اور خیمہ گاہ نبوی میں پہنچ کر دربارِ رسالت میں ان دونوں کے کچھ عرض کرنے سے پہلے دشمنِ خدا ابوسفیان اموی کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگی۔ اس پر تڑپ کر حضرت عباس ہاشمی نے حضرت عمر عدوی سے کہا تھا کہ "تم یہ بات محض اس لئے کہہ رہے ہو کہ ابوسفیان بنو عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں" حضرت عمر نے جواب دیا تھا کہ "اللہ کی قسم! جس دن آپ اسلام لائے تھے اس دن مجھے اتنی خوشی ہوئی تھی کہ میرا باپ خطاب بھی اسلام لاتا تو اتنی نہ ہوتی" (۴۳)۔ اس موقعہ پر بھی حضرت عباس ہاشمی نے ابوسفیان اموی کو متحدہ خاندانِ بنی عبد مناف کا فرد قرار دے کر دونوں خاندانوں کے اتحاد و یگانگت اور سالمیت کو واضح کیا تھا۔ تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عباس ہاشمی کی تحریک پر ابوسفیان اموی فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور انھیں کی درخواست پر رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان اموی کے گھر کو دار الامان قرار دیا تھا (۴۴)۔ حضرت ابوسفیان اموی سے دوسرے ہاشمی بزرگوں کے تعلقات کا جائزہ ذرا بعد میں لیا جائے گا۔

ہاشمی اور اموی خاندانوں میں رشتہ ندیمی اور تعلقِ دوستی کافی وسیع پیمانے پر قائم ودائم نظر آتا ہے۔مذکورہ بالا شیوخ واکابر کے علاوہ یہ واضح ہوتا ہے کہ ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی نے مسافر بن ابی عمرو بن امیہ اموی سے ندیم ہونے کا رشتہ قائم کیا تھااور دونوں ایک دوسرے کے جگری دوست تھے اور یہ دوستی مسافر کی موت تک قائم رہی اور جب ان کی وفات دیارِ غیر میں ہوئی تو ابو طالب ہاشمی کو اتنا قلق واندوہ ہوا کہ انھوں نے ایک زبردست مرثیہ کہاجو عربی ادب میں یادگار سمجھا جاتا ہے(۴۵)۔

حرب اموی کے فرزند حارث اموی اور عبد المطلب ہاشمی کے فرزندِ اکبر حارث ہاشمی جو ایک دوسرے کے ہمنام ہونے کے علاوہ برادرِ نسبتی بھی تھے ایک دوسرے کے ندیم اور دوست بھی زندگی بھر رہے اور حارث اموی کی موت کے بعد ہی حارث ہاشمی نے عوام بن خویلد اسدی سے رشتہ منادمت قائم کیا تھا(۴۶)۔دوسرے رشتوں میں حضرت عثمان اموی کے متعلق ذکر آتا ہے کہ مذکورہ بالا حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے ایک فرزند ربیعہ ہاشمی ان کے عہدِ جاہلی کے شریکِ تجارت اور دوست تھے اور ان کی دوستی خلافتِ عثمانی تک قائم رہی(۴۷)۔اسی طرح عباس ہاشمی کے ایک اموی دوست عتبہ بن ربیعہ کے فرزند ولید تھے اور ان کی دوستی کا ذکر غزوہ بدر سے قبل حضرت عاتکہ بنت عبد المطلب کے خواب کے بیان کے سلسلہ میں آتا ہے(۴۸)۔اگر حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی ولید بن عتبہ بن ربیعہ عبد شمس کے دوست تھے تو ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی نے اپنے دوسرے فرزند حضرت عقیل ہاشمی کی شادی، جو حضرت علی ہاشمی سے تقریباً بیس سال بڑے تھے، ولید بن عتبہ عبد شمسی / عبشمی کی بیٹی حضرت فاطمہ سے کی تھی جو تازندگی قائم رہی(۴۹)۔

ابن سعد کی ایک دلچسپ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی نے غالباً دخترِ ولید کے انتقال کے بعد ان کی پھوپھی فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے شادی اس شرط پر کی تھی کہ وہ عقیل کے ضامن بن جائیں اور اخراجات کا بار ان کی اہلیہ فاطمہ کے ذمہ رہے گا۔روایت میں ہے کہ شادی کے بعد حضرت فاطمہ حضرت عقیل سے پوچھا کرتی تھیں کہ عتبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ غالباً یہ سوال وہ غزوہ بدر میں ان کے قتل کے انجامِ اخروی کے متعلق پوچھا کرتی تھیں۔حضرت عقیل عموماً تحمل کا مظاہرہ کرتے مگر ایک دن پریشان خاطری کے عالم میں انھوں نے جھلا کر جواب دیا:"جب تم دوزخ میں پہونچو گی تو وہ تمہارے دائیں بائیں ہوں گے"۔فاطمہ بنت عتبہ نے ناراض ہو کر تعلقاتِ زن وشوئی ختم کرنے کا اعلان کیا اور نکاح فسخ کرانے کے لئے حضرت عثمان بن عفان اموی سے رجوع

کیا۔ حضرت عثمان نے یہ معاملہ حضرات عبداللہ بن عباس ہاشمی اور معاویہ بن ابی سفیان اموی کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ اول الذکر شروع میں تفریق و تنسیخ کے حق میں تھے مگر موخر الذکر نے فرمایا: "میں بنو عبد مناف کے دو بزرگوں کے درمیان رنجش و رخنہ پیدا ہونے نہیں دونگا" اور پھر دونوں نے زن و شوہر کے درمیان صلح کرادی (۵۰)۔

بعد کا واقعہ بظاہر خلافتِ عثمانی کا معلوم ہوتا ہے مگر غالباً یہ نکاح بھی عہدِ جاہلی میں کسی وقت ہوا ہوگا۔ خاندانِ عبدالمطلب ہاشمی کے ایک اور فرد کی شادی عہدِ جاہلی یا عہدِ نبوی میں کسی وقت بنو امیہ میں ہوئی تھی۔ عبدالمطلب بن ہاشم کے فرزندِ اکبر حارث ہاشمی کے پوتے حارث بن نوفل ہاشمی نے حضرت ابو سفیان بن حرب اموی کی ایک دختر ہند بنت ابی سفیان اموی سے، جو ام المومنین حضرت امِ حبیبہ بنت ابی سفیان اموی کی ہمشیرہ تھیں، شادی کی تھی اور ان سے دونوں کی متعدد اولادیں ہوئی تھیں (۵۱)۔ عہدِ نبوی میں ان دونوں خاندانوں کے ازدواجی تعلقات کا ذکرِ مزید ذرا دیر میں پھر آئے گا۔

بنو عبد مناف کے چاروں بطون بالخصوص بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقاتِ مودت والفت کا ایک پختہ اور شاندار مظاہرہ جنگِ فجار (۵۹۱ء) میں ہوا تھا۔ متعدد روایات کا اتفاق ہے کہ اس جنگ میں، جو قریش و کنانہ کے اتحاد اور قیس عیلان اور بنو بکر بن عبد مناۃ کے اتحاد کے درمیان، برپا ہوئی تھی قریشی افواج کے قائد وسپہ سالارِ اعظم حرب بن امیہ اموی تھے اور ان کے زیرِ کمان قریش کے تمام دوسرے شیوخ و سادات تھے جن میں زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی اپنے خاندان یا بطن کی قیادت کر رہے تھے اور اسی خاندانی فوج میں رسولِ اکرم ﷺ جو اس وقت لگ بھگ بیس سال کے نوجوان تھے، اپنے دوسرے چچاؤں کے ساتھ شریک تھے۔

اس سلسلہ میں دو دلچسپ بیانات ملتے ہیں: ایک یہ کہ حرب بن امیہ اموی بنو عبد مناف کے بھی سالارِ اعلیٰ تھے اور ان کے ساتھ ان کے تین بھائی سفیان اور ابو سفیان، جن کا اصل نام عنبسہ تھا، اور ابوالعاص بن امیہ اموی موجود تھے اور وہ اس دن کے بعد اپنی بہادری اور شجاعت کے لئے "العنابس" (شیر) کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ایک بازو پر امیر لشکر عبداللہ بن جدعان تیمی تھے اور دوسرے بازو پر کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھے اور حرب بن امیہ اموی سالارِ اعظم ہونے کے سبب قلبِ لشکر میں تھے اور ان کے ساتھ ان کا خاندانی پرچم بھی تھا (۵۲)۔ اس سے اہم دوسرا بیان یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی نے اپنی قدیم دوستی اور جگری یارانہ کے سبب اپنے آپ کو

"اموی عنابس" کے ساتھ وابستہ کرلیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے شانہ بشانہ لڑے تھے (۵۳)۔ان بیانات سے جہاں خاندانِ بنو عبد مناف کے اتحاد و اتفاق کا پختہ ثبوت ملتا ہے وہاں ہاشمی اور اموی بزرگوں کے تعلقاتِ یگانگت و مودت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ابو سفیان بن حرب اموی کے بارے میں عام طور پر دانستہ یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی رہی ہے کہ انہوں نے محض اموی ہونے کے سبب رسولِ اکرم ﷺ اور اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی کیونکہ "بنو امیہ اسلام کو بنو ہاشم کی فتح خیال کرتے تھے" (۵۴)۔اور اسی وجہ سے انھوں نے غزوہ بدر کے بعد تمام قریشی اقداماتِ جنگ کی قیادت کی تھی (۵۵)۔حالانکہ اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں قبائلی اور خاندانی منافرت و عداوت کا حوالہ دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اسلام کے سلسلہ میں قبائلی عصبیت کا بالعموم دخل نہیں ہوتا تھا۔اسلام کی حمایت و مخالفت کرنے والوں نے عموماً اس کے اصولوں اور تعلیمات کو مدِ نظر رکھ کر اور اپنے دنیاوی مقاصد کی رعائت کی وجہ سے اپنا رویہ اپنایا تھا۔حضرت ابو سفیان اموی کے غزواتِ نبوی کے مقابل قیادت و کمان کرنے کے سلسلہ میں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ انھوں نے یہ ساری مخالفت اسلام کے خلاف اور قریشی افواج کے مسلمہ قائد اور سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے کی تھی جس طرح دوسرے قریشیوں بالخصوص ہاشمیوں نے کی تھی۔اگر قریش کسی دوسری طاقت سے نبرد آزما ہوتے جیسے کہ وہ جنگِ فِجار میں ہوئے تھے تو قریش کے سالارِ اعظم ابو سفیان بن حرب اموی اسی طرح قریشی افواج کی کمان کرتے جس طرح انھوں نے مسلمانوں کے خلاف بدرِ موعد، احد اور خندق وغیرہ میں کی تھی۔

جس طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی اپنے حلم و کرم، داد و دہش اور قومی محبت و الفت کے لئے شہرتِ عام رکھتے ہیں (۵۶) اسی طرح ان کے والدِ بزرگوار حضرت ابو سفیان بن حرب اموی خاندانِ بنی عبد مناف کی محبت و مودت کے لئے مشہور تھے۔روایات کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے خاندانِ بنو عبد مناف بشمول بنی ہاشم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور اس کے تمام افراد کے لئے بلا کسی تحفظ و تردد کے نرم گوشہ اپنے دل میں رکھتے تھے (۵۷)۔ان کی تائید و تصدیق ان کے طرزِ عمل اور سلوک سے بھی ہوتی ہے۔

ہجرتِ نبوی کے بعد جب رسولِ اکرم ﷺ نے شام سے واپس ہونے والے قریشی کارواں کو، جو ابو سفیان اموی کی قیادت میں مکہ مکرمہ واپس آرہا تھا روکنا چاہا تو کارواں کی حفاظت کے لئے ابو سفیان

اموی نے مکہ مکرمہ سے فوج طلب کرلی جو بدر کے قریب پہونچ گئی تھی مگر جب قریشی کارواں بحفاظتِ تمام مسلمانوں کے چنگل سے نکل گیا تو قریشی سپہ سالارِ اعظم نے قریشی فوج کے سالاروں کو فوج واپس مکہ لانے کا حکم دیا تھا (۵۸)۔ اس کی تعمیل میں متعدد خاندان مثلاً بنو عدی اور بنو زہرہ اور کئی افراد جیسے طالب بن ابی طالب ہاشمی وغیرہ واپس چلے گئے تھے اور دوسرے تمام اکابرِ قریش واپسی کے حق میں تھے مگر ابو جہل مخزومی نے عدول حکمی کی اور جنگ برپا کرنے کا سبب بنا (۵۹)۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت اور ملتی ہے جو بنو ہاشم اور بنو عبد شمس وامیہ کے قریبی دوستانہ تعلقات کو واضح کرتی ہے۔ وہ اکابرِ قریش جو غزوہ بدر کے موقعہ پر جنگ و جدال کے مخالف تھے اور بلا قتال واپس جانا چاہتے تھے ان میں عتبہ بن ربیعہ عبد شمسی سرِ فہرست تھے۔ مجلس مشاورت میں جب عتبہ بن ربیعہ نے جنگ سے پہلو تہی کا مشورہ دیا تو ابو جہل مخزومی نے طنز کیا کہ "شیخ عتبہ نے یہ مشورہ محض اس لئے دیا ہے کہ ان کا فرزند محمد (ﷺ) کے ساتھ ہے اور خود محمد (ﷺ) ان کے بھتیجے ہیں اور انھیں یہ ناپسند ہے کہ ان کے فرزند اور بھتیجے قتل کئے جائیں" (۶۰)۔ عتبہ بن ربیعہ نے بزدلی کے طعنہ پر اپنی رائے واپس لے لی اور خود مبارزت طلبی اور پھر اس میں جان دے کر اپنی شجاعت کا ثبوت فراہم کیا تھا تاہم اس واقعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ بنو عبد شمس اور بنو ہاشم کے درمیان جو تعلقاتِ مودت و محبت تھے ان کا پاس نہ صرف ان دونوں خاندانوں کے افراد کو تھا بلکہ قریش کے دوسرے خاندانوں بالخصوص دشمنانِ اسلام کو بھی ان کا پورا احساس تھا۔

عہدِ جاہلی میں ابو سفیان بن حرب اموی کو اسلام اور مسلمانوں سے یقیناً دشمنی تھی اور اس ضمن میں وہ کسی قسم کی رعایت دینے کے لئے غالباً تیار نہ ہوتے لیکن مذہبی اختلاف کے باوجود ان کو اپنے اموی اور بنو عبد مناف کے دوسرے رشتہ داروں اور عزیزوں سے قطعی محبت تھی اور وہ صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرنا خوب جانتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں حضرت ابو العاص بن ربیع عبد شمسی نے اپنی جنگی قید سے رہائی کے بعد رسول اکرم ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب کو جو ان کے حبالہ نکاح میں تھیں، مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ ایفاءِ وعدہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے بھائی کی نگرانی اور حفاظت میں ان کو واپس کرنا چاہا مگر شیوخ و اکابرِ قریش نے یوں برسرِ عام بنتِ رسول ﷺ کی مدینہ روانگی کو اپنی قومی ذلت کے مترادف جانا اور اس کے آڑے آئے۔ حضرت ابو سفیان اموی نے اس موقعہ پر حلمِ قریش کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت زینب کو واپس گھر لے جانے پر برادرِ ابو العاص کو

راضی کر لیا اور پھر رات کی تاریکی میں خود ان کی روانگی کا انتظام کیا اور اپنی حفاظت و نگرانی میں ان کو مکہ مکرمہ کی حدود اور قریشی اکابر کی پہونچ سے باہر پہونچایا کیونکہ ان کو مذہبی اور سیاسی اختلاف کے سبب ایک بیٹی سے باپ کی جدائی گوارا نہیں تھی (۶۱)۔

اگرچہ ابو سفیان بن حرب اموی صلحِ حدیبیہ کے موقعہ پر موجود نہ تھے تاہم ان کو اس سے پورا اتفاق تھا۔ اسی طرح جب قریشِ مکہ نے بنو بکر بن عبد مناۃ کے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر غدارانہ حملہ سے آنکھ بند کر لی تو ابو سفیان بن حرب اموی نے اس کو ناپسند کیا اور تجدیدِ عہد کے لئے دوڑے دوڑے مدینہ منورہ پہونچے۔ وہاں انھوں نے جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں حضرت علی ہاشمی بھی تھے اور انھیں کے مشورہ پر ابو سفیان اموی نے مسجدِ نبوی میں معاہدہ صلح کی تجدید کا اعلان قریش کی جانب سے کیا تھا (۶۲)۔ غالباً اسی سفر میں انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ "اگر میں آپ سے جنگ ترک کر دوں تو عرب آپ کو تنہا چھوڑ دے گا اور کوئی تعرض نہ کرے گا"۔ اور رسولِ اکرم ﷺ نے ہنس کر ان کی تصدیق کی تھی (۶۳)۔

حضرت ابو سفیان اموی اور رسولِ ہاشمی ﷺ کے درمیان تعلقاتِ محبت و یگانگت کی کئی مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔ دو ایک اور مثالیں پیش ہیں جو ابو سفیان اموی کی شرافتِ نفس اور اپنے عم زاد و داماد کے ساتھ محبت و الفت اور تعلقِ خاطر کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ جب ابو سفیان اموی کو رسولِ ہاشمی ﷺ کے ساتھ ان کی دختر نیک اختر حضرت امِ حبیبہ اموی کی شادی کی خبر ملی تو انھوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اپنے دامادِ مکرم کی تعریف و تحسین کی (۶۴)۔ ایک بڑی دلچسپ روایت یہ ملتی ہے کہ حضرت ابو سفیان اموی نے اس نکاح کے بعد کسی وقت رسولِ اکرم ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ ان کی دوسری دختر حضرت عزہ بنت ابی سفیان سے شادی کر لیں تاکہ ان کو مصاہرتِ نبوی کا دہرا شرف مل جائے مگر رسولِ اکرم ﷺ نے اس بنا پر یہ درخواست قبول نہیں فرمائی کہ قانونِ الٰہی دو بہنوں کے ایک نکاح میں بیک وقت اجتماع کو حرام قرار دیتا ہے (۶۵)۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کے قتل کے بعد ان کے ایک فرزند ابو ملیح ثقفی اور ان کے ایک بھتیجے قارب بن اسود بن مسعود ثقفی نے اہلِ طائف کو چھوڑا اور مدینہ منورہ پہونچ کر اسلام قبول کر لیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو عرب دستور کے مطابق کسی سے رشتہ ولا قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ جب انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اپنا مولیٰ بنایا تو رسولِ اکرم ﷺ نے ان

دونوں کو اپنے قریشی ماموں حضرت ابو سفیان بن حرب اموی کے ساتھ رشتہ حلف استوار کرنے کا بھی حکم دیا جسکی انھوں نے تعمیل کی۔

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے صلہ رحمی اور قرابت و مودت کے رشتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا اور مذہبی اختلاف کے باوجود ان کی ہمیشہ رعائت رکھی تھی۔ اس کی تصدیق بلاذری کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ نبوت سے قبل رسولِ اکرم ﷺ نے شراکت پر مالِ تجارت حضرت ابو سفیان اموی کو دے کر شام بھیجا تھا اور ابو سفیان اموی نے مال و منافع دونوں آپ کو لا کر دئے اور آپ کی تعریف و توصیف کی۔ خود رسولِ اکرم ﷺ اسی دوران رسالت سے مشرف ہو گئے تھے مگر آپ ابو سفیان اموی سے ملے اور ان کی خیریت پوچھنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے تھے (۶۶)۔

بعثت سے قبل رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت زینب ہاشمی کی شادی خاندانِ عبد شمس کے ایک ممتاز فرزند ابو العاص بن ربیع سے کی تھی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو العاص حضرت خدیجہ کے بھانجے یعنی ان کی بہن ہالہ بنت خویلد اسدی کے بیٹے تھے اور یہ رشتہ ام المومنین کی مرضی و منشا اور سلسلہ جنبانی سے ہوا تھا۔ اس رشتہ سے حضرت ابو العاص کی ایک صاحبزادی حضرت امامہ پیدا ہوئی تھیں جو رسولِ اکرم ﷺ کو بہت عزیز تھیں کہ وہ آپ کی پہلی نواسی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک صاحبزادے علی بھی پیدا ہوئے تھے جن کا کمسنی میں ہی انتقال ہو گیا تھا (۶۷)۔

اگرچہ ابو العاص نے غزوہ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ اور اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور جنگ میں گرفتار بھی ہوئے تھے مگر وہ بعد میں مہر نبوی سے قید سے آزاد ہوئے۔ اس کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے جو یہ ہے کہ حضرت ابو العاص کی رقمِ فدیہ کے لئے حضرت زینب نے اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے انھیں جہیز میں دیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا جی اپنی چہیتی مرحومہ بیوی کی نشانی دیکھ کر بھر آیا اور آپ نے مسلمانوں کی مرضی اور خوشی سے وہ ہار بھی واپس کر دیا اور حضرت ابو العاص کو بلا فدیہ رہا بھی کر دیا۔ غالباً اسی حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر ابو العاص نے دخترِ رسول ﷺ کو مدینہ منورہ واپس بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا اور اس کو مشکلات کے باوجود وفا بھی کیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اسی شرافتِ نفس اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے ابو العاص کی تعریف و تحسین کی تھی (۶۸)۔

اگرچہ حضرت ابو العاص کی دوبارہ گرفتاری، رہائی اور قبولِ اسلام کا واقعہ عہدِ نبوی کا ہے لیکن

سلسلہ کلام کی رعایت سے اس کو یہیں بیان کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عموماً اصحابِ سیرت و تاریخ کا معمول ہے۔۶ھ /۶۲۸ء میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک سریہ حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجا جس نے ایک قریشی کارواں پر تاخت کی اور اس کا مال چھین لیا۔ افرادِ قافلہ بچ کر نکل گئے جن میں ابوالعاص بن ربیع بھی شامل تھے مگر وہ پھر چھپ کر مدینہ منورہ آئے اور حضرت زینب کے پاس پناہ لی۔ ہاشمی بیوی نے اپنے عبد شمسی شوہر کو جوار دینے کا اعلان کیا جس کی رسولِ اکرم ﷺ کو خبر بھی نہ تھی۔ بعد میں آپ نے مسلمانوں کے مشورہ سے ان کا مال واپس کر دیا۔ ابوالعاص نے شرکائے تجارت کو ان کا مال مکہ مکرمہ میں پہونچایا اور اسلام قبول کر کے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آبسے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پرانے نکاح کی بنیاد پر حضرت زینب ہاشمی اور حضرت ابوالعاص عبد شمسی کے تعلقاتِ زن و شوئی بحال کر دئے (۶۹)۔

عہدِ نبوی میں ہاشمی اور اموی روابط

۶۱۰ء میں بعثت ورسالتِ محمدی کے اعلان واظہار کے بعد مکہ مکرمہ میں مذہبی، سیاسی اور سماجی تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس نے عرب کے قدیم دستورِ حیات کی بساط ہی الٹ دی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جب باشندگانِ مکہ کو بالخصوص اور خلقِ خدا کو بالعموم اسلام کی دعوت دی تو ابتدا ہی سے آپ کے پیغام کو قبول کرنے والوں نے قبائلی عصبیت کو راہ کا روڑا نہیں بننے دیا۔ مگر ہمارے بعض غیر محتاط مورخین اور متعصب مخالفینِ بنی امیہ نے ہمیشہ یہ پروپیگنڈا کیا کہ بنو امیہ نے اسلام کو بنو ہاشم کی فتح خیال کیا اس لئے انھوں نے اس کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ حالانکہ یہ خیال حقیقت اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اسلام کی تبلیغ وکامیابی کی تاریخ کا ایک معروضی مطالعہ بتاتا ہے کہ دوسرے قبائلِ عرب اور بطونِ قریش کی مانند اسلام کے قبول ورد میں بنو ہاشم اور بنو امیہ بھی ہمنواؤں اور مخالفوں کی دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ اگرچہ رسولِ اکرم ﷺ کا تعلق بنو ہاشم سے تھا تاہم خود آپ کے بعض خاندان والوں نے سخت مخالفت کی تھی اور اکثر نے قبولِ اسلام سے انکار کیا تھا۔ مخالفوں میں ابو لہب بن عبد المطلب ہاشمی (۷۰) اور ان کے ایک بھتیجے ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی، جو رسولِ اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے کہ انھوں نے بھی حلیمہ سعدیہ کا کچھ دنوں دودھ پیا تھا اور اس رشتہ کی بنا پر آپ سے بہت محبت کرتے رہے تھے، شامل تھے (۷۱)۔ اسلام قبول کرنے سے انکار واحتراز کرنے والوں میں سر فہرست آپ کے مربی وشفیق چچا ابو طالب ہاشمی تھے (۷۲)۔ مدتوں آپ کے دوسرے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں نے اسلام قبول کرنے سے اجتناب کیا تھا اگرچہ قبائلی دستور کے مطابق آپ کی محافظت وحمایت کی تھی۔ مکہ مکرمہ میں حضرات علی اور جعفر ان چند نفوسِ قدسیہ میں تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا اور باقی ہاشمیوں نے مدنی عہد میں آپ کے پیغامِ حق پر کان دھرا تھا (۷۳)۔

جہاں تک اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بنو امیہ کے رویہ کا تعلق ہے تو ان میں تین طرح کے لوگ تھے: اسلام کا مذاق اڑانے اور استہزا کرنے والے، اسلام کے شدید مخالف اور اسلام کے

شیدائی اور قبول کرنے والے۔ ابو سفیان بن حرب اموی اور دوسرے بیشتر اکابرِ بنی امیہ مستہزئین میں شامل تھے (۷۴) جبکہ اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں عقبہ بن ابی معیط اموی سر فہرست تھا (۷۵)۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے اکابرِ بنی عبد شمس کا رویہ ہمدردانہ اور گریز کا تھا (۷۶)۔ جبکہ اسلام کے شیدائیوں میں کئی ممتاز اموی شامل تھے۔

ان میں سر فہرست حضرت عثمان بن عفان اموی تھے جنھوں نے روایات کے مطابق اپنے بزرگ دوست حضرت ابو بکر صدیق تیمی کی ترغیب پر ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابنِ اسحاق نے پہلے بارہ مسلمانوں کی فہرست میں ان کا نام گنایا ہے۔ حضرت عثمان نے قبولِ اسلام کی پاداش میں اپنے خاندان کی سرزنش بھی سہی تھی اور چچا حکم بن ابی العاص اموی کی تادیب و تعذیب بھی (۷۷)۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی سبقتِ اسلام، شرافتِ نفس اور اخلاقِ کریمانہ کے سبب پہلے اپنی منجھلی دختر حضرت رقیہ سے ان کی شادی کی۔ یہ شادی آغازِ نبوت ہی میں ہوئی تھی کیونکہ حضرت عثمان اموی اپنی ہاشمی زوجہ مکرمہ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے جہاں ان کے ایک فرزند عبد اللہ پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں ان دونوں بزرگوں نے مکہ واپس آکر مدینہ منورہ ہجرت کی اور اسلام کی خاطر بڑی قربانیاں دیں (۷۸)۔ غالباً اسلام کے لئے مال خرچ کرنے والوں میں حضرت عثمان غنی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت رقیہ کی ۲ھ / ۶۲۴ء میں وفات کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے اپنی سنجھلی دختر حضرت امِ کلثوم کی شادی کر دی تھی اور اسی وجہ سے حضرت موصوف کا لقب "ذوالنورین" ہو گیا تھا (۷۹)۔ ۹ھ / ۶۳۰ء میں جب حضرت امِ کلثوم کا انتقال ہو گیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی اور وہ ناکتخدا ہوتی تو اس کو بھی عثمان سے بیاہ دیتا" (۸۰)۔ حضرت عثمان اموی کے فضائل و مناقب اور خدماتِ اسلام سے سیرت و تاریخ کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔

دوسرے اموی سابقینِ اولین میں مشہور ترین و عظیم ترین شیخ مکہ عتبہ بن ربیعہ عبد شمسی کے فرزندِ دلبند حضرت ابو حذیفہ شامل تھے۔ انھوں نے آغازِ کار ہی میں اپنی اہلیہ اور غلام کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں اپنے بزرگوں کے ہاتھوں ایذائیں برداشت کی تھیں اور پھر ہجرت کر کے اپنا وطن اپنے مذہب کے لئے چھوڑ دیا تھا (۸۱)۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ان کے والد عتبہ اور چچا شیبہ کا رویہ اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کے لئے ہمدردانہ تھا۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت کی وجہ سے جب مکہ مکرمہ کے قریش میں بے چینی بڑھی اور ان کے ضبط کا پیمانہ چھلکنے ہی والا تھا تو انھوں

نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ چنا تاکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لے آئیں۔ بارگاہِ نبوی میں عتبہ نے پہونچکر آپ کو قریش کا پیغام سنایا تو آپ نے شیخ مکہ کو آیاتِ قرآنی سنائیں۔ عتبہ ان کو سن کر ششدر و حیران رہ گئے اور عالمِ حیرانی میں واپس مجلسِ قریش میں آئے اور ان کو مشورہ دیا کہ ''وہ محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اگر وہ عربوں کے ہاتھوں مارے گئے تو قریش کی مراد بر آئے گی اور اگر وہ قریش پر غالب آگئے تو یہ ان ہی کا بھلا اور قومی فائدہ ہوگا''۔ قریش کے سخت کوشوں نے ان کی بات نہیں مانی اور ان کو نرم روی نیز اقربانوازی کا طعنہ دیا (۸۲)۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ جب ۹ نبوی / ۶۱۹ء میں رسولِ اکرم ﷺ طائف کے سفر سے زخمی دل اور زخمی جسم کے ساتھ واپس آئے تو مکہ مکرمہ کے قریب انھیں عتبہ و شیبہ کے باغ میں پناہ ملی۔ دونوں عبد شمسی / اموی چچاؤں نے اپنے ہاشمی ابنِ عم کی حالتِ زار و نزار دیکھ کر ان کی تالیفِ قلب اور پاسداری کے لئے اپنے ایک نصرانی غلام عداس کے ہاتھوں انگور کے خوشے بھیجے جو آپ نے قبول فرمائے۔ اختلافِ مسلک و مذہب کے باوجود ان اموی بزرگوں نے اپنے ہاشمی عزیز کے ساتھ مہر و محبت کا سلوک کیا تھا جو ان کی شرافتِ نفس اور صلہ رحمی کا ثبوت تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ طائف سے واپسی کے بعد جب ابو جہل مخزومی نے آپ کو دیکھا تو اس نے بنو عبد مناف پر طنز کیا: ''کیا یہ تمہارے نبی ہیں''؟ اس پر عتبہ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا: ''کون سی چیز مانع ہے کہ ہم میں نبی یا بادشاہ نہ ہوں''۔ جب اس کی خبر رسولِ اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ عتبہ کے پاس پہونچے اور آپ نے فرمایا ''تمہاری یہ حمیت خاندانی تھی حمیت برائے الٰہی نہ تھی'' (۸۳)۔

قریشِ مکہ کے ایک عظیم ترین سردار و سید ابو احیحہ سعید بن العاص اموی تھے جو اسلام کے نرم رو مخالف تھے۔ ان کے دو فرزندوں حضرات خالد بن سعید اور عمرو بن سعید نے اسلام قبول کرنے کا شرف ابتدائے دعوتِ نبوی میں پایا تھا اور مکہ مکرمہ میں اپنے والد کے ہاتھوں سخت ایذائیں برداشت کی تھیں اور پھر کسی طرح گلو خلاصی حاصل کر کے پہلے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور مدتوں وہاں قیام کرنے کے بعد ۷ھ / ۶۲۹ء میں مدینہ منورہ پہونچے تھے (۸۴)۔ ہمارے مآخذ میں اگرچہ تصریح نہیں ملتی لیکن اس کا امکان ہے کہ بعض اور امویوں نے بھی اسی عہد میں اسلام قبول کیا ہو۔ بیشتر امویوں نے ہاشمیوں اور دوسرے قریشیوں کی مانند فتحِ مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا (۸۵)۔

صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ (۶ھ / ۶۲۸ء اور ۸ھ / ۶۳۰ء کے درمیان) جن اہم ترین قریشیوں

نے اسلام قبول کیا تھا ان میں ابو سفیان بن حرب اموی کے دو نامور فرزند حضرات یزید اموی اور معاویہ اموی بھی شامل تھے (۸۶) اگرچہ زیادہ تر شہرت یہی ہے کہ ان دونوں نے بھی فتحِ مکہ کے دوران اسلام کی راہ اختیار کی تھی (۸۷)۔ مگر اس زمانے کی ایک نمائندہ مثال دشمنِ اسلام ورسول عقبہ بن ابی معیط اموی کی بہادر دختر حضرت امِ کلثوم کی ہے جنھوں نے اس دوران نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ جرأتِ ایمانی کا ثبوت دے کر تنِ تنہا ہجرت کر کے مدینہ پہونچیں اور تعریف و تحسینِ الٰہی کی مستحق بنیں (۸۸)۔

ہمارے بعض اموی مخالف مصنفوں اور مورخوں نے "طلقاءِ مکہ" کے اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں ان کی نیت و ایمان پر حرف گیری کی ہے اور اس کو غیر خالص اسلام یا ایمان برائے نام قرار دینے کی کوشش کی ہے (۸۹) مگر ان کی نکتہ چینی صحیح نہیں ہے۔ وہ جب مسلمان ہوئے تو ان کا اسلام خالص، ایمان محکم اور اخلاص کامل تھا (۹۰)۔ وہ منافق نہیں تھے کیونکہ حدیث و تاریخ کی تمام روایات کا اتفاق ہے کہ مہاجروں میں سے کوئی منافق نہیں تھا (۹۱)۔ پھر ان کے ایمانِ خالص کے پختہ ثبوت ملتے ہیں۔ جنگِ اوطاس اور محاصرۂ طائف میں حضرت ابو سفیان بن حرب اموی کی ایک آنکھ تیر سے شہید ہوئی تھی اور دوسری جنگِ یرموک میں (۹۲)۔ ان معرکوں میں متعدد اموی بزرگوں اور جوانوں نے شاندار کارنامے انجام دئے تھے۔ ان میں بنو امیہ، بنو عبد شمس کے خاندانوں کے اصیل اموی مردانِ کار بھی شامل تھے اور ان کے اسدی حلفاءِ کرام وغیرہ بھی۔ موالی بنی امیہ بھی اسلام کی شاندار فوجی خدمات انجام دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے (۹۳)۔

اسلامی ریاست و حکومت کی انتظامی خدمات انجام دینے میں بنو امیہ نے عہدِ نبوی میں کسی طبقہ یا قبیلہ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کیا تھا۔ یہ وہ خیر القرون تھا جب دین و حکومت توام تھے اور سیاسی وانتظامی خدمت بھی دینی خدمت تھی۔ خالص دینی خدمت، جس میں کوئی دنیاوی شائبہ بھی نہ تھا، بنو امیہ کے ایک دو ممتاز افراد نے انجام دی تھی۔ ان خدمات کی روایات جہاں بنو امیہ کے ایمانِ خالص، حبِ رسول اور وفاداری اسلام کا ثبوت فراہم کرتی ہیں وہاں ان پر رسول اکرم ﷺ کے اعتماد و اعتبار کا بھی اعلان و اظہار کرتی ہیں۔ خالص دینی خدمت وحیِ الٰہی اور قرآنِ کریم کی کتابت تھی۔ مکہ مکرمہ میں جن اکابرِ صحابہ نے کتابتِ وحی کی خدمت انجام دی تھی ان میں حضرت عثمان بن عفان اموی کا نام نامی کافی ممتاز نظر آتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے کاتبانِ رسول ﷺ میں بنو امیہ کے متعدد صحابہ کرام جیسے خالد بن سعید اموی، عمرو بن سعید اموی، معاویہ بن ابی سفیان اموی اور ان کے برادرِ بزرگ یزید بن ابی سفیان

اموی اور بعض روایات کے مطابق اول الذکر دو سعیدی صحابہ کے دو اور بھائیوں سعید بن سعید بن العاص اموی، ابان بن سعید اموی اور ابوسفیان بن حرب اموی شامل تھے۔ ان میں سے اکثر کے بارے میں یہ تصریح آتی ہے کہ انھوں نے قرآنِ کریم اور رسولِ اکرم ﷺ کے نامہائے مبارک کی کتابت کی تھی (۹۴) مگر حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کے بارے میں روایات کا تقریباً اتفاق ہے کہ وہ قبولِ اسلام کے بعد بارگاہِ نبوی میں سب سے زیادہ موجود رہنے والے اور مستقل (الزمہم) کاتبِ رسول تھے اور ہر قسم کے نامے لکھتے تھے (۹۵)۔

ان کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ اور اہم روایت آتی ہے جس سے نگاہِ رسالتمآب ﷺ میں ان کی قدر و منزلت اور اعتبار و افتخار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک بار رسولِ اکرم ﷺ نے کسی اہم معاملہ کی کتابت کے لئے حضرت عبد اللہ بن عباس ہاشمی کے ذریعہ حضرت معاویہ اموی کو ان کے گھر سے طلب کیا۔ موصوف اس وقت کھانا کھا رہے تھے اس لئے کھانا ختم کرنے کے بعد آنے کا وعدہ کر لیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد دوبارہ حضرت ابنِ عباس ہاشمی کو ان کے گھر بھیجا مگر صحابی موصوف ابھی لذتِ کام و دہن کے دلچسپ کام سے فارغ نہ ہوئے تھے۔ قاصدِ رسولِ اکرم ﷺ نے سارا ماجرا آکر کہہ سنایا اور آپ نے ان کو دعا دی کہ "اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے"۔ حضرت معاویہ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے دعائے رسول لگ گئی ہے" کیونکہ وہ دن میں کئی بار خوش خوراکی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے (۹۶)۔ روایت میں اگرچہ اس کا اظہار نہیں کہ جنابِ رسالتمآب ﷺ نے پھر کسی اور سے کتابت کی خدمت لی تھی مگر آپ کی سنت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمت حضرت معاویہؓ ہی سے لی گئی ہوگی ورنہ آپ اتنا انتظار نہ فرماتے۔

اسی طرح ایک دوسری دینی خدمت یعنی فتویٰ دینے اور دینی احکام بتانے کا مجاز عہدِ نبوی میں جن صحابہ کرام کو قرار دیا گیا تھا ان میں حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی شامل تھے (۹۷)۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ موخر الذکر ہاشمی بزرگ کے علاوہ کاتبینِ رسول میں اور کوئی ہاشمی شامل نہ تھا جبکہ بنو امیہ کے متعدد حضرات اس خدمت سے مشرف ہوئے تھے۔

فوجی سالاری کے لئے رسولِ اکرم ﷺ نے بنوہاشم میں سے حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی، عبیدہ بن حارث ہاشمی اور علی بن ابی طالب ہاشمی وغیرہ کو منتخب فرمایا جبکہ بنوامیہ میں سے حضرت خالد بن سعید امویؓ، ان کے ایک بھائی، ابوسفیان بن حرب اموی اور بعض دوسرے امویوں کو چنا تھا (۹۸)۔

مدینہ منورہ سے اپنی غیر حاضری کے زمانے میں خلافت و نیابتِ نبوی ادا کرنے کے لئے آپ نے اپنے مولیٰ حضرت زید بن حارثہ کو تو ایک آدھ بار منتخب کیا مگر کسی ہاشمی کے سپرد یہ سعادت نہیں کی اور جنگِ تبوک کے زمانے میں حضرت علی ہاشمی کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا بھی تو صرف خانوادۂ رسالت کے لئے، مدینہ منورہ اور امتِ مسلمہ کی سربراہی کے لئے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو مقرر فرمایا تھا(۹۹)۔ جبکہ بنوامیہ میں سے حضرت عثمان بن عفان اموی کو دو دو غزوات کے موقعہ پر نیابتِ رسول کا شرف بخشا تھا: اول ۳ھ / ۶۲۴ء میں غزوہ ذوامر کے موقعہ پر اور دوئم ۵ھ / ۶۲۶ء میں غزوہ ذات الرقاع کے موقعہ پر (۱۰۰)۔ البتہ بعض دوسرے حضرات کو اس سعادت سے مشرف ہونے کا زیادہ موقعہ ملا تھا۔ حضرت عثمان اموی کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے موقعہ پر انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سفیر خاص کی حیثیت سے خدمت انجام دی تھی اور ان کی شہادت کی افواہ عام ہو جانے پر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک کو ان کا ہاتھ قرار دے کر تمام مسلمانوں سے جاں نثاری کی بیعت لی تھی جس کو قرآنِ کریم میں زبانِ الٰہی سے "بیعتِ رضوان" کہا گیا ہے (۱۰۱)۔

اسلامی ریاست کی تنظیم اور نبوی حکومت کے انتظام وانصرام کے لئے رسولِ اکرم ﷺ نے چھبیس ولایات کے لئے کل بتیس والی / گورنر مقرر فرمائے تھے (۱۰۲) جن میں سے واحد ہاشمی والی حضرت حارث بن نوفل تھے جن کو آنجناب ﷺ نے جدہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا(۱۰۳) جبکہ ان کے مقابل بنوامیہ کے سات افراد اور ایک حلیفِ بنی امیہ کو اس سعادت سے مشرف کیا تھا۔ اموی ولاۃ میں سرِ فہرست حضرت عتاب بن اسید اموی تھے جن کو بلدِ امین اور شہرِ الٰہی - مکہ مکرمہ - کا والی مقرر کیا تھا۔ صحابی موصوف کے بارے میں دو اہم باتیں ملاحظہ کے قابل ہیں: اول یہ کہ وہ اٹھارہ بیس برس کے نوجوان تھے جب ان کو اس اہم کام کے لئے منتخب کیا گیا تھا، دوم یہ کہ وہ جدید الاسلام تھے اور انھوں نے فتحِ مکہ کے دن ہی اسلام قبول کیا تھا۔ معمر، تجربہ کار اور قدیم الاسلام صحابہ کرام کی موجودگی میں ان کا انتخاب خاصی اہمیت کا حامل ہے جو ان کی صلاحیتوں کے اعترافِ نبوی کا مترادف ہے (۱۰۴)۔

دوسرے اموی والیوں میں خاندانِ سعیدی کے چار نامور فرزندوں کو اہم ولایات کی انتظامی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ ان میں سے حضرت عمرو بن سعید اموی کو وادی القریٰ کا، ان کے برادرِ بزرگ عبداللہ (حکم) بن سعید اموی کو قریٰ عربیہ کا، ابان بن سعید اموی کو بحرین کا اور خالد بن سعید اموی کو صنعاءِ یمن کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ دل چسپ بات ہے کہ ان میں سے بیشتر بیک وقت اپنے کارِ منصبی انجام

دے رہے تھے۔ان میں سے دو بزرگ قدیم الاسلام تھے تو دو دوسرے یعنی حضرات عبد اللہ اور ابان نسبتاً جدید الاسلام تھے (۱۰۵)۔ حضرت یزید بن ابو سفیان اموی غالباً پہلے اموی گورنر تھے جو عہدِ نبوی میں مقرر ہوئے تھے کیونکہ ان کے بارے میں صراحت آتی ہے کہ وہ تیماء کی فتح کے بعد اس کے والی بنائے گئے تھے (۱۰۶)۔ ان کے والدِ محترم حضرت ابو سفیان بن حرب اموی کو رسولِ اکرم ﷺ نے جرشِ یمن کا گورنر بنایا تھا (۱۰۷) اور جب وفاتِ نبوی کے قریب انھوں نے مدینہ منورہ واپس آنا چاہا تو ان کی جانشینی کے لئے ان کے ایک حلیف حضرت سعید بن قشیب ازدی کو منتخب کیا گیا تھا (۱۰۸)۔ اگرچہ ایک اور سعید ی فرزند حضرت سعید بن سعید بن العاص اموی کا ولاۃِ نبوی کے طبقہ سے تعلق نہ تھا تاہم وہ بھی نبوی انتظامیہ کے ایک اہم کارکن تھے کہ ان کو طائف کے بازار کا نگراں اور سربراہ بنایا گیا تھا (۱۰۹)۔

یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اموی والیوں اور کارکنوں کی تقرری کی بنیادی وجہ ان کی لیاقت وصلاحیت اور اسلام ورسولِ اکرم ﷺ کے لئے اخلاص ووفاداری کا جذبہ تھا اور اس میں کسی طور پر اقرباء پروری اور اعزہ نوازی کا شائبہ نہ تھا تاہم وہ رسولِ ہاشمی سے اموی خدام وکارکنانِ ریاست کی قربت اور تعلق کا ضرور ثبوت فراہم کرتی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے مرکزی عاملینِ صدقات کا ایک مکمل نظام قائم کیا تھا جس کے کارکنوں کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ وہ ریاستِ اسلامی کے مختلف گوشوں سے سرکاری محاصل اور صدقات وصول کریں (۱۱۰)۔ ان نبوی عاملینِ صدقات میں حضرت ولید بن عقبہ اموی بعض وجوہ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کو رسولِ اکرم ﷺ نے قبیلہ بنوالمصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا مگر وہ قبیلہ مذکورہ بالا کے غیر روایتی طرزِ عمل سے خوفزدہ ہو کر واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے اور رسولِ اکرم ﷺ سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جب رسالتمآب ﷺ نے بنو مصطلق کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجنا چاہا تو قبیلہ کے سردار اور دوسرے نمائندوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنی بات کہی۔ بعد میں اس واقعہ کے ضمن میں سورۂ حجرات کی آیتِ کریمہ ،۱۰۱ نازل ہوئی۔

عام مفسرین اور مورخین نے اس کا مصداق حضرت ولید بن عقبہ اموی کو قرار دیا اور ان پر فاسق ہونے کا اتہام لگایا۔ لیکن زبانِ رسالتمآب ﷺ نے ایسی کسی طعنہ زنی کی حمایت نہیں کی بلکہ ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ولید پر پورے اعتماد کا اظہار کیا تھا اور اگرچہ بنو مصطلق کے لئے ان کا

پسندیدہ عاملِ صدقات مقرر کر دیا تھا تاہم طبری وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت ولید بن عقبہ اموی کو قضاعہ کے نصف قبیلہ کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ حضرت ولید بن عقبہ اموی کے خلاف غیر محتاط مفسروں، متعصب راویوں اور جانبدار مورخوں نے ایک طوفانِ طعن و تشنیع برپا کیا ہے لیکن وہ تمام روایات یکسر غلط ہیں اور ان کی تحلیل و تنقید میں کہیں اور کر چکا ہوں۔ حضرت ولید کی عالی ظرفی، ایمانداری اور دیانتداری کا سب سے بڑا واقعاتی ثبوت یہ ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ -- حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی -- کے زمانے میں ان کو برابر صدقات کی وصولیابی کا فرض سونپا گیا اور حضرت عمر فاروق کے عہدِ مبارک میں تو ان کے فرضِ منصبی میں گرانقدر اضافہ کیا گیا۔ اگرچہ خلافتِ عثمانی میں ان پر جو الزام تراشی کی گئی اور جس طرح ان کی کردار کشی کی گئی وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ صحابی موصوف کے خلاف ان کے دشمنوں نے سازش کی تھی جس کا وہ شکار ہو گئے تھے ورنہ امام رازی کے بقول وہ صحابی جلیل تھے اور ان کا دامن ان مفروضہ جرائم سے یکسر پاک تھا (۱۱۱)۔

اسی ضمن میں ایک دوسرے اموی عاملِ صدقات حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو رسولِ اکرم ﷺ نے ۹ھ /۶۳۰-۳۱ء میں حضرت وائل بن حجر کندی کے ساتھ اقیالِ (ملوکِ) حضر موت سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اور انھوں نے بحسن و خوبی اپنا فرضِ منصبی انجام دیا تھا (۱۱۲)۔ ان دونوں مثالوں سے رسولِ اکرم ﷺ کے مالی نظم و نسق میں اموی صحابہ کرام کی شمولیت و خدمت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی خدمات کا اعتراف ملتا ہے۔ مالی انتظامیہ سے متعلق دو اور اموی بزرگوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے حضرت عتاب بن اسید اموی طائف میں واقع قریشِ مکہ کے باغات کی پیداوار کے افسر تخمینہ (خارص) تھے اور دوسرے حضرت عمرو بن سعید اپنے علاقہ کے افسر تخمینہ مقرر ہوئے تھے (۱۱۳)۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اسلامی اصول و شریعت اور قرآنِ کریم کی تعلیم و تدریس کے لئے متعدد صحابہ کرام کو مقرر فرمایا تھا۔ ان میں متعدد اموی صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ ان کے سر خیل حضرت سالم تھے جو حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ عبشمی کے مولیٰ تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل مدنی مسلمانوں کے ایک طبقہ کی امامتِ نماز کا فریضہ بھی انجام دیا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ نے، جن چند معلمین و مدرسین سے قرآنِ کریم سیکھنے کی ہدایت فرمائی

تھی، ان میں بھی حضرت سالم کا نامِ نامی سر فہرست نظر آتا ہے (۱۱۴)۔

ان کے علاوہ خاص اموی معلموں میں حضرت عبداللہ بن سعید کے بارے میں تصریح ملتی ہے کہ ان کو بارگاہِ رسالت سے مدینہ منورہ میں قرآنِ کریم اور کتابت کی تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا گیا تھا (۱۱۵)۔ دوسرے اموی معلموں، مبلغوں اور مدرسوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے علاوہ خاندانِ سعیدی کے تین اور نامور فرزندوں -- حضرات خالد بن سعید، عمرو بن سعید اور ابان بن سعید -- کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں (۱۱۶)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ جمعہ کے دن رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے اذان دیا کرتے تھے یا ایک بار دی تھی۔ بہر حال خواہ کوئی صورت رہی ہو، وہ موذنِ رسول ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں (۱۱۷)۔

ایک اور مذہبی خدمت -- امارتِ حج -- انجام دینے والے ایک اموی صحابی حضرت عتاب بن اسید تھے۔ روایات کا اس امر پر اختلاف ہے کہ انھوں نے فتحِ مکہ کے سال یعنی ۸ھ / ۶۳۰ء میں از خود بطور گورنرِ مکہ یہ فریضہ انجام دیا تھا یا ان کی تقرری بارگاہِ رسالت سے ہوئی تھی۔ دونوں میں سے خواہ کوئی بھی صورت رہی ہو، بہر حال یہ واضح ہے کہ انھوں نے ایک برس عہدِ نبوی میں امیرِ حج کا منصب سنبھال لیا تھا (۱۱۸) اور اصولِ حدیث کے مطابق ان کی تقرری تقریرِ نبوی کے ذیل میں آتی ہے جو بارگاہِ رسالت سے باقاعدہ تقرری کے مرادف ہے۔

زبیری نے حضرت عتاب اموی کے سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ روایت بیان کی ہے جو ان کی صلہ رحمی، وفاداریٔ رسول ﷺ اور بنو ہاشم سے محبت کی دلیل ہے۔ اس کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل مخزومی کی مسلم بیٹی حضرت جویریہ کو حضرت فاطمہ بنت رسول ﷺ کی موجودگی میں نکاح کا پیغام دیا جو رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کی صاحبزادی پر شاق گذرا۔ حضرت عتاب نے حضرت فاطمہ کو کہلا بھیجا کہ "میں آپ کو اس مخمصہ سے راحت دلاؤں گا" اور خود حضرت جویریہ بنت ابی جہل مخزومی سے شادی کر کے صاحبزادی محترمہ کا دل جیت لیا تھا (۱۱۹)۔

عہدِ نبوی میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان ہونے والے بعض تعلقاتِ ازدواج و مصاہرت کا ذکر پہلے آچکا ہے جن میں تین دخترانِ رسولِ ہاشمی ﷺ کی اموی صحابہ کرام سے شادیاں بھی شامل تھیں۔ ان کے علاوہ خود رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اموی اہلیہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان اموی اور بعض دوسرے رشتوں کا ذکر بھی آچکا ہے لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہاں ایک اور اہم

رشتہ مصاہرت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ازدواجی رشتہ خاص بنوہاشم میں نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے ایک مولیٰ کے ساتھ قائم ہوا تھا تاہم جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عرب دستورِ حیات کے مطابق حلفاء اور موالی بھی اسی خاندان کے افراد شمار ہوتے تھے جن سے ان کا تعلق یوں استوار ہوتا تھا۔

ذکر آچکا ہے کہ دشمنِ اسلام عقبہ بن ابی معیط کی جرأت مند و مسلم دختر حضرت امِ کلثوم ہجرت کے بعد مدینہ آبسی تھیں۔ ان کو چار ممتاز صحابہ کرام -- حضرات زبیر بن عوام اسدی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری، عمرو بن عاص سہمی اور زید بن حارثہ کلبی مولائے رسول ﷺ -- نے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت امِ کلثوم اموی نے اپنے ماں جائے حضرت عثمان بن عفان اموی سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو انھوں نے ان کو دربارِ رسالت سے رجوع کرنے کی صلاح دی۔ وہاں سے فیصلہ موخر الذکر صحابی کے حق میں صادر ہوا جسے حضرت امِ کلثوم نے بخوشی قبول کرلیا۔ اگرچہ یہ شادی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی کیونکہ حضرت زید بن حارثہ نے بعض وجوہ سے اپنی اموی اہلیہ کو طلاق دے دی تھی تاہم یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بنوعبد مناف کے ایک محترم و مکرم گھرانے بنوامیہ کی ایک خاندانی دختر کی شادی بنوہاشم کے ایک مولیٰ سے جناب رسالتمآب ﷺ کے ایما پر ہوئی تھی اور وہ بھی اس صورت میں کہ بڑے بڑے خاندانی اور معزز صحابہ کرام ان کے ہاتھ کے طلبگار تھے۔ یہاں ایک اور اہم حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امِ کلثوم اموی بنوہاشم کے شیخ عبدالمطلب کی دخترِ نیک اختر حضرت ام حکیم کی پوتی تھیں اور اس لحاظ سے وہ رسولِ اکرم ﷺ کی بھتیجی بھی لگتی تھیں (۱۲۰)۔ ازدواجی تعلقات کے سبب بنوہاشم اور بنوامیہ میں جو یگانگت و اعتماد اور اتفاق و ملاپ کے رشتے استوار ہوئے ان کی ایک نمایاں مثال یہ شادی بھی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے متعدد رشتوں نے ان دونوں خاندانوں کے درمیان محبت والفت کے مضبوط بندھن قائم کیے تھے۔

دورِ جاہلی اور عہدِ نبوی میں بنوہاشم اور بنوامیہ کے تعلقات کے تقابلی مطالعہ سے کئی اہم حقائق روشن ہوتے ہیں: اول یہ کہ یہ دونوں خاندان زیادہ بڑے بطن بنوعبد مناف کے دو اہم ترین رکن تھے اور ان دونوں میں ہر سطح اور ہر میدان میں مفاہمت موجود تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بعض معاملات میں ان کے بعض افراد اور گروہوں میں بشری تقاضوں سے کسی مسئلہ پر کبھی اختلاف و نزاع بھی پیدا ہوتا تھا مگر وہ اختلاف و نزاع معاصرانہ چشمک اور مادی مفادات کا نتیجہ ہوتا تھا لہذا عارضی ہوتا تھا۔ وہ کسی طور پر مستقل عداوت اور دوامی دشمنی کا باعث نہیں بنتا تھا۔ جاہلی دور میں قریش کے بطون دو سیاسی / تجارتی

گروہوں ''المطیبون'' اور ''الاحلاف'' میں منقسم ہوئے تھے۔ بنو ہاشم کے اول الذکر سے اور بنو امیہ کے موخر الذکر سے متعلق ہونے کی جو روایات بیان کی جاتی ہے اور جس کی بنا پر ان کی باہمی عداوت کا نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صحیح مطالعہ اور تجزیہ پر مبنی نہیں ہے۔ یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قریش کی طاقت و شوکت اور پورے عرب میں ان کی سیادت کا دارومدار ان کے اتحاد و اتفاق، مال و دولت، فوجی قوت، مثالی حلم اور قومی سالمیت پر تھا۔ ان میں تجارتی اغراض اور بعض دوسرے وجوہ و اسباب سے گروہ بندیاں ضرور موجود تھیں مگر ان کے درمیان عداوت و دشمنی کبھی قائم نہیں ہوئی۔ اسی اتحاد، یگانگت اور خاندانی سالمیت و محبت کا جذبہ بنو عبد مناف کے مختلف خاندانوں میں موجود تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کا جذبہ دوسروں سے کچھ زیادہ تھا تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ تمام روایات جو بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان مستقل رقابت اور دوامی دشمنی کا اظہار کرتی ہیں غلط ہیں۔

دوم یہ کہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی اعتبار سے جو تعلقات ہاشمیوں اور امویوں میں جاہلی دور میں قائم تھے وہ عہدِ نبوی میں نہ صرف قائم و استوار رہے بلکہ ان میں اور استحکام آیا۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اسلام نے وقتی طور سے ہاشمی اور اموی رقابت کا جذبہ اپنی الٰہی تعلیمات سے سرد کر دیا تھا کیونکہ ہم ان دونوں خاندانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی متعدد مثالیں بعثتِ نبوی سے قبل بھی دیکھتے ہیں۔ البتہ یہ کہنا بالکل حق ہوگا کہ اسلام نے ان دونوں خاندانوں کے درمیان محبت والفت کے تعلقات میں اور بھی استحکام پیدا کر دیا تھا کیونکہ وہ تمام مصنوعی اختلافات اور انسان کے بنائے ہوئے اونچ نیچ کے بندھنوں کو توڑنے کے لئے آیا تھا۔ عہدِ نبوی میں بنو ہاشم اور بنو امیہ نے جو میراثِ محبت و مودت اپنے بزرگوں سے پائی تھی اس کو انھوں نے قائم و برقرار رکھتے ہوئے اس میں اضافہ ہی کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان مزید ازدواجی رشتے استوار ہوئے اور اختلافِ مذہب و مسلک کے باوجود ان کے سماجی رشتوں، خون کے روابط اور محبت والفت کے تعلقات میں ذرا فرق نہیں آیا۔ بنو عبد مناف سے متعلق ہونے کا قدیم جذبہ اتحاد و سالمیت ابھی تک ان کے درمیان موجود تھا۔

سوم یہ نظریہ کہ بنو امیہ نے بنو ہاشم کی فتح خیال کر کے اپنے جوشِ رقابت اور خروشِ عداوت میں اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی قطعی غیر تاریخی اور غلط ہے۔ ابنِ اسحاق، ابنِ سعد، واقدی، طبری غرضکہ تمام مورخوں اور راویوں کی روایات اور ان سے بڑھ کر محدثینِ کرام کی مرویات سے واضح ہوتا ہے کہ کم از کم قریشِ مکہ کے کسی خاندان و بطن نے اسلام کی مخالفت و حمایت قبائلی عصبیت کی بنا پر

نہیں کی تھی۔یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بنو ہاشم کی طرح بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی کم از کم افرادی اعتبار سے بنو امیہ نے ابتدائے کار میں اسلام کا پیغام قبول کیا تھا اور ان کے متعدد افراد سابقینِ اولین میں شامل تھے۔اسی طرح ان میں سے شدید مخالفت کرنے والوں کی تعداد یا مذاق و استہزا کرنے والوں کا عدد بھی دوسرے قبیلوں اور خاندانوں سے کم ہی تھا۔اسلام کی مخالفت کرنے والوں میں بنو ہاشم کے بعض افراد کسی سے پیچھے نہ تھے۔۔دراصل اسلام کے معاملہ میں قبیلوں سے زیادہ افراد کے رویہ کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

چہارم یہ کہ جس طرح جاہلی دور میں بنو ہاشم اور بنو امیہ قبائلی سیادت اور قومی مجد و شرف سے تقریباً مساوی طور پر بہرہ ور تھے اسی طرح وہ عہدِ نبوی میں بھی بہرہ ور رہے۔چونکہ اموی خاندان افرادی طاقت میں ہاشمی خاندان سے بڑا تھا اس لئے ان میں صلاحیت و لیاقت بھی اسی تناسب سے زیادہ تھی۔کوئی بھی سمجھدار انتظامیہ اپنے لائق افراد کی صلاحیت سے استفادہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا، پھر عہدِ نبوی کا انتظامیہ کیسے بنو امیہ کی صلاحیتوں کو نظر انداز کر سکتا تھا جس میں قبائلی عصبیت اور خاندانی تعصب کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ نبوی حکومت کے نظم و نسق میں ہمیں ہاشمیوں سے زیادہ اموی سالار، حکام، امراء اور ولاۃ و عمال نظر آتے ہیں۔یہ حقیقت جہاں نبوی انتظامیہ کی قوت و کارکردگی کی دلیل ہے وہاں رسولِ ہاشمی ﷺ کے خاندانِ بنی امیہ سے تعلقاتِ الفت و مودت کی بھی دلیل ہے۔اور اس سے زیادہ نگاہِ نبوی میں اموی افراد اور خاندانوں کی قدر و منزلت کی نشانی ہے۔

خلافت راشدہ میں ہاشمی و اموی تعلقات

قریش کے عظیم تر خانوادہ بنو عبد مناف کے دو بڑے خاندانوں بنو ہاشم و بنو امیہ کے سماجی تعلقات خلافتِ راشدہ اربعہ (۱۱ھ / ۶۳۲ء-۴۱ھ / ۶۶۰ء) میں برابر قائم و دائم ہی نہیں رہے بلکہ ان میں بعض نئے زاویوں اور جہتوں کا اضافہ بھی ہوا۔ ان میں سے کچھ جہات منفی، تلخ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہیں اور ان کو بسااوقات اموی ہاشمی رقابت وعداوت کا شاخسانہ بھی قرار دیا جاتا ہے حالانکہ وہ ان دونوں برادر خاندانوں کے باہمی تعلقات کا معاملہ نہیں تھا بلکہ امتِ اسلامی کے اجماعی مسئلہ اور مختلف فیہ آراء و افکار کا بڑا پیچیدہ امر تھا جس میں پوری امتِ اسلامی، قریش، انصار اور عرب کے متعدد خاندانوں اور طبقوں کے علاوہ بہت سے افراد مبتلائے آزمائش تھے۔

خلافتِ راشدہ کے چار ادوار تھے: (۱) خلافتِ صدیقی (۱۱ھ / ۶۳۲ء-۱۳ھ / ۶۳۴ء) (۲) خلافتِ فاروقی (۱۳ھ / ۶۳۴-۲۳ھ / ۶۴۴ء) (۳) خلافتِ عثمانی (۲۴ھ / ۶۴۴ء-۳۵ھ / ۶۵۶ء) اور (۴) خلافتِ علوی (۳۵ھ / ۶۵۶ء-۴۰ھ / ۶۶۰ء)۔ عام مورخین اور جمہور اہلِ سنت حضرت حسن بن علی ہاشمیؓ کی چھ ماہہ خلافت کو خلافتِ راشدہ کا جزو اور اس میں شامل سمجھتے ہیں لیکن محدثینِ کرام، فقہاءِ امت اور محققینِ اسلام مختصر حسنی دور کو ”غیر مجتمعہ خلافت“ ہونے کے سبب دورِ ”فتنہ“ (آزمائش وابتلا) سے تعبیر کرتے ہیں کہ امتِ اسلامی اس زمانے میں دو دو خلفاءِ کرام- حضرات حسن بن علی ہاشمیؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان امویؓ- کے درمیان منقسم ہو گئی تھی اور جب حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری اختیار فرمائی اور حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت چھوڑ دی تو وہ ”اجماعی اور متفقہ خلافتِ اسلامی“ بن گئی جیسے کہ اپنے دورِ اول میں تھی۔

ان ادوارِ خلافتِ راشدہ میں ہم نے ان تعلقات کا جائزہ ہر دور کے اعتبار سے لیا ہے تاکہ تاریخی ترتیب کا تقاضا پورا ہوتا رہے ورنہ یہ اہلِ علم کو خوب معلوم ہے کہ تاریخ اور اس کی تشکیلی ارتقائی لہریں ادوار میں محدود ہوتی ہیں اور نہ سماجی اور معاشرتی تعلقات و روابط ان کے پابند ہوتے ہیں۔ تاریخی عمل ایک مسلسل ارتقاء کا نام ہے جو کسی دور، عہد یا زمانی و مکانی تقسیم سے متاثر نہیں ہوتا۔

خلافتِ صدیقی (۱۱ھ / ۶۳۲ء - ۱۳ھ / ۶۳۴ء)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۶۱۳-۶۳۴ء) کی خلافتِ راشدہ کے آغاز سے ہی بنو ہاشم و بنو امیہ کے بعض اکابر کے روابطِ اتحاد و یگانگت کے مظاہر ملتے ہیں اگر چہ وہ عام اسلامی مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق کو انصار و مہاجرین کے ایک چھوٹے سے گروہ نے اچانک بلا کسی سوچ بچار اور منصوبہ کے اولین خلیفہ اسلام مقرر کر دیا اور بعد میں مسجدِ نبوی میں ان کی خلافت کی تصدیق و تائید عام اہلِ ایمان نے کر دی اور کچھ مدت کے بعد تمام بلاد و امصارِ اسلامی نے ان کی تقرری اور استحقاق پر اپنی مہر تصدیق و تسلیم ثبت کر دی۔ ان کے استحقاقِ خلافت سے عام اہلِ ایمان اور تمام اصحاب رائے میں سے کسی کو انکار نہ تھا۔ حیاتِ نبوی ہی میں سب عام و خاص اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ہی خلیفہ ہوں گے کیونکہ ان کے فضائل و مناقب، ارشاداتِ نبوی اور قرائنِ تاریخی سب ہی ان کے حق میں تھے۔

مگر بعض بزرگوں اور نوجوانوں کا خیال یہ تھا کہ اولین خلیفہ اسلام کا انتخاب خاص خاندانِ رسولِ اکرم ﷺ یعنی بنو ہاشم سے ہو یا زیادہ سے زیادہ بنو عبد مناف کے عظیم تر خانوادے سے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلسِ مشاورت میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ اور حضرت زبیر بن عوام اسدیؓ اور ان کے ہمنوا حضرات نے شرکت نہیں کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھ گئے (تخلفوا عنا فی بیت فاطمہ)۔ روایات میں ہے کہ حضرت علی ہاشمیؓ اپنی خلافت کے خواہشمند تھے (۱۲۱) اور حضرت ابو سفیان بن حرب امویؓ اسے بنو عبد مناف کے عظیم تر خانوادے میں دیکھنا چاہتے تھے اور اس باب میں وہ حضرت علیؓ کی خلافت پر بھی راضی تھے۔ حضرت ابو سفیان امویؓ کو تعجب تھا کہ بنو عبد مناف کو چھوڑ کر بنو تیم کے چھوٹے سے خاندان کے ایک فرد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ حضرت علی ہاشمیؓ اور حضرت عباس ہاشمیؓ دونوں نے حضرت ابو سفیان امویؓ کی تجویز کو مسترد کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کو بخوشی اور انعقادِ بیعت کے وقت ہی قبول کر لیا (۱۲۲)۔ روایات میں حضرت ابو سفیان امویؓ پر فتنہ انگیزی اور جماعتِ اسلام میں انتشار برپا کرنے کا الزام لگایا گیا ہے لیکن وہ ان کے کردار سے میل نہیں کھاتا۔ ان سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافتِ صدیقی کے باب میں بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں کے بعض اکابر کا رویہ یکساں رہا تھا۔ جب تک حضرات علیؓ

دعباس ہاشمی نے بیعت نہیں کی اموی اکابر نے بھی نہیں کی اور جیسے ہی ان دونوں ہاشمی بزرگوں نے خلافتِ صدیقی تسلیم کی اموی صحابہ نے بھی سر تسلیم خم کر دیا۔

یعقوبی جیسے متعصب و جانبدار مورخین نے ان روایات کو قبول کر کے خاص طور سے رواج دیا ہے جن سے حضرت ابو سفیان اموی کی فتنہ انگیزی کا پہلو نکلتا ہے مثلاً یعقوبی کا ایک بیان ہے کہ حضرت علی سے انھوں نے کہا تھا کہ "اگر آپ اپنی خلافت کے لئے تیار ہو جائیں تو میں عرب کی وادیوں کو فوجوں سے بھر دوں اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلوں"؟ حضرت علی نے ان کی پیشکش مسترد کر دی اور حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر اپنی رضامندی کا بھرپور اظہار کیا (۱۲۳)۔ تقریباً یہی بات حضرت خالد بن سعید اموی کے بارے میں اور یہی جواب حضرت علی کا نقل کیا جاتا ہے (۱۲۴)۔ بعض متعصب اور جانبدار راویوں نے ان روایتوں میں ایسے کلمات کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو حمیتِ جاہلی کا اظہار کرتے ہیں اور حضرات ابو سفیان اور خالد بن سعید کی نیک نیتی پر شبہ اور ملتِ اسلامی میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کا اشارہ دیتے ہیں (۱۲۵)۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حضرات یا ان کے علاوہ بعض اور بزرگوں اور نوجوانوں کے دل میں کسی خاص خاندان بالخصوص خاندانِ رسول ﷺ کے کسی فرد کو خلیفہ بنانے کا جذبہ کار فرما رہا ہو اور وہ ایک تیمی کو خلیفہ کی مسند پر دیکھ کر وقتی طور سے برداشت نہ کر سکے ہوں مگر ان جہاندیدہ اور اکابرِ صحابہ کی نیک نیتی پر ہرگز شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرات ابو سفیان اموی اور خالد سعید ی نے جس جذبہ کا اظہار کیا تھا وہ دراصل بنو عبد مناف سے ان کی بے پناہ محبت، خاندانی اعزاز و افتخار کی پاسداری اور قومی سالمیت کے جذبات کے علاوہ جانشینی رسول ﷺ کے شرف کے حصول کی تمنا کا اظہار تھا، نہ کہ ان کی حمیتِ جاہلیت اور ملتِ اسلامی میں انتشار و افراق پیدا کرنے کی مکروہ سازش یا اسلام دشمنی کے ناقابلِ نفرت جذبہ کا مظاہرہ۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان بزرگوں اور فدائیوں پر اسلام کے صحیح اصول جانشینی رسول ﷺ روشن ہوئے تو انھوں نے نہ صرف اپنے ذہنی تحفظات اور سیاسی خیالات سے رجوع کر لیا بلکہ خلافتِ اسلامی اور خلفاءِ رسول ﷺ کی برضا و رغبت خدمت کی اور پھر ان کے منہ سے کوئی ایسی بات بھی نہ سنی گئی جو حمیتِ جاہلی یا مخالفتِ جانشینانِ رسول کا کوئی عندیہ دیتی ہو۔

خلافتِ صدیقی میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان ایک بہت دلچسپ اور اہم رشتہ ازدواج قائم ہوا۔ ابن سعد، زبیری، بلاذری اور طبری وغیرہ کا بیان ہے کہ ۱۲ھ کے ماہ ذوالحجہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے بڑے داماد حضرت ابو العاص بن ربیع کی وفات ہوئی۔ بستر مرگ پر انھوں نے اپنے

جگری دوست حضرت زبیر بن عوام اسدی کو اپنا وصی بنایا اور تاکید کی کہ ان کے انتقال کے بعد وہ ان کی دخترِ ارجمند حضرت امامہ کی شادی کسی مناسب و موزوں شخص سے کر دیں۔ دخترِ مطہرہ رسولِ اکرم ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کی اکلوتی اولاد تھیں۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت فاطمہ بنت رسولِ اکرم ﷺ اور زوجہ مطہرہ حضرت علی ہاشمی کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیر نے اپنے دوست کی وصیت کے مطابق حضرت علی ہاشمی سے ان کی نسبت کر دی۔ وہ حضرت علی کی زوجیت میں ان کی ۴۰ھ / ۶۶۰ء میں شہادت تک رہیں جو کم و بیش تیس سال کے عرصہ پر محیط تھی اور ایک روایت کے مطابق ان سے حضرت علی کی ایک اولاد بھی پیدا ہوئی (۱۲۶)۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت امامہ سے شادی اس وجہ سے بھی کی ہو کہ وہ بنتِ رسول ﷺ کی صاحبزادی ہونے کے سبب شرفِ نسبتِ نبوی رکھتی تھیں مگر یہ کوئی ایسی خاص وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی اور کو اس نسبت سے مشرف ہونے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے جیسا کہ ہمارے مصادرِ تاریخ و سیرت میں ان دونوں وجوہ پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا ہے (۱۲۷) کیونکہ حضرت علی کو صہارتِ رسول کی زیادہ بڑی اور قریبی نسبت حاصل تھی اور اسی طرح دوسروں میں حضرت عثمان اموی کو دو دو نسبتیں حاصل تھیں۔ پھر یہ بھی حقیقت تھی کہ اسلامی قانون اور عرب کے قبائلی دستور کے مطابق حضرت امامہ بہر حال بنو عبد شمس کے خاندان کی تھیں کہ ان کا نسب ان کے والدِ محترم کی طرف سے چلتا ہے۔ البتہ یہ شادی اموی اور ہاشمی خاندانوں کے درمیان تعلقاتِ محبت و مودت کا ایک اور ثبوت ضرور فراہم کرتی ہے۔

خلافتِ اول میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان مزید تعلقات کے بارے میں روایات نہیں مل سکیں۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ ان دونوں قریشی خاندانوں کے درمیان دوستانہ روابط اور برادرانہ تعلقات برابر قائم رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اموی اور ہاشمی صحابہ کرام اور مجاہدین ردہ جنگوں میں شانہ بشانہ لڑے تھے اور ایران و شام کے محاذوں پر اسلامی حکومت کی خدمت میں ایک دوسرے کے ہمنوا رہے تھے۔ وہ دونوں خلفاء کرام بالخصوص خلیفہ اول کے مشیر و وزیر بھی رہے تھے۔ طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ھ / ۶۳۳ء میں جب خلیفہ وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا تو اپنے سفر سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان اموی ؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ اموی نائب خلیفہ سے تمام بنو ہاشم راضی رہے تھے (۱۲۷)۔

خلافتِ فاروقی (۱۳ھ / ۶۳۴ء - ۲۳ھ / ۶۴۴ء)

جاہ وجلالِ فاروقی اور دبدبہ وشوکتِ عمری کے سامنے کسی قبائلی یا خاندانی مناقشہ کے سر اٹھانے کا امکان ہی نہ تھا لیکن اس دورِ مبارک میں اس کی ضرورت ہی نہ پڑی کہ بنوامیہ اور بنوہاشم باہمی اتحاد و موانست سے بہرہ ور تھے۔ ۲۰ھ / ۶۴۱ء تک اسلامی بیت المال میں دولت کی فراوانی اور اموالِ خطیرہ کی کثرت ہو چکی تھی اس لئے خلیفہ دوم نے صحابہ کرام سے ان کے جائز مصرف اور بہتر استعمال کے لئے مشورہ کیا تو ان کو صلاح دی گئی کہ وہ دیوان قائم کریں اور مسلمانوں کے لئے جو اس مال اللہ کے اصلی امین و وارث ہیں عطایا مقرر کر دیں۔ شیعہ مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ خلیفہ دوئم نے حضرات عقیل بن ابی طالب ہاشمی، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم بن نوفل کو بلا کر ایک مجلسِ عطاو دیوان قائم کی اور بقول امام ابو یوسف ان کو ہدایت دی کہ وہ لوگوں کے حسبِ مراتب وظیفہ / وثیقہ مقرر کریں اور سرِ فہرست اصحابِ بدر کو رکھیں اور پھر بنو عبد مناف سے شروع کریں۔ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھا جو پانچ ہزاری وثیقہ پانے والوں میں سرِ فہرست تھے۔ حضرات حسنین کو تین ہزار وثیقہ پانے میں سرِ فہرست رکھا اور ایک روایت کے مطابق اس طبقہ میں سرِ فہرست حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی تھے جبکہ دوسرے قریشی اصحابِ بدر کو تین ہزار اور انصاری اصحابِ بدر کو چار ہزار وظیفہ پانے والوں کے طبقہ میں رکھا۔ اہلِ مکہ کے کبارِ قریش مثلاً حضرات ابو سفیان حرب اموی اور معاویہ بن ابی سفیان اموی کو پانچ ہزار وظیفہ کے طبقہ میں رکھا اور اس کے بعد غیر بدری قریشیوں کا عطیہ مقرر کیا۔ ان کے علاوہ امہات المومنین اور خود حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ وغیرہ کے وظیفہ کے تقرر کا ذکر کیا ہے (۱۲۹)۔

یعقوبی کی اس روایت میں عطا کی رقم اور طبقات کے بارے میں صحیح معلومات نہیں فراہم کی گئی ہیں لیکن ایک اہم حقیقت، جس کی تائید قاضی ابو یوسف وغیرہ دوسرے ماخذ سے بھی ہوتی ہے، یہ معلوم ہوتی ہے کہ عطاء و دیوان کو مقرر و قائم کرنے والی مجلس کے ارکان بالخصوص ہاشمی رکن نے کبارِ بنی امیہ کے شرف و منزلت کا خیال رکھا تھا اور اس سے زیادہ اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نگاہِ فاروقی میں بھی بنو عبد مناف کی شوکت و سطوت اور قدر و منزلت تھی جس کی انھوں نے پوری رعایت کی تھی۔ اس پوری روایت سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے اگرچہ بالواسطہ سہی، کہ بنو ہاشم اور بنوامیہ اور بالخصوص

ان کے اکابر کے شرف سے جب غیروں کو انکار نہیں تھا تو اپنوں کو کیونکر ہو سکتا تھا!

زیاد بن ابی سفیان اموی، جن کو عام طور سے زیاد بن ابیہ کہا جاتا ہے، کے نسب کے سلسلہ میں کافی اختلاف اور شبہ کیا گیا ہے اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ پر ان کے استلحاقِ نسب کے سلسلہ میں بے جا الزامات لگائے جاتے ہیں اور ان کو بظاہر غیر شرعی اور غیر اخلاقی کام کرنے کا مجرم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ایسا کوئی غیر شرعی اور غیر اخلاقی کام نہیں کیا تھا بلکہ ایک حقیقتِ واقعہ کو قبول کر کے ایمانی جرأت اور شرافتِ نفس کا ثبوت دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ ان کے معاصرین، اکابرِ صحابہ اور محدثینِ عظام نے تسلیم بھی کیا ہے، کہ زیاد بن ابی سفیان حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی اور ان کے والدِ بزرگوار کے فرزند تھے۔ اس سلسلے میں مشہور ماہرِ نسبِ قریش معصب بن عبداللہ زبیری نے ایک انتہائی دلچسپ اور اہم روایت نقل کی ہے۔ اس کے مطابق حضرت منذر بن زبیر بن عوام نے، جو حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عظیم ہمنوا اور حامی تھے، زیاد بن ابی سفیان اموی کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی شہادت محفوظ کی تھی اور آلِ زیاد کو بتائی تھی۔ حضرت علی ہاشمیؓ کا بیان ہے کہ میں نے ابو سفیانؓ بن حرب سے اس سلسلہ میں ایک اہم گفتگو سنی تھی جو انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں زیاد کے تستر سے آنے اور اس کی فتح کا واقعہ بیان کرنے کے وقت کی تھی۔ دراصل حضرت عمر فاروقؓ زیاد کے بیانِ فتح اور اس کی خطابت و فصاحت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ انھوں نے زیاد کو منبرِ مسجد سے اس فتح کا بیان لوگوں کے سامنے پیش کرنے کو کہا۔ زیاد نے اور زیادہ فصاحت و بلاغت اور عمدگی کے ساتھ اس کی فتح کو بیان کیا جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے: ''عبید کا بیٹا تو بڑا خطیب ہے''۔ حضرت علی ہاشمیؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابو سفیانؓ بن حرب نے یہ بات سنی تو میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''وہ عبید کا بیٹا نہیں ہے، اللہ کی قسم! میں ہی اس کا باپ ہوں! اس کی ماں کے رحم میں اس کو میرے سوا کسی اور نے نہیں پہونچایا تھا''۔ میں نے کہا: ''پھر آپ کو اس کے اظہار سے کیا چیز مانع ہے''؟ انھوں نے کہا: ''اس مردِ آہن یعنی حضرت عمر بن خطابؓ کا خوف'' (۱۳۰)۔ ظاہر ہے کہ منذر بن زبیر نے یہ روایت حضرت معاویہؓ اور آلِ زیاد سے بیان کی۔ اس کے نتیجہ میں حضرت معاویہؓ نے زیاد کو ابن ابی سفیانؓ اور اپنا بھائی تسلیم کر لیا (۱۳۱) اور آلِ زیاد نے اس بات کو احسان مان کر منذر بن زبیر کی ہمیشہ قدر و منزلت کی۔ اس روایت سے بنو ہاشم کے ایک عظیم بزرگ اور بنو امیہ کے ایک سربراہ کے تعلقات و روابط کا اندازہ ہوتا ہے۔

خلافتِ عثمانی (۲۴ھ / ۶۴۴ء - ۳۵ھ / ۶۵۶ء)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ اکابرِ صحابہ کرام - حضرات علی بن ابی طالب ہاشمی، عثمان بن عفان اموی، عبد الرحمٰن بن عوف زہری، سعد بن ابی وقاص زہری، زبیر بن عوام اسدی اور طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہم - پر مشتمل ایک مجلسِ نامزدگانِ خلافت مقرر کر دی تھی۔ حضرت عبد الرحمٰن زہریؓ کو ہدایت کی تھی کہ انھیں میں سے کسی کا بطور خلیفہ ثالث انتخاب کیا جائے اور وہ انتخاب میں مدد دیں اور نگرانی کریں۔ صحابی موصوف نے انتخابِ خلیفہ کا جو طریقہ چنا اس کے نتیجہ میں میدان میں صرف دو امیدوار یعنی اول الذکر دو اصحابِ رسول ﷺ رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ خلافتِ اسلامی کے مختلف علاقوں میں بالعموم اور مدینہ منورہ میں بالخصوص ان دونوں کے حامی تھے جو ان کے اپنے خاندانوں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے سوا دوسرے طبقاتِ مہاجرین و انصار میں بھی تھے (۱۳۲)۔ لیکن جب اتفاقِ آراء سے حضرت عثمان بن عفان امویؓ خلیفہ سوئم منتخب ہو گئے تو انتخاب سے قبل جو اختلاف پیدا ہوا تھا وہ ختم ہو گیا (۱۳۳)۔

ان روایات کی بنا پر بعض قدیم و جدید مورخوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اختلافِ رائے کے نتیجہ میں اس زمانے میں دو باقاعدہ اور منظم جماعتیں - شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ - کے نام سے پیدا ہو گئی تھیں اور انھوں نے اپنے اپنے امیدواروں کے انتخاب کے لئے جائز و ناجائز کوششیں کی تھیں اور شکست خوردہ جماعت نے انقلابِ حکومت، سازش اور تبدیلی کی سعی کی تھی (۱۳۴)۔ یہ نتائج صحیح نہیں ہیں کیونکہ خلافتِ عثمانی کے دوران ان جماعتوں کا وجود نہ تھا اور نہ ان کی طرف سے کوئی ایسی کوشش کی گئی تھی۔ یہ اختلاف بعد کے زمانے کا ہے جس کا ذکر ہم اس کے صحیح موقعہ پر کریں گے۔

متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان امویؓ کے خلیفہ مقرر ہونے کا اعلان ہوتے ہی ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت علی ہاشمیؓ تھے (۱۳۵) اور صحابی موصوف نے پوری خلافتِ عثمانی میں اپنے امیر و خلیفہ کے ساتھ بلا کسی تحفظ و تردد کے تعاون کیا تھا بلکہ ان کے اصل دستِ راست اور حامی رہے تھے۔ یہی رویہ دوسرے اکابرِ بنی ہاشم کا تھا۔ پہلی دو خلافتوں کے مقابلہ میں خلیفہ سوئم کی حکومت قریش کو بالعموم اور بنو ہاشم کو بالخصوص زیادہ عزیز تھی کیونکہ حضرت

عثمان غنی اپنے قبیلہ اور خاندانِ بنی عبد مناف سے زیادہ محبت کرتے تھے (۱۳۶)۔ بنو ہاشم اُس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ پہلی بار خلافت کا اعزاز خاندانِ بنی عبد مناف میں آیا تھا اور اس طرح بنو امیہ کی خلافت دراصل بنوہاشم کی خلافت تھی کہ دونوں عظیم تر بنو عبد مناف کے رکن تھے۔

خلیفہ سوئم حضرت عثمان بن عفان اموی پر قدیم و جدید مورخین کے ایک بڑے طبقہ نے اقربا پروری کا الزام لگایا ہے اور بنو امیہ کے عزیزوں کو مناصبِ حکومت اور اموال سے نوازنے کا اتہام عائد کیا ہے (۱۳۷) لیکن یہ کسی نے کہنے کی جرأت نہیں کی کہ انھوں نے اپنے ہاشمی عزیزوں کا بھی برابر خیال رکھا تھا کیونکہ اس سے ان کے مبینہ الزامات واتہامات کی قلعی کھل جاتی۔ ابن سعد نے ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے جس کے مطابق حضرت حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کو رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی ایک ولایت (بعض اعمال مكة) کا والی و عامل مقرر کیا تھا۔ پھر تینوں پہلے خلفاء حضرات ابو بکر و عمر و عثمان نے ان کو مکہ کی گورنری پر فائز رکھا (۱۳۸)۔ خلیفہ اموی کے دربار سے ایک ہاشمی گورنر کی تقرری اور وہ بھی مکہ مکرمہ جیسے اہم شہر پر ایک بڑا تاریخی واقعہ بھی ہے اور بنوہاشم کے ساتھ حسنِ سلوک کا ثبوت بھی۔ بعد میں حارث بن نوفل ہاشمی نے نقلِ وطن کر کے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں ایک گھر بھی بنایا تھا۔ یہ واقعہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عامر کریز عبد شمسی کی ولایتِ بصرہ کے زمانے میں اموی گورنر کے زیر سایہ رہنا پسند کیا تھا اور پھر وہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں وفات پائی تھی اور غالباً گورنرِ بصرہ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ان کی اولاد وہیں آباد رہی تھی اور غالباً وہ بھی حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی سخاوت و فیاضی سے متمتع ہوتی رہی تھی (۱۳۹)۔

اوپر یہ مختصر حوالہ آچکا ہے کہ اکابرِ بنی ہاشم خاص کر اور دوسرے ہاشمی عام طور پر حضرت عثمان بن عفان امویؓ کو اپنا خلیفہ و امیر سمجھتے تھے اور ان کی حکومت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرتے تھے اور ان کے امراء اور ولاۃ کی فوجی اور غیر فوجی امداد کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن خلدون نے اس ضمن میں ایک اہم واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ خلافتِ عثمانی میں جب حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامریؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تو انھوں نے بحر و بر میں فوجی پیشقدمی کی اجازت خلیفہ سوئم سے مانگی اور فوجی کمک کی درخواست کی۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انھوں نے گورنرِ مصر کے اقدام کی حمایت کی لہذا حضرت خلیفہ سوئم نے مدینہ منورہ سے متعدد فوجی دستے (عساکر) روانہ کئے جن میں صحابہ کرام

کی ایک جماعت بھی شامل تھی۔ان میں جو نمایاں حضرات شامل تھے ان کے اسمائے گرامی تھے: حضرات عبد اللہ بن عباس ہاشمی، عبد اللہ بن عمر عدوی، عبد اللہ بن عمرو بن عاص سہمی، عبد اللہ بن جعفر ہاشمی، حسن بن علی ہاشمی، حسین بن علی ہاشمی اور عبد اللہ بن زبیر اسدی رضی اللہ عنہم۔یہ تمام اکابرِ صحابہ حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح عامریؓ کی ۲۶ھ / ۷-۶۴۶ء کی مہم افریقہ میں شریک ہوئے اور بعد میں ان سے برقہ میں عقبہ بن نافع بھی جاملے۔وہاں سے انھوں نے طرابلس کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے قریب رومیوں سے زبردست معرکہ آرائی کی پھر وہ افریقیہ گئے اور اس کے ہر علاقہ اور گوشہ میں سرایا اور فوجی دستے بھیجے اور ہر مہم میں فتح حاصل کی (۱۴۰)۔اس عظیم الشان مہم کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کے رقبہ میں کافی توسیع اور محاصل و آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

یہ واقعہ ایک طرف تو خلافتِ عثمانی کی مقبولیت، اکابرِ صحابہ کے تعاون اور ملتِ اسلامی کے اتحاد کا ثبوت فراہم کرتا ہے مگر اس سے زیادہ وہ اموی خلیفہ کے ساتھ بنو ہاشم کے جلیل القدر فرزندوں کے تعاون کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ اس مہم میں بنو ہاشم کے تقریباً تمام بڑے خانوادوں کے بزرگ شامل تھے۔اس کا امکان بہر حال ہے کہ مذکورہ بالا کے علاوہ اور بہت سے ہاشمی اور اموی افراد مہم میں شامل رہے ہوں۔

ابن قتیبہ اور ابن اثیر کے بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ عثمانی میں حضرات معبد بن عباس ہاشمیؓ اور قثم بن عباس ہاشمیؓ نے فوجی معرکوں میں شرکت کی تھی۔ان میں سے اول الذکر نے افریقہ کے محاذ پر جہاد میں حصہ لیا تھا اور وہیں شہادت پائی تھی اور موخر الذکر بزرگ نے ترکستانی مہموں میں حصہ لیا تھا اور سمرقند میں شہادت حاصل کی تھی۔حضرت قثمؓ کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انھوں نے خلافتِ عثمانی کے بالکل اواخر یعنی ۳۵ھ / ۶۵۶ء میں، جب خلیفہ سوئم کے خلاف بغاوت و سازش کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا، ان کی حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا اور جہاد میں حصہ لیا تھا (۱۴۱)۔

اگرچہ ایک اور واقعہ کا تعلق خلافتِ فاروقی کے عہد سے ہے لیکن یہاں اس کا ذکر سلسلہ کلام سے ربط کی بنا پر کیا جارہا ہے۔شیعی مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ ۱۸ھ / ۶۳۹ء میں قیساریہ کے سوا تمام فلسطین فتح کیا جاچکا تھا اور اس کی بیشتر مہموں کی قیادت یزید بن ابی سفیان امویؓ اور ان کے بھائی معاویہ امویؓ نے کی تھی جیسا کہ دوسرے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔خاندانِ بنی عباس و ہاشم کے ایک ممتاز فرد حضرت فضل بن عباسؓ نے ان مہموں میں اپنے اموی امیروں کی ماتحتی میں حصہ لیا تھا اور ۱۸ھ / ۶۳۹ء میں فلسطین ہی میں وفات پائی تھی جبکہ امیر معاویہ بن ابی سفیان امویؓ قیساریہ کا

محاصرہ کئے ہوئے تھے اور انھوں نے ہی حضرت فضل ہاشمی کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی (۱۴۲)۔

ایک اور ہاشمی خاندان بنو حارث کے ایک ممتاز فرد اور صحابی رسول حضرت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلبؓ حضرت عثمان امویؓ کے زمانہ جاہلیت کے شریکِ تجارت، ندیم اور دوست تھے جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ ان کے ایک فرزند حضرت عباس بن ربیعہ ہاشمیؓ نے اپنے والدِ ماجد کے رشتہ اور تعلق کے پیش نظر حضرت عثمان امویؓ سے ان کے دورِ خلافت میں ایک لاکھ درہم کا خطیر قرض مانگا اور درخواست کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو لکھ دیں کہ وہ انھیں مذکورہ بالا رقم قرض دے دیں۔ حضرت عثمان امویؓ کا تعلقِ خاطر اور صلہ رحمی ملاحظہ ہو کہ انھوں نے خط بھی لکھ دیا اور ایک لاکھ درہم بھی ان کو بطور صلہ رحمی عطا کر دئے۔ اس پر مستزاد بصرہ میں ان کو ایک گھر عطا فرمایا جو ان کے نام سے "دار العباس بن ربیعہ" معروف تھا۔ یہ ابن قتیبہ اور بلاذری کے بیانات کا خلاصہ ہے جو بنو ہاشم کے اکابر سے ان کے تعلقِ خاطر اور صلہ رحمی کا ثبوت فراہم کرتا ہے (۱۴۳)۔

ابن قتیبہ ہی کا بیان ہے کہ اسی خاندان کے ایک اور فرد مغیرہ تھے جو نوفل بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے اولاد واخلاف میں تھے۔ ان کو خلیفہ سوئم نے مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اس روایت میں یہ دلچسپ اضافہ بھی ہے کہ بعد میں وہ حضرت علی ہاشمی کے ساتھ صفین کے معرکہ میں موجود رہے تھے اور حضرت علی نے ان کو وصیت کی تھی کہ ان کے بعد وہ حضرت امامہ بنت ابی العاص امویؓ سے شادی کر لیں کیونکہ بقول ان کے انھیں یہ خدشہ تھا کہ حضرت معاویہ ان سے شادی کر لیں گے۔ چنانچہ مغیرہ ہاشمی نے حضرت علی ہاشمیؓ کی وصیت پر حضرت امامہ امویؓ سے شادی کر لی تھی اور ان سے ایک فرزند یحیٰی پیدا ہوئے تھے (۱۴۴)۔

اگرچہ حضرت علیؓ کے اندیشہ والا جملہ الحاقی اضافہ معلوم ہوتا ہے اور اضافہ شدہ روایت کا تعلق بعد کے واقعہ سے ہے تاہم اس سے دو رویوں کا علم ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے مرحوم شوہر کی وصیت اس وقت تک بے معنی تھی جب تک کہ حضرت امامہؓ کو اس سے اتفاق نہ ہوتا کیونکہ اسلام کے اصولِ نکاح وولایت کے مطابق اور عرب دستورِ ازدواج کے موافق بالغ عورت کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں دراصل پسند وناپسند کا سوال ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روابط وتعلقات کے باوجود کوئی رشتہ موزوں نہ معلوم ہو لیکن اگر کوئی ازدواجی تعلق ہوتا ہے تو وہ یقیناً دوستی اور محبت کا ثبوت ہوتا ہے مگر رشتہ نہ ہونا دشمنی کی

علامت نہیں ہوتا۔ ابنِ سعد نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب ہاشمیؓ، جو قبولِ اسلام سے قبل رسولِ اکرم ﷺ کے بیس سال تک جانی دشمن رہے تھے، ایک بار حضرت عثمان بن عفان امویؓ کے پاس پہونچے اور ان کی صاجزادی کا ہاتھ مانگا مگر حضرت عثمانؓ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان کے پاس تھوڑی دیر تک بیٹھے بھی رہے مگر انھوں نے کچھ نہ کہا۔ آخر کار وہ اٹھ آئے اور حضرت علی ہاشمیؓ سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ موخر الذکر صحابی نے فرمایا کہ اس لڑکی سے زیادہ قریبی عزیز کا نکاح تم سے کئے دیتا ہوں اور اپنی دختر ان سے منسوب کردی (۱۴۵)۔ حضرت ابو سفیان ہاشمیؓ کے بھائیوں اور بھتیجوں سے خلیفہ سوئم کے تعلقات کے پس منظر میں اس واقعہ کے بارے میں بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی وجہ سے ان سے اپنی صاجزادی کی شادی کرنی پسند نہیں کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ان کو کسی طور ان سے عداوت و نفرت تھی۔

حضرت ولید بن عقبہ امویؓ کی ولایتِ کوفہ سے معزولی کے بعد حضرت سعید بن العاص امویؓ کو خلیفہ سوئم نے وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس ضمن میں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ حضرت ولید امویؓ کے سلسلہ میں راویوں نے بہت سے الزامات لگائے تھے جن کے سبب ان کی معزولی عمل میں آئی تھی اور اس کے نتیجہ میں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات میں تلخی آگئی تھی اور دوسرے اکابرِ بنی ہاشم بھی حضرت عثمانؓ سے کبیدہ خاطر بتائے جاتے ہیں (۱۴۶)۔ اس پس منظر میں طبری کی ایک روایت بہت اہمیت اختیار کرلیتی ہے۔ اس کے مطابق ۳۰ھ / ۵۱-۶۵۰ء میں حضرت سعید بن عاص امویؓ نے کوفہ سے پیش قدمی کی اور ان کا ارادہ خراسان پر تاخت کرنے کا تھا۔ ان کے ساتھ اس مہم میں بعض اکابرِ صحابہ کرام بھی شریکِ جہاد رہے تھے اور ان کی ماتحتی میں لڑے تھے۔ طبری نے ان بزرگوں میں حضرات حذیفہ بن یمان، حسن بن علی ہاشمی، حسین بن علی ہاشمی، عبد اللہ بن عباس ہاشمی، عبد اللہ بن عمر عدوی، عبد اللہ بن عمرو بن عاص سہمی اور عبد اللہ بن زبیر اسدی رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی گنائے ہیں (۱۴۷)۔ یہ حسنِ اتفاق کتنا اہم ہے کہ ان میں سے بیشتر اصحابِ رسول ﷺ چار سال قبل افریقہ کے محاذ پر ایک اموی امیر و گورنر کی ماتحتی میں لڑے تھے اور چار سال بعد اسی اموی خلیفہ کے دور میں، ایک دوسرے اموی گورنر و امیر لشکر کی کمان میں دشمنانِ اسلام سے دست و گریبان ہوئے تھے۔ اگر تاریخِ اسلام کے دفاتر کھنگالے جائیں تو اس نوع کی بہت سی مثالیں

مل جائیں گی جو خلیفہ سوئم اور ان کے اموی گورنروں اور امیروں کے ساتھ بنو ہاشم کے تعاون و موافقت کے دلائل فراہم کریں گی۔

خلافتِ عثمانی میں بیشتر اعمال و ولاۃِ صوبہ جات جب مرکزِ خلافت آتے تھے تو وہاں کے مہاجرین وانصار کے اکابر و شیوخ کے لئے گرانقدر تحائف لایا کرتے تھے اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے تو خلیفہ رسول ﷺ ان کو تادیب کرتے اور ان کو زیادہ سے زیادہ صلہ رحمی پر ابھارا کرتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت سعید بن عاص گورنرِ کوفہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو مہاجرین وانصار کے بزرگوں اور سرداروں کے لئے تحائف لائے جن میں قیمتی کپڑے بھی شامل تھے۔ انھوں نے دوسرے بزرگوں کے علاوہ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کے لئے بھی تحفے بھیجے جو انھوں نے قبول فرمالئے۔ ابن سعد نے اس کے بعد بنو امیہ کی داد و دہش کے بارے میں حضرت موصوف کا جو بیان نقل کیا ہے وہ حضرت علیؓ کے طرزِ عمل اور دوسری روایات سے میل نہیں کھاتا۔ اس لئے وہ کسی راوی کا الحاق معلوم ہوتا ہے۔ اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ "بنوامیہ مجھے وراثت و میراث محمدی سے زیربار کررہے ہیں اور اگر میں زندہ رہ گیا تو ان کو اس سے قطعی محروم کردونگا"۔ اگر حضرت موصوف کا یہی خیال ہوتا تو وہ حضرت سعید بن عاص امویؓ کا تحفہ قبول نہ فرماتے اور بعض دوسرے اموی تحائف سے اجتناب کرتے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس تحفہ کے بارے میں یہ نکتہ بھی بڑا اہم ہے کہ حضرت سعید بن عاص امویؓ نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے بعد سب سے بڑا اور قیمتی تحفہ حضرت علی ہاشمیؓ کی خدمت میں پیش کیا تھا (۱۴۸)۔

بنوامیہ میں حضرت عبداللہ بن عامر امویؓ اپنی جود و سخا، دولتمندی و مالداری، کریم النفسی اور وضعداری کے لئے معروف و مشہور تھے۔ وہ نہ صرف اپنے صوبے -بصرہ- میں مسلمانوں کو اپنے عطایا سے نوازتے رہتے تھے بلکہ حرمین شریفین کے بزرگوں اور اپنے خاندانِ بنی عبد مناف کے عزیزوں کو بھی تحائف و عطایا سے مالا مال کیا کرتے تھے (۱۴۹)۔ متعدد عرب شعراء نے ان کے جود و سخا کی تعریف میں قصائد لکھے ہیں۔ جمحی کا بیان ہے کہ شاعر نابغہ جعدی اگرچہ حضرت علیؓ کا حامی تھا مگر اس نے حضرت مروان بن حکم امویؓ اور حضرت ابن عامر امویؓ کے حسنِ سلوک اور جود و سخا کے لئے قصیدے کہے تھے اور ان کی منہ بھر بھر کر تعریف کی تھی (۱۵۰)۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ خراسان کی مذکورہ بالا مہم سے حضرت عبداللہ بن عامر امویؓ نے

احرام باندھ لیا اور عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے۔ خلیفہ سوئم نے ان کو اپنی قوم سے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیل کی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی خدمتِ عالی میں محض تین ہزار درہم اور کچھ ملبوسات بھیجے۔ جب وہ تحائف ان کے پاس پہونچے تو انھوں نے بے اختیار فرمایا: ''الحمد للہ! ہم دیکھتے ہیں کہ میراثِ محمد ﷺ کو ہمارے علاوہ دوسرے کھا رہے ہیں''۔ جب یہ جملہ حضرت عثمانؓ کے گوشِ مبارک تک پہونچا تو انھوں نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تمہاری رائے کا ستیاناس کرے! کیا تم نے علیؓ کو صرف تین ہزار درہم بھیجے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: ''میں نے اضافہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر مجھے آپ کی رائے عالی کا علم نہیں تھا''۔ خلیفہ مکرم نے فرمایا: ''فیاضی و سخاوت دکھاؤ''۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں بیس ہزار درہم اور دوسرے تحائف بھیجے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ شاداں فرحاں مسجدِ نبوی میں آئے اور اپنے حلقہ احباب میں بیٹھے تو وہ سب ابنِ عامرؓ کے تحائف و صلات کا چرچا کر رہے تھے کہ یہ ابنِ عامرؓ قریش کا حاتم ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''بلاریب وہ جوانانِ قریش کا سردار و سید ہے'' (۱۵۱)۔

ابنِ سعد کا اگلا بیان اس سے زیادہ اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے عمال و حکام پر سخت نکتہ چینی کی گئی اور ناقدوں نے حضرت عثمانؓ پر ان کی معزولی کے لئے زور ڈالا اور عمال کے سلسلہ میں ان کو سخت سست کہا تو انھیں ظالموں نے ان سے یہ بھی شرط منوائی تھی کہ وہ حضرت عبداللہ بن عامر امویؓ کو ولایتِ بصرہ پر قائم رکھیں گے کیونکہ وہ اپنے جود و کرم اور فیاضی و سخاوت کے سبب ان کے محبوب تھے اور وہ اس اموی گورنر کی مثالی داد و دہش سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے (۱۵۲)۔

جمحی نے حضرت معاویہؓ والیِ شام اور ایک ہاشمی بزرگ کے تعلقاتِ برادرانہ سے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ یہ واقعہ خلافتِ عثمانی ہی کا معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس میں زمانہ کی تصریح نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا ہاشمی بزرگ کا انتقال خلافتِ عثمانی کے اواخر ہی میں ہو گیا تھا۔ ابن دأب کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت حارث بن نوفل بن عبدالمطلب ہاشمیؓ حضرت معاویہ امویؓ کی مجلس میں بنو عبد مناف کے کچھ نوجوان لے کر پہونچے تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ''یہ جوان ایسے ہیں جیسا کہ بنو مازن کے شاعر یعنی حریث بن محفظ نے کہا ہے اور پھر اس کا یہ شعر پڑھا:

بنو المجد، لم تقعد بهم امهاتهم　　　وآباء هم آباء صدقٍ وأنجبوا (۱۵۳)

روایت میں اس کے آگے کچھ اور مذکور نہیں ہے لیکن یہ قطعی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے ساتھ صلہ رحمی ضرور کی ہو گی کہ وہ بھی پیکرِ جود وسخا اور اپنے خاندانِ بنو عبد مناف کے عاشق تھے۔ اور اگر بالفرض انھوں نے کوئی اور حسنِ سلوک ان کے ساتھ نہ بھی کیا ہو تو بھی یہ واقعہ ان دونوں اموی اور ہاشمی اکابر کے دوستانہ مراسم کا آئینہ دار ہے۔

خلیفہ سوئم اور اکابرِ بنی ہاشم کے باہمی تعلقاتِ الفت و محبت کی کئی مثالیں اوپر گذر چکی ہیں۔ دو ایک مثالیں اور ذیل میں بیان کی جارہی ہیں جو ان کے باہمی دوستانہ روابط اور عزیزانہ تعلقات پر مزید روشنی ڈالتی ہیں۔ شیعی صاحب الاغانی کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تختِ خلافت پر حضرات عباس بن عبد المطلب ہاشمیؓ، ابو سفیان بن حرب امویؓ، حکم بن ابی عاص امویؓ اور ولید بن عقبہ امویؓ کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا (۱۵۴)۔ اس سے نگاہِ عثمانی میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہاشمی چچا کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں ابنِ اثیر کی ایک روایت بھی ہماری دلچسپی کی ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمیؓ کی قدر و منزلت میں کمی کی اور غالباً حقارت سے پیش آیا تو حضرت عثمانؓ نے اس شخص کو ضرب کی سزا دی۔ حضرت عباسؓ نے خلیفہ سوئم کی ادا بہت پسند کی اور کہا: "کیا رسول اللہ ﷺ کے عمِ مبارک کی بے توقیری کی جائے گی اور ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ جس نے ایسا کیا یا جو اس پر راضی ہوا اس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی" (۱۵۵)۔ خلیفہ سوئم اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحانہ گفتگو کرانے میں بھی حضرت عباسؓ نے خاصا اہم کردار ادا کیا تھا اور جب اواخرِ خلافت میں حضرت عباسؓ کا انتقال ہوا تو خلیفہ سوئم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور بنو ہاشم سے حسنِ سلوک میں اضافہ کر دیا (۱۵۶)۔

ماخذ کی چند روایات کی بنا پر اکثر جدید مورخوں نے، جو امویوں کے خلاف عصبیت اور حمیتِ جاہلی سے مبرا نہیں ہیں، یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ متعدد اکابرِ صحابہ کرام اور خاص کر حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ اور ان کے دوسرے خاندانی ہمنوا خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کی بعض پالیسیوں سے ناراض تھے اور ان کی وجہ سے ان پر تنقید و نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔ وہ خاص طور پر ان کی اقربانوازی کی پالیسی سے ناراض تھے جس کے تحت خلیفہ سوئم نے بعض ایسے اموی عزیزوں کو اہم حکومتی مناصب پر فائز کر دیا تھا جن کے لئے وہ دینی لحاظ سے بالخصوص اکابرِ صحابہ اور سابقینِ اولین کی موجودگی میں نااہل تھے۔ ان بزرگوں نے بشمول حضرت علیؓ خلیفہ سوئم کو اپنے فروتر اموی عمال کے بارے میں اپنا طرزِ عمل

بدلنے کا کئی بار مشورہ دیا اور خلیفہ موصوف نے ان کے مشورہ پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کر لیا لیکن ان کے انھیں اموی مشیروں اور عاملوں نے خاص طور پر حضرت مروان بن حکم امویؓ نے ان کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ایفائے وعدہ کرنے سے باز رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکابرِ صحابہ نے گوشہ عزلت پکڑا اور خلیفہ موصوف کو ان کے حال پر چھوڑا۔ بالآخر وہ باغیوں کے ہاتھوں مظلوم شہید ہوئے (۱۵۷)۔ ہم نے اپنے موجودہ مقصود کے تعلق سے بنو ہاشم اور حضرت عثمان امویؓ کے تعلقات کے ضمن میں ان مورخوں کے نتائج کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔ اگرچہ خلیفہ سوئم کی پالیسیوں کے حسن وقبح اور صحیح وغلط ہونے سے سر دست ہم کو بحث نہیں ہے کیونکہ وہ موجودہ مقصود کے دائرے سے خارج ہے اور اس پر ہم نے پہلے کہیں لکھا ہے تاہم اس موضوع سے ہم یہاں صرف اس حد تک بحث کریں گے جس حد تک اس سے اموی وہاشمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم اپنی اس بحث کا آغاز فتنہ کی ابتدا میں حضرت علیؓ کے طرزِ عمل سے کریں گے جو صحابی موصوف نے خلیفہ سوئم کے حق میں اختیار کیا تھا۔

ان تمام روایات، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابرِ صحابہ خلیفہ سوئم کی بعض پالیسیوں سے خوش نہ تھے اور ان کی وجہ سے اپنے خلیفہ پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے، کے بارے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قطعی غلط ہیں اور ان بزرگوں کے طرزِ عمل سے قطعی میل نہیں کھاتیں (۱۵۸)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوفہ، بصرہ اور مصر کے نکتہ چینوں اور ناقدوں کے ایک ایک الزام کا، جو خلیفہ سوئم پر عائد کرتے تھے، مسکت ومدلل جواب دیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے ان باغیوں کو لاجواب کر کے واپس بھی کر دیا تھا (۱۵۹)۔

حضرت علیؓ اور دوسرے اکابرِ صحابہ نے ان باغیوں کی آمد کی خبر سن کر مدینہ منورہ کے اہم ناکوں پر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پہرا دیا تھا اور پہلی بار ان کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے اور شہر پر قبضہ کرنے سے باز رکھا تھا مگر باغیوں نے بہانہ کر کے بظاہر مدینہ منورہ سے اپنی واپسی کا ڈھونگ رچایا اور پھر رات کی تاریکی میں جب خلیفہ سوئم کے محافظ وجاں نثار ان کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے واپس آکر شہر پر قبضہ اور خلیفہ مظلوم کا محاصرہ کر لیا تھا (۱۶۰)۔ حضرت علیؓ نے ان کے پلٹ آنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے خلیفہ سوئم کے خطوط پیش کر کے اپنی واپسی کا جواز پیدا کیا تھا۔ اس پر صحابی موصوف نے اپنی فراستِ ایمانی اور عقلِ رسا کے سبب ان کے کید ومکر اور فریب کی پول کھول دی تھی اور واضح کر دیا تھا کہ

ان کے پیش کردہ تمام خطوط جعلی ہیں اور وہ نہ تو خلیفہ مظلوم کے تحریر کردہ ہیں اور نہ ان پر سرکاری مہر ہے۔ حضرت علیؓ نے آخر میں فرمایا تھا: "بخدا اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہو تو سارے بنو امیہ کو اس میں داخل کردوں" (۱۶۱)۔

اس سے اہم تر یہ حقیقت ہے کہ ان تمام صحابہ کرام میں سے، خواہ وہ ہاشمی ہوں یا غیر ہاشمی، کسی ایک نے بھی باغیوں کے اس مطالبہ کی معقولیت تک کو تسلیم نہیں کیا تھا کہ خلیفہ برحق خلافت سے دستبردار ہو جائیں بلکہ ان تمام بزرگوں نے حضرت عثمانؓ کو خلافت کی مسند پر متمکن رہنے اور باغیوں کے مطالبہ کے سامنے نہ جھکنے کا مشورہ دیا تھا (۱۶۲)۔ متعدد تقریروں، ملاقاتوں اور جلسوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے بالخصوص اپنے اموی خلیفہ برحق کی حمایت و مدافعت میں کیسی جاں نثاری کی تھی اور ہر طرح سے ان کی محافظت کی کوشش کی تھی اور بالآخر جب باغیوں نے خلیفہ سوئم کا محاصرہ کر لیا تو انھوں نے اپنے جگر گوشوں حضرات حسنؓ و حسینؓ وغیرہ کو ان کے گھر اور دارِ خلافت کی حفاظت کے لئے تعینات کر دیا تھا۔ حضرات حسنینؓ کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ دوسرے اکابرِ صحابہ اور تابعین اپنے خلیفہ کی دہلیز پر پہرہ دیتے رہتے تھے اور ان تک باغیوں کی رسائی کو روکنے کی کوشش کرتے رہے تھے (۱۶۳)۔

بلاذری، ابنِ سعد وغیرہ متعدد مورخوں اور راویوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں متعدد ایسی روایتیں بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کے فرزند عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ، حضرت علیؓ اور ان کے فرزندانِ گرامی جیسے متعدد ہاشمی اقرباء حضرت عثمانؓ کی مدافعت و حمایت اور حفاظت و محافظت میں پیش پیش تھے اور وہ اپنے اموی عزیزوں کے شانہ بشانہ ان کی جان و عزت کو بچانے کے لئے موجود رہے تھے۔ مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں اور باغیوں نے پچھواڑے سے حضرت عثمانؓ کے گھر میں کود کر ان کو مظلوم شہید کر دیا۔ طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ مظلوم و شہید کی تدفین کی اجازت دی تھی اور باغیوں کو اس میں مانع ہونے سے روکا تھا (۱۶۴)۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خیالات و طرزِ عمل سے متعلق بعض روایات بلاذری وغیرہ میں ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ان کو کتنے عزیز تھے اور ان کا مرتبہ نگاہِ مرتضوی میں کیا تھا۔ قتادہ کی روایت ہے کہ کوفہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ "میں گواہی

دیتا ہوں کہ حضرت عثمان شہید ہوئے ہیں"۔ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا: "تمھیں کیونکر یہ معلوم ہوا"۔ اس نے کہا: "آپ کی بخوبی علم ہے کیونکہ آپ موجود تھے جب میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے مانگا تو آپ نے عطا فرمایا۔ میں نے ابو بکرؓ سے مانگا تو انھوں نے عطا کیا، میں نے عمرؓ سے مانگا اور پایا اور میں نے عثمانؓ سے طلب کیا اور بامراد ہوا۔ پھر میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے لئے برکت کی دعا کیجئے تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے کیوں نہ نوازے گا کیونکہ تم کو ایک نبی یا ایک صدیق یا ایک شہید نے عطا کیا ہے"۔ حضرت علیؓ نے اس کی تصدیق کی (۱۶۵)۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے: "میں ایسے شخص کے نقشِ قدم پر آیا ہوں جس نے راہِ الٰہی میں عظیم خدمات انجام دی ہیں اور وہ ان کے بعد کبھی عذاب کا منہ نہیں دیکھے گا" (۱۶۶)۔ حضرت علیؓ ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا کرتے تھے: "ہم اور عثمان ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین" (اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی، بھائی ہو گئے، تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے۔ الحجر ۴۷) ایک بار حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا اور پھر آیت تلاوت کی: "ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون (جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس {دوزخ} سے دور رہیں گے۔ الانبیاء ۱۰۱) پھر فرمایا اس سے مراد عثمانؓ اور اصحابِ عثمانؓ ہیں (۱۶۷)۔ بلاذری کی ان روایتوں کی تائید ابنِ اثیر نے بھی کی ہے جنھوں نے مذکورہ آیتِ کریمہ پر مشتمل روایت حضرت حسان بن زید کی سند پر بیان کی ہے (۱۶۸)۔ ایسی متعدد روایات ہیں جن سے حضرات علی ہاشمیؓ اور عثمان امویؓ کے باہمی خوشگوار تعلقات اور برادرانہ روابط پر روشنی پڑتی ہے اور ان تمام روایات کی نفی ہوتی ہے جو بنو امیہ سے ہاشمی نفرت و عناد کا حوالہ دیتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات اور حضرت معاویہؓ کے طرزِ عمل کے بارے میں ایک اہم روایت بلاذری کے یہاں ملتی ہے۔ اس کے مطابق ایک چشمہ اور اس کے پانی کے بارے میں ایک معاہدے پر حضرات علیؓ و طلحہؓ میں تنازعہ ہوا۔ حضرت علیؓ اس کو قائم رکھنا چاہتے تھے جبکہ حضرت طلحہؓ اس کو باطل کرنے پر مصر تھے۔ دونوں نے اپنا اختلاف حضرت عثمانؓ کی عدالت میں پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ موقعہ و محل کے معائنہ کے لئے مذکورہ بالا پانی پر پہونچے۔ اسی دوران حضرت معاویہؓ

جو شام سے آئے ہوئے تھے وہاں پہونچے کیونکہ ان کو اس اختلاف کی خبر لگ گئی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "اگر اس پانی کو خلافتِ عمرؓ میں قائم وبر قرار رکھا گیا تھا تو اب کون ایسا ہے جو اس کو تبدیل کر سکے"۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا: "جس پانی کو حضرت عمرؓ نے نہیں بدلا اس کو ہم نہیں بدل سکتے بلکہ ایسی کسی چیز کو تبدیل نہیں کرنے والے جو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں کی تھی"۔ اس طرح انھوں نے حضرت علیؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا(۱۶۹)۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے برادرانہ تعلقات کا باب بہت وسیع ہے مگر اس کو اسی مثال پر ختم کیا جاتا ہے ورنہ بحث بہت طویل ہو جائے گی۔

امارتِ حج کی جو سنت رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے عہد میں قائم کی تھی وہ آپ کے خلفاءِ کرام نے بھی قائم رکھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تیمی نے اپنے پہلے سالِ خلافت حضرت عمر بن خطاب عدویؓ کو اور خلیفہ دوئم نے اپنی خلافت کے پہلے سال حضرت عبد الرحمن بن عوف زہری کو امیر حج مقرر کیا تھا۔ خلیفہ سوئم نے بھی صحابی موصوف کو پہلے سال اور آخری سال میں حضرت عبد اللہ بن عباس ہاشمیؓ کو امیر حج مقرر کیا(۱۷۰)۔ موخر الذکر کی تقرری کے بارے میں طبری نے ایک دلچسپ روایت نقل کی ہے۔اپنی محصوری کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ وہ حضرت خالد بن عاص امویؓ کے پاس مکہ جائیں اور ان کو بتائیں کہ خلیفۃ المسلمین اتنے دنوں سے محصور ہیں اور ان پر کھانا پانی بند ہے حتی کہ وہ اپنے خرید کردہ بئر رومہ کا پانی بھی نہیں پی سکتے اور گھر کا کھاری پانی پینے پر مجبور ہیں لہذا ان کو حکمِ خلیفہ پہونچائیں کہ وہ اس سال حج کی امارت کے فرائض انجام دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ وہ میری بات نہ مانیں گے،اس صورت میں تم لوگوں کو حج کرا دینا"۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت خالد بن عاصؓ کو حضرت عثمانؓ کو پیغام پہونچایا مگر انھوں نے حج کرانے سے انکار کر دیا اور کہا: "تم ہی لوگوں کو حج کرا دو کیونکہ تم خلیفۃ المسلمین کے ابنِ عم ہو اور ان کے سب سے قریبی عزیز ہو۔لہذا میں نے امارتِ حج کے فرائض انجام دئے"۔

مذکورہ بالا روایت سے نہ صرف عثمان امویؓ اور ابن عباس ہاشمیؓ کے روابطِ محبت کا پتہ لگتا ہے بلکہ وہ بنو ہاشم کے بارے میں بنو امیہ کے اکابر کے خدمات وخیالات کی عکاسی بھی کرتی ہے۔اس روایت میں مزید یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے نام جو خط لکھا تھا اسے بھی حضرت ابن عباس ہاشمیؓ نے ترویہ کے دن لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور اپنے اموی خلیفہ کی نیابت کی۔ حضرت

ابن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد فرمایا کرتے تھے: "اگر تمام لوگوں نے عثمانؓ کے قتل پر اجماع کر لیا ہوتا تو وہ آسمان سے سنگسار کئے جاتے اور اگر لوگوں نے ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ نہ کیا ہوتا تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے" (۱۷۱)۔

خلافتِ عثمانی میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے ازدواجی تعلقات کا اب تک پتہ نہیں لگ سکا لیکن ایک ایسے رشتہ کا علم ہوا ہے جو اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت اہم تھا۔ زبیری کا بیان ہے کہ حضرت حسین بن علی ہاشمیؓ نے ابو مرہ ثقفیؓ کی ایک دخترِ نیک اختر سے شادی کی تھی جن کا نام آمنہ یا لیلیٰ تھا اور جو مشہور صحابی اور سردارِ ثقیف حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کی پوتی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت حسینؓ کے فرزندِ ارجمند حضرت علی اکبر پیدا ہوئے۔ ماں کی طرف سے ان کی رگوں میں اموی خون تھا کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت ابو سفیان بن حربؓ کی بیٹی اور مشہور صحابیہ حضرت میمونہ امویؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت حسین ہاشمیؓ حضرت ابو سفیان امویؓ کے نت داماد اور حضرت معاویہؓ کے بھتیج داماد تھے اور حضرت علی اکبر اموی خلیفہ یزید بن معاویہ اموی کے بھانجے تھے جبکہ ان کے والدِ ماجد حضرت حسین ہاشمیؓ بدنام و مطعون خلیفہ اموی کے برادرِ نسبتی تھے (۱۷۲)۔

اوپر کی مفصل بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے، اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی، کہ خاندانِ بنی ہاشم و خاندانِ بنی امیہ میں عام طور پر اور حضرت عثمان بن عفان امویؓ اور اکابرِ بنی ہاشم میں خاص طور پر برادرانہ تعلقات قائم تھے اور وہ عہد بعہد مستحکم تر ہوتے گئے تھے۔ دوسری طرف یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان میں کسی طرح کی خاندانی رقابت یا قبائلی عصبیت وعداوت نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ ان کے بعض اکابر اور خاندانوں کے درمیان کسی معاملہ پر کوئی اختلاف یا تنازعہ پیدا ہوا ہو مگر وہ اختلافِ رائے اور تنوعِ خیال کی قسم سے تھا اور وہ بھی نیک نیتی، خیر خواہی اور ایمانداری پر مبنی تھا۔ وہ اختلاف برائے اختلاف یا اختلاف بوجہ دشمنی نہیں تھا۔ اس قسم کی اختلافی صورت کا خاندانوں یا افراد میں پیدا ہو جانا فطری امر ہے اور شریعت و سماج اس کی اجازت بھی دیتا ہے اور اسے برداشت بھی کرتا ہے۔

خلافتِ علوی (۳۵ھ / ۶۵۶ء - ۴۰ھ / ۶۶۰ء)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز اسلام کے فتنہ کبریٰ کے زمانہ شباب میں ہوا جب ناجائز عداوت و دشمنی اور جائز اختلافِ رائے اپنے اپنے کمال پر تھے۔ ناجائز عداوت و دشمنی جس کو قرآنِ کریم میں طغیان وبغی کہا گیا ہے امصارِ کوفہ وبصرہ و مصر کے باغیوں اور عثمانِ شہیدؓ کے قاتلوں کا شیوہ تھا اور جائز اختلافِ رائے جس کی شریعت واخلاق اجازت دیتے ہیں عام مسلمانوں اور صحابہ کرام کا وطیرہ تھا۔ اسی کے سبب بعض اکابرِ صحابہ، ولایات کے عمال وولاۃ اور مسلمانوں کے طبقات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ وحالاتِ انتخاب سے اختلاف کیا تھا (۱۷۳) اور پھر اس اختلافِ رائے کا سلسلہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے قصاص کے مطالبہ سے جڑ گیا تھا (۱۷۴)۔

یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اختلافِ رائے کا چکر کہ خونِ ناحق کا قصاص لینے کے معاملہ پر اصولی طور سے باغیوں اور قاتلوں کے سوا کسی کو بھی اختلاف نہیں تھا، بلکہ تھا تو صرف اس کے وقت وطریقہ پر۔ نئے خلیفہ اور کچھ ہمنوا طبقات کا خیال تھا کہ جب تک ان کی خلافت مکمل طور پر قائم نہ ہو جائے اور صوبوں کے ولاۃ وحکام اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کردیں اور ان کی متحدہ طاقت سے باغیوں اور خلیفہ مظلوم کے قاتلوں کی طاقت وزور کو توڑ نہ دیا جائے اس وقت تک قصاص لینا ناممکن ہے بلکہ وہ مزید فتنوں کی انگیخت کا باعث بنے گا (۱۷۵) جبکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے اتحادیوں حضرات طلحہؓ وزبیرؓ اور ان کے ہمنواؤں کا خیال تھا کہ اگر اس فتنہ کا سر فوراً نہ کچلا گیا تو خلافتِ علیؓ کا انعقاد ہی مکمل نہ ہو گا اور فتنہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا لہذا فتنہ کا سر کچلنا اور باغیوں اور قاتلوں سے قصاص لینا فوری توجہ کا طالب ہے (۱۷۶)۔ اسی خیال کے حامی حضرت معاویہؓ اور ان کے شامی وفادار تھے (۱۷۷)۔ صحابہ کرام اور مسلمانوں کے اس اختلاف کا انحصار ان کی نیک نیتی اور خیر خواہی امت کے جذبات پر تھا اور کسی طور دشمنی یا عداوت پر مبنی نہیں تھا۔

اپنی سیاسی فکر اور پالیسی کے مطابق حضرت علیؓ نے تمام اموی عمال وحکام کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اسی معاملہ کو آڑ بنا کر باغیوں نے شورش برپا کی تھی اور خلیفہ سوئم کو شہید کیا تھا۔ نئے خلیفہ کی خواہش تھی کہ وہ باغیوں کے اس مطالبہ کو تسلیم اور پورا کر کے ان کے لئے بہانے کی کوئی گنجائش نہ چھوڑیں۔ اسی لئے انھوں نے حضرت معاویہؓ سمیت تمام عثمانی عمال وحکام کو فوری طور پر معزول

کر دیا(۱۷۸)۔ان کے اس فیصلہ میں کسی ذاتی یا خاندانی عداوت یا عمالِ عثمانی کے کردار و پالیسی سے اختلاف وناراضی کا عنصر پوشیدہ نہیں تھا۔

حضرت علیؓ کے اس فیصلہ سے متعدد اکابرِ صحابہ کو بالعموم اور ان کے اپنے ہاشمی مشیروں اور خیر خواہوں کو بالخصوص اختلاف تھا۔چنانچہ دوسرے جہاندیدہ حضرات کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عباس ہاشمیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کم از کم حضرت معاویہؓ کی فوری معزولی کے حق میں نہیں تھے، اسی لئے ابن اثیر کے بیان کے مطابق انھوں نے حضرت علیؓ کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور بعد میں کسی مناسب وقت پر ان کو معزول کرنے کی یا حضرت علیؓ کا ہمنوا بنانے کی ذمہ داری بھی لی تھی۔ انھوں نے حضرت موصوف کے انکار پر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بہادری اور شجاعت اور چیز ہے اور صاحبِ رائے ہونا اور چیز۔ حضرت علیؓ نے اس پر بھی اپنا فیصلہ نہیں بدلا اور اس کی بجائے انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو شام کا والی مقرر کر دیا تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ''یہ رائے صحیح نہیں۔ معاویہؓ بنو امیہ کی ایک اہم شخصیت ہیں۔وہ عثمانؓ کے ابنِ عم اور ان کے عامل ہیں اور مجھے خوف ہے کہ میں اگر وہاں جاؤں گا تو عثمانؓ کے عوض میری گردن ماردی جائے گی ورنہ وہ کم از کم مجھے قید کر کے آپ سے میری قرابت کے سبب وہی سب کچھ کریں گے جو آپ کے لئے کر رہے ہیں''۔انھوں نے پھر حضرت علیؓ کو سمجھایا مگر انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کی بات نہیں مانی(۱۷۹)۔

فتنہ کبریٰ کے زمانے میں اسی اختلافِ رائے کا اظہار خود حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے بھی کیا تھا اور وہ شروع سے حضرت علیؓ کے مدینہ منورہ سے باہر نکلنے، ام المومنینؓ کے اتحاد اور حضرت معاویہؓ کی افواج سے الجھنے اور باغیوں کے سلسلہ میں ان کی رائے ماننے کے خلاف تھے(۱۸۰) مگر صورتِ حال اتنی پیچیدہ ہو گئی تھی کہ کوئی چیز واضح نہیں نظر آ رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگِ جمل(۱۸۱)اور جنگِ صفین(۱۸۲) کے واقعاتِ ہائلہ پیش آئے جن کی تمامتر ذمہ داری باغیوں اور قاتلینِ عثمان کے سر ہے کیونکہ حضرت علیؓ اور ان کے سیاسی مخالف دونوں مواقع پر صلح کے حق میں تھے اور معاہدۂ صلح ہونے ہی والا تھا جو فتنہ انگیزوں کی سازش اور فتنہ جوئی کے سبب وقوع پذیر نہ ہو سکا(۱۸۳)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو بھی اس ساری صورتِ حال پر شدید رنج تھا۔ ان کو شروع میں اندازہ نہیں تھا کہ حالات یوں قابو سے باہر ہو جائیں گے اور طریقہ کار کا اختلاف یوں اسلامی امت کے انتشار وافتراق اور خانہ جنگی کا سبب بن جائے گا(۱۸۴)۔

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور اتحادِ ثلاثہ کا اختلاف یا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف کسی ذاتی دشمنی یا خاندانی عداوت پر مبنی نہیں تھا جیسا کہ ہمارے قدیم و جدید مورخین ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ وہ اس کی تمامتر ذمہ داری بنو امیہ پر ڈالتے ہیں کہ وہ اپنی دیرینہ عداوت ور نجش کے سبب حضرت علیؓ کی خلافت کے دشمن تھے اس لئے اتحادِ ثلاثہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر پہلے جنگِ جمل برپا کرائی اور جب اپنے مقصد میں ناکام رہے تو پھر حضرت معاویہؓ کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور جنگِ صفین برپا کرائی (۱۸۵)۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں جنگوں کی ذمہ داری باغیوں اور قاتلوں کے سر ہے کہ انھوں نے اسے بھڑکایا تھا (۱۸۶)۔ دونوں جماعتوں کی نیک نیتی کی دلیل یہ ہے کہ وہ دونوں مواقع پر اختلاف ختم کرکے صلح پر آمادہ اور اتحاد و تعاون کے لئے تیار ہوگئے تھے (۱۸۷)۔ ان کے اتحاد واتفاق اور تعلق خاطر کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت عقیل ہاشمیؓ اپنے چھوٹے بھائی سے محبت رکھنے کے باوجود سیاسی اور مسلکی اختلاف رکھتے تھے اور اسی وجہ سے انھوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا اور جنگِ صفین میں ان کے جھنڈے کے تلے حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا رہے تھے اور زندگی بھر اپنے مسلک پر قائم رہے (۱۸۸)۔ ہمارے عام مورخین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عقیلؓ نے دنیاوی منافع کے لالچ میں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑا اور حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا (۱۸۹)۔ لیکن یہ ان کے ساتھ ظلم ہے۔ غزوۂ حنین میں معمولی سی سوئی مالِ غنیمت میں پانے والا اور پھر حکم نبوی کی تعمیل میں بھی اس کو واپس کر دینے والا صاحبِ کردار صحابی دنیاوی لالچ میں اپنے ضمیر و ایمان کا سودا نہیں کر سکتا تھا (۱۹۰)۔ اس سے یہ بھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ اپنے خاندانِ بنی ہاشم یا چھوٹے بھائی سے کوئی خصومت و عداوت رکھتے تھے جس نے ان کا سیاسی طرزِ عمل متعین کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ابنِ عساکر نے ایک ایسی روایت بیان کی ہے جو حضرت معاویہؓ سے حضرت علیؓ کے تعلقِ خاطر کو واضح کرتی ہے۔ حضرت معاویہؓ کے ایک مولیٰ حریث ایک بہادر شہسوار تھے جو حضرت معاویہؓ کے ہمشکل بھی تھے اور انھیں کی طرح لباس بھی پہنتے تھے۔ حضرت معاویہؓ ان سے بہت محبت بھی کرتے تھے اور ان پر اعتماد اور ان کی فوجی صلاحیت پر بھروسہ بھی رکھتے تھے مگر جنگِ صفین کے موقعہ پر ان کو تاکید کی تھی کہ وہ حضرت علیؓ پر ہاتھ نہ اٹھائیں مگر انھوں نے ایک دوسرے صاحب حضرت عمرو بن عاصؓ کے مشورہ پر حضرت علیؓ ہی سے مبارزت کی اور مارے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو ان کی موت کا شدید

غم ہوا اور جب ان کو صلاحِ عمرو بن عاصؓ کا علم ہوا تو ان کو شدید تنبیہ کی (۱۹۱)۔ ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عمرو بن عاصؓ کا نام راوی نے الحاقی طور سے بڑھایا ہے مگر بقیہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلکی اختلاف کے باوجود ان میں عداوت نہیں تھی۔

ابنِ عساکر نے ہی ایک اور دلچسپ روایت بیان کی ہے جس کے مطابق بنو بکر بن وائل کے ایک فرد خالد بن معمر بن سلمان بن حارث نے صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا مگر بعد میں حضرت حسنؓ کے لشکر کو چھوڑا اور حضرت معاویہؓ سے جا ملے۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اگرچہ ان کے تعاون کا صلہ یہ دیا کہ ان کو آرمینیا کا والی بنا دیا مگر ان کی یہ پیشکش قبول نہیں کی کہ وہ حضرت علیؓ پر گھات لگا کر حملہ کریں اور ان کا کام تمام کر دیں (۱۹۲)۔ اسی ضمن میں ابنِ اثیر کی ایک روایت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے مطابق جب حضرت معاویہؓ کوفہ پہونچے تو شبیب بن بجرہ خارجی جو ابنِ ملجم کے ساتھ حضرت علیؓ کی شہادت کے موقع پر موجود تھا ان کی خدمت میں تقرب حاصل کرنے کے لئے پہونچا اور دعویٰ کیا کہ اس نے ابنِ ملجم کے ساتھ مل کر حضرت علیؓ کو قتل کیا ہے تو حضرت معاویہؓ پر شدید رنج واندوہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ مجلس سے اٹھ کر قیامگاہ میں چلے گئے اور اپنے حاکمِ شہر اشجع کو بلا کر فرمایا: "اگر تم نے شبیب کو دیکھا بھی اور مجھے پتہ چلا کہ وہ میرے دروازے پر آیا ہے تو میں تم سب کو ہلاک کر دونگا۔ اس کو اپنے شہر سے جلاوطن کر دو"۔ اس طرح قاتلِ علی یا معاونِ قاتل کو انھوں نے شہر بدر کر دیا (۱۹۳)۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں اس واقعہ کا بھی ذکر کر دیا جائے جس کے مطابق حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے ایک مداح وحامی اور وقت کے خطیب وادیب حضرت ضرار بن ضمرہ سے حضرت علیؓ کے محاسن ومحامد اصرار ومطالبہ کر کے سنے اور سن کر خوب روئے اور خطیبِ مذکور کی تعریف وتحسین کی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور انعام واکرام سے نوازا (۱۹۴)۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کو اپنی زندگی کے اواخر میں یہ یقین ہو گیا تھا کہ حضرت معاویہؓ ہی خلیفہ اسلام بنیں گے۔ اس لئے انھوں نے حضرت حسنؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ حضرت معاویہؓ سے صلح کر لیں اور ان کی امارت وخلافت سے کراہت نہ کریں ورنہ بڑی ابتری پھیلے گی (۱۹۵)۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے پیشگوئی کی تھی کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا (۱۹۶)۔ حضرت موصوف نے نبوی

پیشگوئی کو پورا کیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب انھوں نے محسوس کیا کہ معاملہ ان کے قابو سے باہر ہے تو انھوں نے حضرت معاویہؓ سے بعض شرائط پر صلح کرلی۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی تمام شرائط مان لیں جن میں حضرت علیؓ پر سب وشتم بند کرنے کی شرط بھی شامل تھی (۱۹۷)۔ ہمارے مورخین اور رواۃ عام طور پر یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ سب وشتمِ علی کی شرط تسلیم نہیں کی تھی جب کہ باقی تمام شرائط مان لی تھیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت علیؓ پر سب و شتم کی تمام روایتیں ضعیف، مجروح اور بسااوقات موضوع ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشین اموی خلفاء نے اس فعلِ حرام کا کبھی ارتکاب نہیں کیا۔ یہ ان پر اتہام ہے (۱۹۸) اور ان کے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات نیز ان کے عمل کے خلاف ہے۔ مثال کے طور پر ابنِ اثیر نے بیان کیا ہے کہ ایک دن بسر بن ابی ارطاۃ حضرت معاویہؓ کی مجلس میں موجود تھے اور ان کے ساتھ حضرت زید بن عمر بن خطابؓ بھی، جن کی والدہ ماجدہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم تھیں، تشریف فرما تھے۔ بسر نے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہا تو حضرت زیدؓ برداشت نہ کرسکے اور ان کے سر پر اپنا عصا دے مارا اور ان کو زخمی کردیا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت زیدؓ کو تنبیہ کی: ''تم نے قریش کے سردار اور اہلِ شام کے شیخ پر حملہ کر کے ان کو زخمی کیا''۔ اور پھر حضرت بسر سے کہا: ''تم علیؓ کو برا بھلا کہتے ہو جبکہ اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ ابنِ فاروقؓ کے جدِ اعلیٰ ہیں اور خود ابنِ فاروقؓ لوگوں کے سردار ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اس کو برداشت کرلیں گے''؟ راوی کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ کی صلحِ کل کی پالیسی نے دونوں بزرگوں کی خوش کردیا (۱۹۹)۔ حضرت معاویہؓ کا یہی حلم تھا جس نے ان کو فراخ دل بنایا تھا اور اسی عالی ظرفی کے سبب انھوں نے حضرت علیؓ کے تمام عمال، امراء اور حکام کو نہ صرف معاف کردیا تھا بلکہ ان کو اپنے لشکر اور اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے سب سے پرجوش حامی اور سالارِ لشکر حضرت قیس بن سعد اور ان کے چالیس ہزار سپاہیوں کو بھی قبول کر کے ان کو موزوں مناصب عطا کئے تھے (۲۰۰)۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت حسین بن علیؓ کو اپنے برادرِ بزرگ حضرت حسنؓ کے فیصلہ صلح و دستکشی سے اختلاف یا ذہنی تحفظ رہا ہو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے (۲۰۱) مگر یہ بھی ایک حقیقتِ واقعہ ہے کہ انھوں نے بعد میں اس سے اختلاف کا اظہار نہیں کیا اور بلا کسی تردد و تحفظ حضرت معاویہؓ کی بیعت کرلی اور ان کی زندگی بھر نہ صرف ان کے مطیع و منقاد رہے بلکہ ان کی حکومت کے ساتھ

عملی تعاون کرتے رہے (۲۰۲)۔

ابنِ کثیر کا بیان ہے کہ خلافتِ معاویہؓ کے انعقاد کے بعد حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق جایا کرتے تھے اور وہ ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور ان کو گرانقدر عطایا عنایت کرتے تھے۔ بسااوقات ایک ہی دن میں ان کو دو دو لاکھ درہم عطا کر دیتے تھے (۲۰۳)۔ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ ہر سال بدستورِ سابق حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے رہے تھے اور خلیفہ اموی ان کا اکرام کرتے اور ان کو عطایا سے نوازتے رہے تھے (۲۰۴)۔ اس سے اہم روایت ابنِ ابی الحدید کی ہے جس کے مطابق حضرت معاویہؓ روئے ارض پر پہلے شخص تھے جنھوں نے دس لاکھ (الف الف) درہم عطا کئے اور ان کے فرزند یزید نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ حضرت معاویہؓ حضرات حسن و حسینؓ فرزندانِ علیؓ کو ہر سال فی کس دس لاکھ درہم دیا کرتے تھے اور اسی طرح وہ حضرات عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو دیا کرتے تھے (۲۰۵)۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ کی سرکردگی میں جو دو مہمیں بالترتیب ۴۹ھ اور ۵۱ھ میں رومیوں کے خلاف گئی تھیں ان میں حضرتِ موصوف دوسرے صحابہ کرام اور اکابرِ قریش و انصار کے ساتھ شامل رہے تھے۔ انھوں نے نہ صرف ان دونوں مواقع پر اموی امیر لشکر کے زیر کمان جہاد کیا تھا بلکہ اموی امامِ نماز کے پیچھے نمازیں بھی ایک مدتِ مدید تک پڑھی تھیں (۲۰۶)۔ زبیری نے اس ضمن میں ایک اور دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ ۵ربیع الاول ۵۰ھ کو جب حضرت حسنؓ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تو وہاں کے اموی گورنر حضرت سعید بن العاصؓ تھے۔ امیر مدینہ کی حیثیت سے ان کا حق اور فرضِ منصبی تھا کہ وہ حضرت حسنؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں چنانچہ حضرت حسینؓ کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ انھوں نے یہ کہہ کر ان کو امامت کے لئے بڑھایا کہ "اگر سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو آگے نہ بڑھاتا" (۲۰۷)۔ اس جملہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ بنوامیہ سے ان کی عداوت و نفرت پر مبنی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حضرتِ موصوف اپنے عزیز بھائی کی نمازِ جنازہ خود پڑھانا چاہتے ہوں جیسا کہ ایسے مواقع پر انسان کا فطری تقاضا ہوتا ہے۔ زبیری نے ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ امویؓ کے بھائی حضرت خالد بن عقبہ امویؓ حسنِ مذہب رکھتے تھے اور انھوں نے اپنے اہل و عیال کے منع کرنے کے باوجود حضرت حسنؓ کے جنازہ میں شرکت کی تھی (۲۰۸)۔ اس روایت میں اہل و عیال کے منع کرنے والا فقرہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم ذرا پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ایک اور اموی حضرت سعید بن

عاصؓ نے ان کی نمازِ جنازہ کی امامت کی تھی۔ ابنِ قتیبہ نے اپنی روایت میں ان کو بنو امیہ کے شرکاءِ جنازہ میں سے ایک قرار دیا ہے جو بوجوہ غلط ہے (۲۰۹)۔ ابنِ عساکر کی روایت ہے کہ محمد بن عقیل بن ابی طالبؓ جب اپنے والدِ گرامی کے پاس مکہ مکرمہ آئے تو والد نے ان سے آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ "قریش نے مجھ سے مفاخرت کی تو میں نے یہ جاننے کے لئے کہ لوگوں میں کون معزز ترین ہے یہ سفر کیا ہے"۔ والدِ مکرم نے فرمایا: "ان میں میں اور میرا اعزہ اشرف ہیں اور تمہارے لئے تو سعید بن عاص کافی ہیں فخر و مباہات کے لئے" (۲۱۰)۔ یعقوبی اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت ابنِ عباس سے اظہارِ تعزیت کیا تھا (۲۱۱)۔ شیعی مورخ یعقوبی بھی بیان کرتا ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت حسنؓ کے حسنِ کلام اور حسنِ سکوت کے بارے میں رطب اللسان رہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے ان سے کبھی کوئی سخت و فحش کلمہ نہیں سنا۔ ایک بار جب حضرت حسنؓ اور حضرت عمرو بن عثمان بن عفانؓ کے درمیان کسی زمین کے مسئلہ پر اختلاف ہوا تھا تو انھوں نے جو شدید و سخت ترین جملہ کہا تھا وہ تھا: ليس له عندنا الا ما رغم انفه" (۲۱۲) (ان کے لئے ہمارے پاس ان کی ناپسندیدہ چیز کے سوا اور کچھ نہیں)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے برادرِ خورد حضرت عبید اللہؓ حضرت علیؓ کے حامی تھے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حسن بن علیؓ کے ایک اہم سالار تھے مگر جب حسنی لشکر کے سالارِ اعظم حضرت قیس بن سعدؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح و امن کی سن گن ان کو ملی تو انھوں نے حضرت حسنؓ کی دستکشی سے قبل حضرت معاویہؓ کو خط لکھ کر ان سے اپنے لئے امان طلب کی اور بطورِ ضمانت وصلہ رحمی کچھ مال مانگا۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو دس لاکھ درہم (الف الف درہم) بھیجے اور پروانہ امان لکھ دیا۔ چنانچہ وہ اپنے آٹھ ہزار اصحاب کے ساتھ حضرت معاویہؓ سے جا ملے جبکہ ابھی تک قیس بن سعد نے صلح نہیں کی تھی اور برسرِ پیکار تھے (۲۱۳)۔

خلافتِ علوی کی پانچ سالہ مدت میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر کے درمیان بعض مسائل پر سیاسی اختلاف ضرور تھا جس کا بنیادی سلسلہ شہادتِ عثمانؓ اور اس کے ذمہ دار قاتلوں سے جا ملتا تھا۔ یہ اختلاف بعض دوسرے قریشی اور عرب اکابر کے مابین بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن اس کا تعلق خاندانی رقابت یا قبائلی عصبیت سے ہرگز نہیں تھا۔ اس کے برعکس معاشرتی سطح پر ان کے درمیان محبت و یگانگت، الفت و قرابت کے گہرے تعلقات پائے جاتے تھے جن کا محض ایک عکس اوپر پیش کیا گیا۔

خلافتِ اموی میں ہاشمی۔ اموی تعلقات

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضرت معاویہؓ اور دوسرے اکابرِ بنی امیہ کے حسنِ سلوک کی بعض مثالیں اوپر گذر چکی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت کا بنیادی اصول صلحِ کل اور مثالی حلم و تحمل تھا جیسا کہ حضرت حسنؓ، ان کے ہمنوا سیاسی اصحاب، فوجی سالاروں اور حکام و عمال کے سلسلہ میں ان کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ اپنے والدِ بزرگوار حضرت ابو سفیان امویؓ کی مانند حضرت معاویہؓ بھی اپنے خاندانِ بنو عبد مناف سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ بشری اور فطری تقاضوں سے ان کو بنو امیہ سے زیادہ محبت و تعلقِ خاطر ہو مگر بنو ہاشم سے بھی ان کو کچھ کم الفت نہ تھی۔ وہ دوسروں کے مقابلہ میں بنو ہاشم کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ وہ ان کے اپنے سگے سمبندھی تھے اور یہی طرزِ عمل ان کے دوسرے اموی اکابر اور خلفاء کا تھا۔ فتنہ کبریٰ کے دوران دونوں خاندانوں میں جو مسلکی اور سیاسی اختلاف پیدا ہوا تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا اور اگر اس کی تلخ یادیں باقی بھی تھیں تو وہ مخاصمت و عداوت کے جذبات بھڑکانے کے بجائے ترحم و ندامت اور محبت و الفت کو مستحکم کرنے پر آمادہ کرتی تھیں۔ حضرت معاویہؓ یقینی طور سے برادرانہ تعلقات کو استوار و مستحکم کرنے کے جویا رہتے تھے اور تاریخ سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

خلافتِ معاویہؓ (۴۱ھ / ۶۶۱ء - ۶۱ھ / ۶۸۰ء)

شیعی مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ نے حضرت حسین بن علیؓ سے کہا تھا: "ابو عبد اللہ! تم جانتے ہو کہ جب ہم نے تمہارے والدِ ماجد کے سیاسی ہمنواؤں کو قتل کیا تو ان کو حنوط کیا، ان کو کفن دیا، ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا۔ حضرت حسینؓ کے بارے میں روایت کی ہے کہ انھوں نے اپنے جواب میں یہ کہا کہ وہ یہ سب کچھ نہ کرتے (۲۱۴)۔ ظاہر ہے کہ اس شیعی مورخ نے حضرت حسینؓ کا جواب صحیح نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس میں اپنے تعصب کے زہر کی آمیزش کر دی ہے کیونکہ ایسا تلخ اور غیر اسلامی جواب حضرت حسینؓ کی عالی ظرفی، بلند کرداری اور سنتِ نبوی سے شیفتگی، جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، کے بالکل منافی ہے۔ اگر ان کو اس سے اختلاف ہوتا تو وہ

خاموشی اختیار فرماتے جیسا کہ ایک اور موقعہ پر کیا تھا۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت سعید بن عاص امویؓ گورنرِ مدینہ نے حضرت امِ کلثوم بنت علیؓ کو نکاح کا پیغام دیا اور ان کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے۔ جب حضرت حسینؓ ان کے پاس آئے تو حضرت امِ کلثومؓ نے ان کا مشورہ چاہا اور انھوں نے شادی کے خلاف مشورہ دیا۔ مگر حضرت حسنؓ نے شادی کرنے کے حق میں مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کی تیاریاں شروع کر دیں اور خود کفیل بن گئے۔ جب نکاح کے لئے سب لوگ جمع ہوئے تو حضرت سعید امویؓ نے حضرت حسینؓ کی غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ حضرت حسنؓ نے کہا کہ "میں کافی ہوں"، لیکن جیسے ہی حضرت سعیدؓ کو حضرت حسینؓ کی عدم رضامندی کا علم ہوا وہ یہ کہہ کر مسندِ عقد سے اٹھ گئے کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو انھیں ناپسند ہو۔ انھوں نے دیا ہوا مال بھی واپس نہیں لیا۔ بنو ہاشم کے تعلقِ خاطر اور حضرت حسینؓ کی پسند و مرضی کا حضرت سعید امویؓ کو اتنا نازک احساس تھا (۲۱۵)۔

حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت معاویہؓ کو جو غم ہوا تھا اس کا حوالہ ابنِ عساکر اور یعقوبی وغیرہ کی متعدد روایتوں سے ملتا ہے۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی اور اس کی خبر دمشق پہونچی تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ خلیفہ کی مجلس میں موجود تھے حضرت معاویہؓ نے ان سے وفاتِ حسنؓ پر تعزیت کی اور اپنے غم کا اظہار کیا۔ اول الذکر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو غم نہ کرنے اور حسرت سے محفوظ رہنے کی تلقین و دعا کی جس پر حضرت معاویہؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم اور ملبوسات عطا کئے۔ راوی کا مزید بیان ہے کہ ایک دن حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ اب تو تم اپنی قوم کے سید ہو گئے ہو تو حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا: "جب تک ابو عبد اللہؓ موجود ہیں میں سردار نہیں ہو سکتا اور حضرت معاویہؓ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا (۲۱۶)۔

اکابرِ بنی عبد مناف سے تعلقِ خاطر اور حضرت معاویہؓ کے حلم کی ایک مثال زبیری نے بیان کی ہے۔ قدیم دستور تھا کہ مسلمانوں کے عطیے اور وظیفے ان کے سرداروں اور نمائندوں کو، جنھیں عرفاء (عریف کی جمع) کہا جاتا تھا، دے دئے جاتے تھے اور یہ قبائلی نمائندے اصحابِ عطایا کو ان کے حصے پہونچا دیا کرتے تھے۔ مگر کچھ دنوں سے یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی کہ مرجانے والوں اور غائب لوگوں کے حصے بھی یہ قبائلی نمائندے وصول کر لیتے تھے اور ان کی رقمیں آپس میں یا قبیلہ میں تقسیم کر دیتے تھے مگر حکومت کو نہ کسی مرنے والے کی موت کی خبر دیتے تھے اور نہ کسی غائب کی گمشدگی کی اطلاع۔

ایک بار جب حضرت معاویہؓ نے عاصم بن ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ کو مدینہ والوں کو عطایا تقسیم کرنے کے لئے وہاں بھیجا تو انھوں نے دیوانِ عطا کے کاغذات کو صحیح کرنے کی خاطر تمام اہلِ عطا کے خود حاضر ہونے پر اصرار کیا اور قبائلی نمائندوں کو سب کے عطایا دینے سے انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو یہ بات بری لگی کیونکہ ان کو مُردوں اور غائبوں کے حصوں کی وجہ سے زیادہ رقم ملتی تھی۔ چنانچہ وہ مسجدِ نبوی میں اپنے حصے لینے نہیں آئے۔ حضرت عاصم بھی اپنے اصرار پر کئی دن جمے رہے اور بالآخر انھوں نے ایک سخت تقریر کی اور حق والوں کی موجودگی کے بغیر تقسیمِ عطایا سے انکار کر دیا۔ لوگ اس پر برافروختہ ہو گئے اور انھوں نے اتنی کنکریاں ماریں کہ وہ مال چھوڑ کر بنو امیہ کے گھروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مشورہ پر یہ طے ہوا کہ خود یہ مال تقسیم کر دیا جائے ورنہ کسی نئی بات اور طریقہ پر معاویہؓ جم جائیں گے۔ چنانچہ حضرت حسین بن علی ہاشمیؓ، عمرو بن عثمان اموئؓ اور عبداللہ بن زبیر اسدی قریشیؓ نے خود یہ مال لے کر حسبِ دستورِ قدیم تقسیم کر دیا۔ بنو مرہ بن عوف (ذبیان) کے ایک شاعر ارطاۃ بن سمیہ نے اس واقعہ پر کچھ اشعار موزوں کئے جن میں حضرت عاصم کی شرافت اور خاندانِ زبیر و عبد شمس و ہاشم کے اتفاق و اتحاد کا حوالہ تھا۔ حضرت معاویہؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے مثالی حلم کی بنا پر درگذر سے کام لیا (۲۱۷)۔

حضرت حسین بن علیؓ اور اموی گورنرِ مدینہ حضرت سعید بن عاصؓ کے تعلقات کے بارے میں ایک اور روایت ابنِ عساکر نے یہ بیان کی ہے کہ وہ دونوں حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمیؓ کے ساتھ ایک مرتبہ حضرت سعید بن عاص امویؓ کی ولایتِ مدینہ کے زمانے میں مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کرنے ساتھ ساتھ گئے۔ واپسی میں وہ مدینہ منورہ پہونچنے کے اشتیاق میں اپنے مال و اسباب پیچھے چھوڑ کر اپنی سواریوں پر سوار ہو کر جلدی سے روانہ ہوئے۔ وہ سردی کا زمانہ تھا۔ راستہ ہی میں تھے کہ رات ہو گئی اور بارش بھی آ گئی اور سردی میں شدت پیدا ہو گئی۔ آخرش ان تینوں نے ایک مزنی بزرگ کے گھر میں ضیافت کے مزے لوٹے (۲۱۸)۔

حضرات حسنینؓ اور دوسرے اکابرِ بنی ہاشم کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے دوستانہ اور برادرانہ روابط اور حلمِ معاویہؓ کا ایک اور واقعہ ابنِ عساکر نے بیان کیا ہے اور ابن سعد کی سند پر بیان کیا ہے۔ اپنی خلافت کے ابتدائی برسوں میں حضرت معاویہؓ حج کرنے کے لئے گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت مروان بن حکمؓ کے گھر میں قیام کیا۔ جب وہ قیلولہ سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اپنے دربان سے کہا کہ: ''اگر

حسن بن علی یا حسین بن علی یا عبداللہ بن جعفر یا عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم (جو سب کے سب کے ہاشمی تھے) میں سے اگر کوئی دروازہ پر آئے تو ان کو آنے کی اجازت دے دی جائے۔ مگر دربان کو کوئی نظر نہیں آیا اور جب ان کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ سب کے سب حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے گھر میں جمع دوپہر کا کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ ان کے گھر پہونچے کہ وہ بقول خود انھیں میں سے تھے اور پہلے ان کی مجلسوں میں اسی طرح شریک ہوا کرتے تھے۔ میزبان نے اپنے امیر المومنین کا اکرام کیا اور صدر نشین میں بٹھایا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن جعفرؓ سے کھانا طلب کیا۔ میزبان نے کہا کہ جو بھی امیر المومنین طلب فرمائیں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ ان کی خواہش پر مخ (گودا) پر مشتمل کھانا چنا گیا۔ امیر المومنین نے دوبارہ طلب کیا تو دوبارہ لایا گیا۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ”پہلے ہم کہا کرتے تھے: اے غلام ہمارا کھانا لاؤ لیکن تم تھوڑا تھوڑا مخ منگوا رہے ہو ایسا میں نے پہلے کبھی نہیں سنا۔ کیا بات ہے؟ تمھیں تو ابن جعفر وسعت و کثرت ہی زیب دیتی ہے“۔ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا: ”امیر المومنین اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عطا کرے گا“۔ چنانچہ خلیفہ فیاض نے ان کو چالیس ہزار دینار عطا فرمائے اور حضرت عبد اللہؓ نے اسی دن بہت سی بھیڑ بکریاں ذبح کروا کر ان کا گودا نکلوایا اور حضرت معاویہؓ کی خدمتِ اقدس میں بھیج دیا (۲۱۹)۔ اس پورے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت سے قبل بھی حضرت معاویہؓ ان کی مجلس کے محرم اور دوست و ہم نشیں رہے تھے اور حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی مہمان نوازی کے مزے لوٹتے رہے تھے۔ ان دونوں اموی ہاشمی بزرگوں نے اموی خلافت کے دوران بھی اپنا بے تکلف تعلق قائم رکھا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے حضرت معاویہؓ کے بہت قریبی اور برادرانہ تعلقات تھے جو ہمیشہ قائم رہے۔ مورخین نے ان کے بارے میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ ابنِ عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر ہاشمیؓ ہر سال خلیفہ اموی کے پاس تشریف لاتے اور وہ ان کو دس لاکھ درہم (الف الف درہم) عطا کرتے اور ان کی دوسری سینکڑوں ضرورتیں پوری کرتے۔ یہ روایت کافی طویل ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔

انھیں کی دوسری روایت ہے جو شعبی کی سند پر بیان ہوئی ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ جب حضرت معاویہؓ کے پاس آئے تو ان کے پاس ان کا فرزند یزید بھی موجود تھا۔ وہ حضرت عبد اللہؓ کے کلام میں دخل در معقولات کرتا رہا اور ان کے اخراجات کو مرضیاتِ الٰہی کے خلاف اور اسراف

کہتا رہا۔ حضرت عبداللہ نے یزید سے کہا کہ "میں تمھیں جواب نہیں دوں گا، اگر صاحبِ مسندِ عالی موجود نہ ہوتے تو ضرور جواب دیتا۔" حضرت معاویہؓ نے کہا: "تم اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتے ہو"؟ انھوں نے کہا: "ہاں خدا کی قسم! میں تم سے تمہارے باپ سے اور تمہارے دادا سے بہتر سمجھتا ہوں"۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: "میں سمجھتا تھا کہ حرب بن امیہ کی سلطنت کے زمانے میں حرب سے زیادہ اور کوئی اشرف نہیں"۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: "خدا کی قسم معاویہ! حرب سے زیادہ وہ معزز ہے جس نے ان پر اپنا برتن انڈیلا اور ان کو اپنی چادر میں جگہ اور پناہ دی۔" حضرت معاویہؓ نے ان کی تصدیق کی اور ان کی تمام ضرورتیں پوچھ پوچھ کر پوری کیں۔

اسی مصنف نے سعید بن دینار کی سند پر یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ایک دن دمشق میں حضرت معاویہؓ کے پاس خضراء محل میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ موجود تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کا خط ان کے پاس پہونچا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے زمین پر پھینک دیا اور چند سخت باتیں کہیں۔ حضرت عبداللہؓ کو ناگوار گذرا اور انھوں نے خوب کھری کھری سنائی اور چل دئے اور گھر پہونچ کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اسی دوران خوب شور و شغب مچا اور جب حضرت معاویہؓ کو ان کے جانے کا حال معلوم ہوا تو قاصد بھیج کر ان کو واپس بلایا اور معذرت کی کہ آئندہ وہ ان کے منہ سے کوئی ناپسندیدہ بات نہیں سنیں گے اور اس رات کی بات کو فراموش کر دینے کی درخواست کی اور پھر ان کو بیشمار مویشی اور اونٹ عطا کئے (۲۲۰)۔

اسی مورخ نے ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ ابنِ جعفرؓ کو عطایا دینے سے کتنا مال خرچ ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے پاس لوگوں کے علاوہ اور کون سی دولت ہے۔ وہ اپنے مال میں لوگوں کو شریک کرتے ہیں، جو مانگتا ہے اسے دیتے ہیں اور کبھی اس کو بچا کر نہیں رکھتے۔ حضرت معاویہؓ ان کے بارے میں ہمیشہ یہ معلوم رکھتے تھے کہ ان کی مالی حالت کیا ہے اور اسی کے مطابق ان کی ضرورتیں پوری کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جب انھیں پتہ لگا کہ ان کی حالت تنگ ہے اور قرض کا بار بہت ہو گیا ہے تو ان کو اسراف سے بچنے کی نصیحت کی۔ جواب میں عبداللہ بن جعفرؓ نے چند اشعار لکھ بھیجے جس سے متاثر و خوش ہو کر ان کو چالیس ہزار دینار بھیج دئے تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر سکیں (۲۲۱)۔

موءرخ سدوسی نے ایک دلچسپ واقعہ یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ ایک بار علی بن یزید بن

رکانہ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس پہونچے تو یزید بن معاویہ نے ان سے کشتی لڑنی چاہی کہ دونوں مانے ہوئے پہلوان تھے۔ یزید کو حضرت معاویہؓ نے منع کیا لیکن انھوں نے بات نہ مانی اور آخر کار تنہائی میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی موجودگی میں مقابلہ ہوا۔ اور علی بن یزید بن رکانہ نے یزید کو اٹھالیا اور اسی طرح لئے ہوئے حضرت معاویہؓ کے پاس پہونچے اور کہا کہ انھیں کہاں رکھ دوں؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "میری گود میں" اور جب انھیں گود میں بٹھا دیا تو حضرت معاویہؓ نے انھیں چوم لیا (۲۲۲)۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو ان کی غنا سے دلچسپی پر ملامت کی۔ ایک دن جب حضرت عبداللہؓ ان کے پاس آئے تو ان کے ساتھ بدیح نامی مغنی بھی تھا۔ حضرت معاویہؓ اپنی ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے بدیح سے گانا سنانے کے لئے کہا تو اس نے سنایا اور حضرت معاویہؓ نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: "امیر المومنین ذرا ٹھہرئے۔" بہر حال حضرت معاویہؓ نے مغنی کی تعریف کی (۲۲۳)۔

ابن اثیر نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پوتے عبداللہ بن معاویہ کی سند پر بیان کیا ہے کہ میرے دادا حضرت عبداللہؓ حضرت معاویہؓ کے پاس موجود تھے جب ان کے والد پیدا ہوئے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو طلب کر کے نو مولود بیٹے کا نام اپنے نام پر رکھنے کی درخواست کی جو انھوں نے قبول کرلی اور حضرت معاویہؓ نے ان کو صلہ میں ایک لاکھ درہم عطا کئے (۲۲۴)۔ حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمیؓ سے حضرت معاویہؓ کے تعلقات کا باب بہت وسیع ہے مگر انھیں مثالوں پر اس کو ختم کیا جاتا ہے ورنہ بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ ان کے جانشین سے صحابی موصوف کے تعلقاتِ برادرانہ کی بعض مثالیں بعد میں درج کی جائیں گی۔ ان مثالوں سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے اکابر میں اس عہد میں کتنے مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات تھے۔ البتہ ایک اور مثال یہاں بیان کی جانی ضروری معلوم ہوتی ہے جس سے ایک دوسرے ہاشمی بزرگ سے حضرت معاویہؓ کے سلوک و تعلق کے علاوہ ان کے مثالی حلم پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت عمرو بن عاص سہمیؓ بنو ہاشم پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں اور اکثر ان کو بھلا برا کہتے ہیں۔ ان کو غصہ ور ہونے کے سبب ابو الہیاج کہا جاتا تھا۔ ہاشمی بزرگ کو اتنا غصہ آیا کہ محض حضرت عمروؓ کو برا بھلا کہنے کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس پہونچے۔ وہ کئی بار حضرت معاویہؓ کی مجلس میں آئے مگر حضرت عمروؓ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دن جب وہ پہونچے تو حضرت عمروؓ بھی وہاں موجود تھے۔ اسی

دوران دربان نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے آنے کی اطلاع دی۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو بلانے کو کہا اور حضرت عمروؓ نے حسبِ عادت ان پر نکتہ چینی کر ڈالی۔ عبداللہ بن ابی سفیان نے اپنے جواب میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی تعریف کی اور حضرت عمرو بن عاصؓ پر سخت شب و شتم کیا۔ حضرت عمروؓ نے ان کو جواب دینا چاہا مگر حضرت معاویہؓ نے ان کو قسم دے کر روک دیا۔ حضرت عمروؓ نے کہا: ''امیر المومنین! میں تو صرف بدلہ لینا چاہتا ہوں کیونکہ انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔'' حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ''اس مجلس میں بدلہ کا خیال چھوڑ دو اور صبر کرو'' (۲۲۵)۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عباسؓ نے حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کی سن گن پاکر ہی حضرت معاویہؓ سے تعلقات استوار کر لئے تھے۔ طبری نے ان کے بارے میں ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ ۴۱ھ /۶۶۱ء کے وسط میں جب بصرہ پر قبضہ کر لیا تو حضرت معاویہؓ نے بنو القین کے ایک شخص کو امیر لشکر بنا کر بھیجنا چاہا مگر حضرت عبید اللہ ہاشمیؓ نے اس کی تقرری کی مخالفت کی اور کسی اور کو بھیجنے کی رائے دی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے ان کی رائے قبول کر لی اور حضرت بسر بن ابی ارطاةؓ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا (۲۲۶)۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: اول یہ کہ حضرت معاویہؓ اموی اور حضرت عبید اللہ عباسیؓ کے درمیان باہمی اعتماد و اعتبار کی فضا قائم ہو چکی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے مخلص تھے۔ دوم یہ کہ حضرت معاویہؓ امویوں کے علاوہ دوسروں سے بھی مشورہ کرتے اور ان کو قبول کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد بنو ہاشم کے تمام خاندانوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کی خلافت سے مفاہمت کر لی تھی اور اس کو اپنی اور صحیح اسلامی حکومت سمجھتے تھے، اسی لئے ان کے نہ صرف خلیفہ اموی اور اکابرِ بنی امیہ کے ساتھ برادرانہ روابط تھے بلکہ وہ ان کی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے تھے جیسا کہ اوپر کی بعض مثالوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مزید کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔ حضرت قثم بن عباس ہاشمیؓ نے حضرت سعید بن عثمان اموی کی ولایت کے زمانے میں خراسان کے جہاد میں حصہ لیا۔ گورنر نے فرطِ محبت میں اپنے ہاشمی عزیز کو ایک ہزار حصے دینے چاہے تو حضرت قثم نے پہلے خمس نکلوایا، باقی مجاہدین کو ان کے حقوق دلوائے اور پھر گورنرِ اموی کے عطیات قبول کئے (۲۲۷)۔ انھوں نے حضرت سعید بن عثمان اموی کے ساتھ ہی جہاد کرتے ہوئے سمرقند میں وفات پائی جیسا کہ ابنِ سعد اور شیعی مورخ یعقوبی نے بیان کیا

ہے(۲۲۸)۔

زبیری نے تین اور ہاشمیوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے خلافتِ معاویہؓ کے زمانہ میں مختلف علاقوں میں جہاد میں حصہ لیا اور شہادت پائی۔ چنانچہ حضرت قاسم بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمیؒ نے فارس میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حارث بن عباس یعنی اول الذکر کے دو اور بھائیوں نے بالترتیب بجستان اور ابو فدیک کے معرکہ میں جامِ شہادت نوش کیا تھا(۲۲۹)۔ اس طرح ان تینوں ہاشمیوں نے اموی خلافت کی توسیع واستحکام میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔

اسی ضمن میں طبری کی ایک روایت بہت اہم ہے کہ حضرت مروان بن حکم امویؒ نے حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمیؒ کو حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۲ھ / ۶۶۲ء میں اپنی ولایت کے دوران مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ابن اثیر نے واقدی کے حوالہ وسند پر حضرت مروانؒ کی معزولی کے وقت ۴۹ھ / ۶۶۹ء میں ان کے قاضی مدینہ ہونے کا ذکر کیا ہے(۲۳۰) لیکن اس کے ساتھ ایسی بات بھی کہی ہے جو مورخانہ تعصب کی دلیل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مروانؒ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے دوران کئی بار والی مدینہ بنے۔ جب وہ والی بنتے تو وہ سبِ وشتمِ علیؓ میں مبالغہ کرتے اور جب ان کو معزول کر کے حضرت سعید بن عاص امویؒ کو گورنر بنایا جاتا تو وہ اس سے احتراز کرتے۔ چنانچہ ایک بار محمد بن علی الباقر سے حضرات مروان وسعیدؒ کے بارے میں جب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "مروانؒ ہمارے لئے خلوت میں بہتر تھے اور سعیدؒ جلوت میں"(۲۳۱)۔ اس کے معاًبعد انھوں نے جو روایت نقل کی ہے وہ حضرت مروانؒ کے سب وشتم کرنے کی قطعی نفی کرتی اور ان کو اس فعلِ شنیع کے ارتکاب سے بری کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں حضرت مروانؒ کی حدیثیں قبول کی گئی ہیں اور حضراتِ حسن وحسینؓ ان کی امامت میں نماز پڑھا کرتے تھے اور ان کو کبھی دہراتے نہیں تھے(۲۳۲)۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی اکابرِ محدثین کے نزدیک ثقہ اور عالم تھے اور اگر وہ اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کرتے ہوتے تو حضرات محدثین بالخصوص امام مالک اور امام بخاری ان کی احادیث کبھی قبول نہ کرتے(۲۲۳)۔

حضرت معاویہؓ پر ناقدوں نے حضرت حجر بن عدیؓ کے قتل ناحق کا الزام عائد کرتے ہوئے نکتہ چینی کی ہے اور اس کا واحد سبب یہ قرار دیا ہے کہ حضرت حجرؓ کو محض اس لئے قتل کرا دیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے سب وشتم کی مخالفت کرتے اور حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہتے تھے(۲۳۴) حالانکہ محض

اتنی بات نہ تھی۔ان کے خلاف بغاوت و سرکشی اور فتنہ انگیزی کی شہادت اشرافِ کوفہ نے دی تھی۔اس لئے حضرت معاویہؓ کو سخت قدم اٹھانا پڑا(۲۳۵)۔اس سلسلہ میں ابن عساکر نے ایک دلچسپ روایت یہ بیان کی ہے کہ سعید بن نمران ہمدانی ناعطی، جو دواہم ترین معرکوں یرموک اور قادسیہ کے مجاہد وامیرِ لشکر رہے تھے اور اس سے زیادہ اہم یہ کہ وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے کاتب بھی رہے تھے، حضرت حجر بن عدیؓ کے ساتھ پکڑے آئے تھے۔ان کی سفارش حمزہ بن مالک ہمدانی نے کی چنانچہ ان پر جرم ثابت ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ نے ان کو معاف کر دیا(۲۳۶)۔

آخر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول کا واقعہ محمد بن حبیب بغدادی کی روایت پر بیان کیا جاتا ہے۔ان کے عاملِ بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریزؓ نے ان کو لکھا کہ بصرہ میں بنو ناجیہ کا ایک شخص رسولِ اکرم ﷺ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔حضرت معاویہؓ نے ان کو لکھا کہ شخصِ مذکور کو بھیج دیں۔چنانچہ جب وہ حضرت معاویہؓ کے پاس آئے تو خلیفہ المسلمین نے اپنے تخت سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا تعلق بنو سامہ بن لوی سے تھا اور لوگوں نے غلطی سے بنو ناجیہ کی طرف ان کا انتساب کر دیا تھا۔بہر حال حضرت معاویہؓ نے ان کو مرغاب کا علاقہ اقطاع میں دیا جو بصرہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر نہر معقل کا ایک حصہ بلکہ اس کی ذیلی نہر تھی۔محمد بن حبیب بغدادی کے مطابق ان بزرگوار کا نام کابس بن ربیعہ تھا(۲۳۷)۔یہ دلچسپ روایت رسولِ ہاشمی ﷺ سے ان کے تعلقِ خاطر کی دلیل بھی ہے اور ان کے کردار کی عظمت کا ثبوت بھی۔

خلافتِ علیؓ میں تعلقاتِ بنی ہاشم و بنی امیہ کے ضمن میں حضرت امامہ بنت ابی العاص امویؓ کی حضرت مغیرہ بن نوفل ہاشمیؓ سے شادی کا ذکر آچکا ہے۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کا واقعہ ہے۔حضرت علیؓ کے خدشہ کے مطابق حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنرِ مدینہ منورہ حضرت مروانؓ کے ذریعہ حضرت امامہؓ کو پیغام بھیجا تو حضرت امامہؓ نے اپنے مرحوم شوہر کی وصیت کے مطابق حضرت مغیرہ ہاشمیؓ سے مشورہ کیا۔ابنِ سعد کے مطابق مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کو خاندانِ بنی ہاشم کا دشمن اور قاتل وغیرہ کہا، حضرت امامہؓ کو سرزنش کی اور پھر ان سے خود شادی کر لی۔ایک اور روایت بھی اسی طرح ہے(۲۳۸)۔ان تمام روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راویانِ کرام حضرت امامہؓ کے ہاشمی ہونے کا تاثر دینا چاہتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ عبد شمسی یا اموی تھیں۔صاف ظاہر ہے کہ ان روایتوں میں حضرت معاویہؓ کے خلاف پروپیگنڈے کا عنصر الحاقی طور سے داخل کیا گیا

ہے۔ بہر حال جو بھی صورت رہی ہو یہ حقیقت بہر حال ہے کہ ایک فردِ بنی عبد شمس کی شادی ایک ہاشمی سے ہوئی تھی (۲۳۹)۔

بلاذری کی ایک روایت سے ایسی ہی ایک اور شادی کا پتہ چلتا ہے جو غالباً خلافتِ معاویہؓ ہی میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ روایت کے مطابق زیاد بن ابی سفیان اموی کی ایک صاحبزادی جویریہ کی شادی عبد الرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب سے کسی وقت ہوئی تھی (۲۴۰)۔ یہاں یہ حقیقت واضح کرنی ضروری ہے کہ موخر الذکر کے تین حقیقی بھائی، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، غالباً زیاد بن ابی سفیان کی ولایت کے زمانہ میں ان ہی کے زیر کمان مشرقی علاقے میں جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور کچھ بعید نہیں کہ موصوف بھی ان کے ساتھ جہاد میں شریک رہے ہوں اور غازی کا شرف و افتخار حاصل کیا ہو۔ اس سے زیاد بن ابی سفیان اموی کے بنو حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے ساتھ خصوصی روابط کا علم بھی ہوتا ہے۔ ابنِ حزم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۳ھ / ۶۷۳ء میں یزید بن معاویہ اموی نے حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ کی ایک دختر ام محمد سے نکاح کیا تھا (۲۴۱)

اوپر بنو ہاشم کے مختلف خاندانوں اور ان کے اکابر سے حضرت معاویہؓ اور ان کے اموی اکابر کے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان تعلقات کی خصوصی اہمیت یہ ہے کہ وہ حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی سیاسی آویزش کے فوراً بعد کے زمانے میں قائم ہوئے تھے۔ ان سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ بنو ہاشم و بنو امیہ عبد مناف کے دو عزیز ترین خانوادے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنائیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے سے محبت و مودت کے تعلقات رکھتے تھے۔ فتنہ کبریٰ کے زمانہ میں جو اختلاف ہو گیا تھا وہ سیاسی اور عارضی تھا اور اس نے ان دونوں خاندانوں کے درمیان کسی عداوت و دشمنی کو جنم نہیں دیا تھا۔ اسی لئے بقول جمحی، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ابو لہب ہاشمی کے پڑپوتے فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب نے عبد شمس کو اپنا باپ کہہ کر فخر کا اظہار کیا تھا کیونکہ وہ باپ کی طرف سے ہاشمی تھے تو ماں کی طرف سے اموی اور وہ دونوں عظیم تر خاندانِ بنو عبد مناف کے اٹوٹ حصے تھے، ان میں کسی قسم کی قبائلی یا خاندانی عداوت نہ تھی بلکہ ان کے تعلقات برادرانہ محبت اور اسلامی اخوت کے اہم ترین عناصر پر استوار و قائم تھے۔

خلافتِ یزید بن معاویہ (۶۰ھ / ۶۸۰ء - ۶۴ھ / ۶۸۳ء)

عام طور سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت حسین بن علی ہاشمیؓ اموی خلیفہ یزید بن معاویہ سے نفرت کرتے تھے اور اس کی بنیاد اموی خاندان سے ان کی دیرینہ عداوت اور اموی خلیفہ کی بدکرداری پر تھی۔ اسی بنا پر انھوں نے وفاتِ حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور میدانِ کربلاء میں لڑ کر جان دے دی تھی مگر اموی خاندان کے "فاسق و فاجر" حکمراں کے سامنے سر تسلیم نہیں خم کیا تھا (۲۴۲)۔ اگرچہ یہ موضوع براہِ راست ہمارے موجودہ مباحثہ سے خارج ہے تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بیعتِ یزید سے انکار موخر الذکر کی بدکرداری اور فسق و فجور یا بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوت کی بنا پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنی افضلیت کے سبب کیا تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے کو افضل سمجھنے میں حق بجانب تھے مگر جب غالب مسلم اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تو ان کے لئے خلافت کا کوئی موقعہ نہیں رہ گیا (۲۴۳)۔ جہاں تک حضرت حسینؓ اور یزید بن معاویہ کے درمیان تعلقات کا سوال ہے تو اس ضمن میں کئی دلچسپ روایات ملتی ہیں جو ان کے باہمی روابط اور ایک دوسرے کے بارے میں خیالات کو ظاہر کرتی ہیں۔

ابنِ اثیر کی روایت ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے والدِ محترم کی حیات میں حج کیا اور جب وہ مدینہ منورہ آئے تو قیام گاہ "پر مجلسِ شراب" برپا کی۔ اسی وقت حضرات ابن عباسؓ اور حسین بن علیؓ نے اذنِ ملاقات چاہا۔ یزید کو بتایا گیا کہ اگر ابنِ عباسؓ کو شراب کی بو مل گئی تو وہ پہچان جائیں گے چنانچہ اسے چھپا دیا گیا اور دونوں کو آنے کی اجازت دی گئی۔ جب وہ تشریف لائے تو ان کو شراب کی بو اور خوشبو ملی جلی سونگھائی دی۔ ان کے دریافت کرنے پر یزید نے بتایا کہ ایسی خوشبو شام میں بنائی جاتی ہے اور پھر ایک پیالہ منگوا کر نوش جان کیا اور دوسرا بھی چڑھایا اور حضرت حسینؓ سے بھی پینے کے لئے کہا۔ حضرت حسینؓ نے معذرت چاہی تو یزید نے چند اشعار پڑھے جن میں ان کے انکار اور شراب کی فضیلت کا حوالہ تھا۔ حضرت حسینؓ یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ ابن معاویہؓ کا دل مبتلا ہو گیا ہے (۲۴۴)۔ اس پوری روایت میں یزید کے شرابِ ناب پینے کا اشارہ دیا گیا ہے مگر بڑی ہوشیاری سے۔ راوی نے کہیں بھی لفظ "خمر" کا استعمال نہیں کیا ہے جو عربی میں شرابِ ناب کے لئے آتا ہے بلکہ شراب کا لفظ استعمال کیا ہے جو کسی جائز

مشروب ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس روایت سے دونوں کی ملاقات ثابت ہوتی ہے جس کے لئے اقدام حضرت حسینؓ کی جانب سے ہوا تھا کہ وہ یزید سے ملنے کے لئے ان کی قیام گاہ پر گئے تھے اور یقیناً اس وقت تک ان کے فسق و فجور سے واقف نہ تھے۔ یہاں ایک اہم روایت یہ بھی بیان کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ خلافتِ معاویہؓ کے زمانے میں یزید بن معاویہ نے تین سال متواتر ۵۳-۵۱ھ / ۷۲-۶۷۱ء میں امیر حج کے فرائض انجام دئے تھے اور ان کی امامت میں بنو ہاشم اور تمام دوسرے قبائل کے علاوہ صحابہ و تابعین نے حج کا فریضہ انجام دیا تھا اور کسی نے ان کے کردار و سیرت پر حرف گیری نہیں کی تھی (۲۴۵)۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے فرزندِ اکبر یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لی تھی اور تمام ولایات و مراکزِ اسلامی کے اکابر نے بخوشی بیعت کر لی تھی۔ مکہ و مدینہ کے بزرگوں سے بیعت لینے کے لئے حضرت معاویہؓ خود وہاں تشریف لے گئے اور سوائے پانچ بزرگوں کے تمام لوگوں نے بیعت کر لی۔ طبری کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے: عبد اللہ بن عمر عدوی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر تیمی، عبد اللہ بن عباس ہاشمی، عبد اللہ بن زبیر اسدی اور حسین بن علی ہاشمی رضی اللہ عنہم۔ جب حضرت معاویہؓ تشریف لائے تو انھوں نے حضرت حسین بن علیؓ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ: "بھتیجے! قریش کے پانچ افراد کے سوا سب نے بیعت کی توثیق کر دی ہے اور تم ان لوگوں کی قیادت کر رہے ہو۔ بھتیجے آخر تم کو اختلاف سے کیا ملے گا؟" حضرت حسینؓ نے ان کی قیادت سے انکار کیا اور کہا کہ "اگر وہ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا، ورنہ آپ جلدی نہ کریں۔" حضرت معاویہؓ نے ان سے اقرار لے کر معاہدہ کو پوشیدہ رکھنے کو کہا اور جانے دیا۔ حضرت حسینؓ اسی رات مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ کی کوششوں سے تین حضرات نے بیعت کر لی، صرف حسین بن علیؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے انکار کیا اور نہ اقرار (۲۴۶)۔ بہر حال حضرت معاویہؓ کی زندگی ہی میں یزید کی بیعت کا انعقاد ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر آ چکا ہے۔ اس سلسلہ میں جتنی روایات ان کے ظلم و ستم اور تلوار کے استعمال کے متعلق بتائی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور متعصب مورخین اور جانبدار راویوں کی بیان کردہ ہیں (۲۴۷)۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اپنی وفات کے قریب آئندہ کے بعض واقعات پیش آنے کا اندازہ تھا اور یہ کوئی ایسی انہونی بات بھی نہ تھی۔ ایک تجربہ کار و جہاندیدہ

بزرگ اپنی فراستِ ایمانی اور دور اندیشی سے مستقبل کے واقعات کی پیشگوئی بھی کر سکتا تھا اور وہ صحیح بھی ہو سکتی تھی۔ بنو ہاشم کے خاندانِ علوی کے بارے میں ان کو اندازہ تھا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں امر واقعہ ثابت ہو چکا تھا، کہ اہلِ عراق ان کو خلافت کے مسئلہ پر تمنائیں دلائیں گے۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر حضرت معاویہؓ نے اپنے جانشین کو وصیت کی تھی کہ "اگر عراقی حضرت حسینؓ کو خروج پر مجبور کریں اور تم کو ان پر فتح حاصل ہو تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور ان سے درگذر کرنا کیونکہ ان کا حق عظیم ہے اور تم پر ان سے صلہ رحمی کرنا واجب ہے۔" یہ وصیت طبری نے نقل کی ہے (۲۴۸) اور اس میں حضرت معاویہؓ کی اپنے خاندانِ بنی عبد مناف کے لئے محبت و مودت اور اپنے ہاشمی بھتیجے کے لئے شفقت و رحمت کے جذبات جھلکتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ نے علی اکبر بن حسینؓ کی تعریف میں کہا تھا کہ "ان میں بنو ہاشم کی شجاعت، بنو امیہ کی سخاوت اور بنو ثقیف کی وجاہت ملتی ہے" (۲۴۹)۔

یزید بن معاویہؓ نے اپنی خلافت کے انعقاد کے بعد اپنے مرحوم باپ کی وصیت کا پورا خیال رکھا۔ چنانچہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنے گورنرِ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو لکھا کہ وہ حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لیں۔ یہ حکم رات کے وقت پہونچا لہذا اسی وقت گورنر نے ان دونوں حضرات سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔ دونوں حضرات نے صبح کے وقت لوگوں کے جمع ہونے پر بیعت کرنے کا اشارہ دیا۔ روایت کے مطابق حضرت مروان بن حکمؓ نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یہ دونوں حضرات مجلس سے بغیر بیعت کئے اٹھ گئے تو ان کی گرد بھی نہ ملے گی۔ اس پر حضرت مروانؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں تلخ کلامی ہونے لگی جس میں گورنر نے مداخلت کر کے صلح کرادی اور وہ دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ حضرت مروانؓ نے گورنر کو ملامت کی اور نرمی اختیار کرنے کا طعنہ دیا اس پر حضرت ولید بن عتبہ نے فرمایا: "میں نہ تو ان دونوں کا خون بہا سکتا تھا اور نہ ان سے قطع رحمی کر سکتا تھا" (۲۵۰)۔ بعض روایات میں حضرت مروانؓ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ظلم و جبر کے ذریعہ ان دونوں بزرگوں سے بیعت لینا چاہتے تھے (۲۵۱) حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ حکمتِ عملی اور تدبیر کے لحاظ سے گورنرِ مدینہ کے نرم رویہ کو صحیح نہیں سمجھتے تھے ورنہ ان کو ان دونوں سے کوئی خاندانی عداوت نہ تھی جیسا کہ روایات سے تاثر قائم ہوتا ہے یا مورخین بیان کرتے ہیں۔ بہر حال حضرت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان امویؓ کے حسنِ سلوک، حسنِ کردار اور حسنِ عمل کا تمام مورخین اعتراف کرتے ہیں اور یہی بنو امیہ اور

بنوہاشم کے درمیان اخوت و محبت کا ثبوت ہے۔

طبری نے واقدی کی ایک روایت بیعتِ یزید کے سلسلہ میں یہ بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا واقعہ کے وقت مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے۔ جب حضرت حسین بن علیؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ مکہ مکرمہ کی طرف رواں دواں تھے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرات عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباس ہاشمیؓ سے ہوئی۔ اول الذکر حضرات نے حالات پوچھنے پر بتایا کہ حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی ہے اور یزید بن معاویہ کی بیعت لی جا رہی ہے اس لئے ہم مکہ جا رہے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں سے کہا: "اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت پیدا کرو"۔ حضرت ابن عمرؓ نے مدینہ منورہ پہونچ کر چند دن انتظار کیا اور جب شہروں اور مرکزوں (البلدِان) سے بیعتِ یزید کرنے کی خبر آگئی تو وہ گورنرِ مدینہ کے پاس پہونچے اور یزید کی بیعت کر لی اور حضرت ابن عباس ہاشمیؓ نے بھی ان کی پیروی کی (۲۵۲)۔

بلاذری نے عامر بن مسعود جمحی کے حوالہ سے حضرت ابنِ عباس ہاشمیؓ کی ایک اہم روایت یہ بیان کی ہے کہ "ہم مکہ میں تھے جب سرکاری قاصد نے حضرت معاویہؓ کی وفات کا اعلان کیا۔ ہم حضرت ابنِ عباس ہاشمیؓ کی مجلس میں اس وقت پہونچے جب لوگ دسترخوان پر بیٹھے کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے ان کو وفاتِ معاویہؓ کی خبر دی تو حضرت ابنِ عباس ہاشمیؓ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا: "خدا کی قسم! وہ اپنے پیشرووں کی مانند نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی نہ ہوگا۔ ان کے فرزند یزید ان کے خاندان کے صلحاء میں سے ہیں لہذا تم اپنی مجالس میں موجود رہو اور ان کو اپنی اطاعت دو اور ان سے بیعت کرو۔" پھر انھوں نے کھانا منگوایا۔ اسی دوران مکہ کے گورنر خالد بن عاص اموی کا حکم پہونچا کہ بیعت کے لئے سب دار الامارہ آئیں۔ حضرت ابنِ عباس ہاشمیؓ نے شام کو آنے کا وعدہ کیا لیکن گورنر کے فوری حاضری کے اصرار پر انھوں نے اسی وقت جا کر بیعت کی (۲۵۳)۔ ان دونوں روایتوں سے بیعت و خلافتِ یزید، نئے اموی خلیفہ کے کردار و شخصیت اور اکابرِ صحابہ بشمولِ بنی ہاشم کے طرزِ عمل پر کافی روشنی پڑتی ہے جو کسی تبصرہ و تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

بیعتِ یزید کے سلسلہ میں ایک دوسرے ہاشمی بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے رویہ کے بارے میں طبری اور ابنِ اثیر نے ایک اہم روایت نقل کی ہے کہ کوفہ کے لئے حضرت حسینؓ کی روانگی کے فوراً بعد جب یہ مسئلہ مکہ مکرمہ میں زیرِ بحث آیا تو حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے نئے گورنرِ مکہ مکرمہ

عمرو بن سعید بن عاص اموی سے، جو یزید بن معاویہؒ کے مقرر کردہ تھے، گفتگو کی اور کہا: "آپ حضرت حسینؓ کے لئے ایک خط لکھیں جس میں ان کو امان دیں اور حسنِ سلوک کا وعدہ کریں اور ان سے واپس آنے کی درخواست کریں تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے اور وہ سکونِ قلب کے ساتھ واپس آجائیں۔ گورنر نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ "آپ جو چاہیں سو لکھ دیں میں اس پر دستخط کر کے مہر لگادوں گا۔" چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے خط کا مضمون لکھا اور ان کی ہدایت کے مطابق گورنر نے اس پر دستخط کر کے اور مہر لگا کر اپنے بھائی یحییٰ بن سعید اموی کے ہاتھ بھیجا (۲۵۴)۔ لیکن اس تمام کاوش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور حضرت حسینؓ میدانِ کربلا کی طرف رواں دواں رہے اور اکابرِ بنوہاشم و بنوامیہ کی مصالحت و اتفاق کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور عراق کے شیعانِ حسین کی سازش و غداری نے اتحاد و اتفاق کی تمام مساعی پر پانی پھیر دیا اور پھر میدانِ کربلا میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے تاریخِ اسلام کے صفحات کو سیاہ کر دیا (۲۵۵)۔

خلافتِ یزید بن معاویہؒ کے بارے میں حضرت حسین ہاشمیؓ کے رویہ کے سلسلہ میں ایک اہم روایت وہ ہے جس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے۔ اس کے مطابق میدانِ کربلا میں جب حضرت حسینؓ کا سامنا کوفی فوج سے ہوا اور انھوں نے مقابلہ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں دیکھا تو سالارِ فوج کے سامنے تین متبادل اپنے سلسلہ میں رکھے: "اول مجھے وہاں لوٹ جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں یعنی مکہ مکرمہ، دوم مجھے اسلامی ریاست کے کسی گمنام گوشہ میں جانے دو اور سوم مجھے براہِ راست دمشق یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو" (۲۵۶)۔ حضرت حسین کے ان تینوں متبادلوں میں آخری تجویز اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ وہ خلیفہ اموی کے پاس جانے کو محفوظ اور اپنے اعلیٰ مقام و مرتبہ کے لائق سمجھتے تھے کہ دونوں میں صلہ رحمی اور قرابت کا تعلق تھا۔ اس تعلق کا احساس عراقیوں اور کوفی فوج کے سالاروں کو بھی تھا (۲۵۷) چنانچہ ایک اہم روایت کے مطابق جب میدانِ جنگ میں معرکہ کارزار خوب گرم تھا ایک عراقی سالار نے حضرت حسینؓ کے فرزند علی اکبر کو خلیفہ اموی کے رشتہ دار اور بھانجے ہونے کے سبب امان دلانے کی پیشکش کی تھی جسے فرزندِ سعید نے باپ کی محبت میں قبول نہیں کیا تھا (۲۵۸)۔ اور اسی محبت و تعلق کا اثر تھا کہ طبری اور ابنِ اثیر کے بقول جب خلیفہ یزید کو حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی آنکھیں بھر آئیں اور کہا: "میں حضرت حسینؓ کو قتل کئے بغیر بھی عراقیوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ اللہ ابنِ سمیہ پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم! میں اگر وہاں ہوتا تو ان کو ضرور معاف کر دیتا۔" انھوں نے

حضرت حسینؓ پر رحمتِ الٰہی کی بارش کی دعا بھی کی تھی اور رنج و اندوہ میں مجلس سے اٹھ گئے تھے (۲۵۹)۔

مشہور روایات کے مطابق جب حسین شہیدؓ کا سر اقدس دمشق لایا گیا تو خلیفہ اموی نے پھر اپنے رنج و اندوہ کا اظہار کیا اور اہلِ بیت کے گرفتارانِ بلا کے ساتھ پورے اعزاز و اکرام کا سلوک کیا۔ ان کی خاطر و تواضع میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور پھر ان کو بحفاظت و اکرام مدینہ منورہ ان کی خواہش کے مطابق بھیج دیا (۲۶۰)۔ دوسرے اموی بزرگوں میں حضرت مروان بن حکمؓ کے بھائی یحیٰی بن حکم نے اپنے رنج و اندوہ کا اظہار کیا اور عراقیوں کے فعلِ شنیع سے اعلانِ براءت بھی کیا تھا جیسا کہ ابنِ اثیر نے لکھا ہے (۲۶۱)۔ ابنِ سعد کے مطابق جب حسینِ شہیدؓ کا سر اقدس مدینہ منورہ بھیجا گیا تو اس وقت کے اموی گورنر حضرت عمرو بن سعید امویؓ نے اسے پورے اعزاز و احترام کے ساتھ کفن دیا اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت رسولِ اکرم ﷺ کی قبر کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا (۲۶۲)۔

حضرت حسین ہاشمیؓ کے خلیفہ اموی یزید بن معاویہ سے اختلاف کو عام طور سے بنو ہاشم و بنو امیہ کی دیرینہ قبائلی عداوت کے پس منظر میں پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔ وہ سیاسی اختلاف تھا جو سراسر حضرت حسینؓ کا ذاتی اور نجی معاملہ تھا اور ان کے بعض فرزندوں اور اہلِ خاندان کے سوا تمام دوسرے اکابرِ بنی ہاشم اس سے متفق نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات عبد اللہ بن جعفرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، محمد بن الحنفیہ اور ان کے برادرانِ گرامی سمیت بنو ہاشم کے تمام خورد و کلاں نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی اور ان کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے (۲۶۳)۔ واقعہ یہی ہے کہ حادثہ کربلاء کے پیچھے اموی اور ہاشمی عداوت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا، اور اگر کوئی محرک تھا تو وہ استحقاقِ خلافت کا شاخسانہ تھا۔

حضرت معاویہؓ کی خلافت کے دوران اکابرِ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے باہمی برادرانہ تعلقات کا جو جائزہ پیش کیا گیا تھا اس میں حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے خصوصی روابط کا ذکر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ صحابی موصوف کے پرانے روابط عہد یزید میں بھی اکابرِ بنی امیہ کے ساتھ اسی طرح استوار و قائم رہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی ان میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ وہ اور دوسرے اکابرِ بنی ہاشم اس کی حقیقت خوب سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ ایک سیاسی حادثہ تھا جو بعض ناگزیر وجوہ سے پیش آیا تھا اور اس کے لئے نہ تو بنو ہاشم و بنو امیہ کی مبینہ عداوت و رقابت ذمہ دار تھی اور نہ خلیفہ اموی کی بدکرداری اور بداخلاقی کا افسانہ۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے خلیفہ یزید سے خصوصی تعلقات کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ان میں سے ایک اہم روایت وہ ہے جو بلاذری اور بغدادی وغیرہ نے بیان کی ہے۔اس کے مطابق حضرت عبداللہ بن جعفرؓ جب پہلی بار خلیفہ اموی یزید بن معاویہؓ کے پاس پہونچے تو خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ "امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ان کو ہر بار کتنا وظیفہ ملتا تھا؟" فرمایا: "دس لاکھ درہم (الف الف درہم)۔" خلیفہ نے ان کا وظیفہ دوگنا کر دیا۔اس پر حضرت عبداللہ ہاشمیؓ نے فرمایا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں (فداك ابی و امی)"۔یزید نے ان کے اس قول پر حیرت سے پوچھا کہ "یہ آپ میرے لئے فرمار ہے ہیں!" صحابی جلیل نے کہا: "ہاں اور یہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سوا پہلے کسی کے لئے نہیں کہا اور تمہارے بعد کسی کے لئے نہیں کہوں گا"۔چنانچہ خلیفہ یزید نے خوش ہو کر ان کا وظیفہ چوگنا کر دیا (اربعة آلاف الف درهم)۔بعد میں خلیفہ اموی سے کسی نے شکایتاً کہا کہ "آپ نے اتنی بڑی رقم حضرت عبداللہؓ کو عطا فرمادی"۔اس کا جواب انھوں نے جو دیا وہ ان کی دوراندیشی اور خیر خواہی کی دلیل ہے۔فرمایا: "تمہارا ستیاناس ہو! میں نے تو لوگوں کو دیا ہے۔عبداللہ تو اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں رکھتے۔سب لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔میں نے تو ان کے ذریعہ مدینہ والوں کو عطا کیا ہے" (۲۶۴)۔

اس ضمن میں بلاذری کی ایک اور روایت بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ مدائنی کے بقول ایک بار عبدالرحمٰن بن زیاد اموی خراسان سے آئے تو خلیفہ یزید نے ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو پانچ لاکھ درہم (خمسمائة الف درهم) کا عطیہ دیں۔مگر انھوں نے اس سے دوچند ان کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ "پانچ لاکھ خلیفہ یزید کی جانب سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے" (۲۶۵)۔

ابنِ عساکر نے عمارہ نامی ایک مغنیہ کی خرید کے سلسلہ میں روایت یہ بیان کی ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی مملوکہ تھی۔خلیفہ یزید نے اس کا گانا سنا تو اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی ٹھانی مگر ان کے ساتھ دوستانہ روابط تھے اس لئے وہ ظلم وجبر سے اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے اس لئے حیلہ سے کام لینا چاہا مگر اس کے حصول سے قبل ہی یزید کا انتقال ہو گیا اور اس عراقی تاجر نے جس کے ذریعہ اس کی خرید و فروخت کا معاملہ طے ہوا تھا اس کو پھر واپس حضرت عبداللہؓ کے پاس پہونچا دیا (۲۶۶)۔یہ روایت بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس میں کئی جھول ہیں تاہم اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو دونوں کے

برادرانہ تعلقات کے علاوہ خلیفہ اموی کی شرافتِ نفس اور اپنے ہاشمی عزیز کے لئے ان کے پاسِ خاطر کا بھی علم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خلیفہ یزید بن معاویہ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی اور حرمین شریفین بالخصوص مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اموی خلیفہ کو بجا طور پر اس اہم معاملہ پر تشویش تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے فرزند معاویہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمیؓ سے مشورہ کیا۔ دونوں مشیروں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کافی پختہ ارادہ کے آدمی ہیں اور وہ کسی طور پر بیعت نہیں کریں گے لہذا شر و فتنہ کو دفع کرنے کے لئے حکمتِ عملی سے کام لیا جائے مگر خلیفہ یزید نے قسم کھالی کہ وہ ان کی سرکشی کو توڑ کر رہیں گے لہذا ان کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا (۲۶۷)۔ بلاذری اور ابن عساکر کے اس بیان پر ابنِ سعد کی روایت میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ جب یزید بن معاویہ نے مدینہ منورہ کی طرف افواج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تو حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمیؓ نے اہلِ مدینہ کی سفارش کی اور ان کے بارے میں نرم رویہ اپنانے کا مشورہ دیا۔ خلیفہ نے بتایا کہ "لشکر کو اس ہدایت کے ساتھ بھیج رہا ہوں کہ وہ مدینہ منورہ کے راستے سے جائیں اور صرف ابنِ زبیر کے خلاف کارروائی کریں کیونکہ انھوں نے جنگ برپا کر دی ہے۔ وہ راستے میں مدینہ سے گذریں گے اگر اہلِ مدینہ نے اطاعت کر لی تو وہ ان کو چھوڑ کر ابنِ زبیر کے خلاف پیش قدمی کریں گے لیکن اگر انھوں نے انکار کر دیا تو وہ ان سے جنگ کریں گے۔" حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو اس سے بہت فرحت ہوئی کہ یہی صحیح طریقہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے قریش کے تین بزرگوں کو اطاعتِ خلیفہ کے لئے خط لکھا مگر انھوں نے انکار کر دیا (۲۶۸)۔ اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جس کو حادثہ حرہ کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثہ کے بارے میں متعصب و غیر محتاط راویوں نے بہت سی مبالغہ آمیز اور غلط روایات بیان کی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں (۲۶۹)۔ بہر حال اوپر بیان کردہ روایتوں سے خلیفہ اموی اور حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمیؓ کے باہمی برادرانہ تعلقات کا وافر ثبوت ملتا ہے۔

خلافتِ یزید اور خلیفہ اموی کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ایک اور فرزند حضرت محمد بن الحنفیہ کے خیال و طرزِ عمل کے بارے میں اوپر ایک حوالہ گذر چکا ہے۔ اس ضمن میں حافظ ابنِ کثیر نے ایک بہت اہم روایت بیان کی ہے جو ایک طرف ان کے تعلقات کی وضاحت کرتی ہے اور دوسری طرف تاریخِ اسلام کے ایک نزاعی معاملہ پر روشنی ڈالتی ہے۔ حافظ موصوف لکھتے

ہیں کہ جب خلیفہ یزید بن معاویہ کے خراب کردار بالخصوص شراب نوشی کے بارے میں افواہیں عام ہوئیں تو اہلِ مدینہ نے اکابرِ شہر کا ایک وفد صورتِ حال کی تحقیق کے لئے دمشق بھیجنے کا فیصلہ کیا۔اس وفد میں دوسرے اکابر کے ساتھ حضرت محمد بن الحنفیہ علوی بھی موجود تھے۔مدنی اکابر نے دمشق میں خلیفہ اموی کے محل میں کافی طویل عرصے تک قیام کیا جہاں ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ان کی عزت و تکریم کی گئی اور ان کی خاطر و تواضع میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ حضرت محمد بن الحنفیہ نے مدینہ آکر جو بیان دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کا کردار نکتہ چینی سے ماورا ہے۔ وہ نماز وصلوٰۃ کے پابند اور سنتِ رسول ﷺ کے متبع ہیں اور احکامِ الٰہی کے بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے ہیں (۲۷۰)۔امام ابنِ تیمیہ نے بھی ان تمام روایات کو جو خلیفہ اموی کی شراب نوشی وغیرہ کے بارے میں مآخذ میں پائی جاتی ہیں سراسر غلط اور افواہ (کلها واهية) قرار دیا ہے (۲۷۱)۔

حضرت حسین ہاشمیؓ کے فرزندِ ارجمند حضرت علی بن حسینؓ، جو امام زین العابدین کے لقب سے معروف ہیں، حادثہ کربلاء میں اپنے والدِ گرامی کے ساتھ موجود تھے مگر وہ اپنی بیماری کے سبب معرکہ کارزار میں حصہ نہیں لے سکے تھے۔اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔زبیری کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد سالارِ لشکرِ کوفہ عمر بن سعد نے اپنی سپاہ کو ان سے تعرض نہ کرنے کی ہدایت دی تھی چنانچہ ان کو بحفاظتِ تمام دمشق بھیجا گیا (۲۷۲)۔ان کے ساتھ خواتینِ اہلِ بیت بھی تھیں جن کے ساتھ اعزاز و اکرام کے معاملہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔روایات کا بیان و اتفاق ہے کہ خلیفہ یزید نے ان کے شایانِ شان حسنِ سلوک کیا، اپنے ساتھ ان کو دستر خوان پر ہمیشہ شریک رکھا اور دوسرے انعامات سے برابر نوازا۔ پھر ایک دن ان سے کہا: "اگر تم چاہو تو ہمارے پاس رہو، تمہارے ساتھ صلہ رحمی کریں گے اور اگر چاہو تو ہم تم کو تمہارے شہر بھیج دیں"۔ حضرت علی زین العابدین نے مدینہ منورہ واپس جانے کی خواہش ظاہر کی تو خلیفہ اموی نے ان کو پورے اعزاز و احترام اور صلہ رحمی کے انعامات کے ساتھ واپس بھیج دیا (۲۷۳)۔

انھیں قدیم تعلقات کی پاسداری تھی اور لحاظ بھی کہ جب خلیفہ یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ مری کے زیرِ کمان ایک لشکر حرمین شریفین کے لوگوں سے بیعت لینے اور اطاعتِ خلیفہ پر مجبور کرنے کے لئے بھیجا تو سالارِ لشکر کو وصیت و نصیحت کی کہ "وہ حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ کا لحاظ کریں، ان کی خیر خواہی کریں اور ان کی مجلس میں حاضری دیں۔ میرے پاس ان کا خط آچکا ہے کہ وہ

لوگوں کی سرکشی سے بری ہیں" (۲۷۴)۔ دراصل آخری جملہ میں اس واقعہ کی طرف تلمیح ہے جس میں اہلِ مدینہ نے بنوامیہ کے ساتھ زیادتی کی تھی اور ان کو سخت تکالیف دے کر مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا (۲۷۵)۔ طبری نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس اخراج و ابتلائے بنی امیہ کے زمانے میں حضرت علی بن حسین ہاشمیؒ نے متعدد اکابرِ بنی امیہ بالخصوص حضرت مروان بن حکمؒ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تھا اور ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی تھی۔ جوں ہی اہلِ مدینہ کی شورش شروع ہوئی اور اس کا رخ اموی حکومت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بے گناہ بنی امیہ کے خلاف ہوا حضرت مروانؒ نے حضرت علی بن حسینؒ سے اپنے اہلِ و عیال اور سامان و اسباب کو پناہ دینے کی درخواست کی جو انھوں نے منظور کی اور اپنے حرم کی طرح ان کے حرم کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ حضرت مروانؒ کی اہلیہ عائشہ بنت عثمان اموی اور مال و اسباب کو اپنی پناہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ لے جا کر ینبوع میں پہونچا آئے۔ طبری اور ابنِ اثیر دونوں کا بیان ہے کہ ان دونوں کے درمیان قدیم دوستی تھی اور اس کے باوجود حضرت مروان امویؒ حضرت علی بن حسین ہاشمیؒ کے شکر گذار ہوئے (۲۷۶)۔

طبری کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شورش کے شروع ہوتے ہی حضرت علی بن حسینؒ نے مدینہ منورہ اس خطرہ سے چھوڑ دیا تھا کہ مبادا وہ بھی انجانے میں اس میں ملوث کر دئے جائیں۔ جب وہ مدینہ منورہ کے پڑوس میں واقع اپنی جائداد میں تھے تو ان کے پاس سے حضرت مروانؒ کی اہلیہ کا اپنے بیٹے کے ساتھ گذر ہوا جو طائف جا رہی تھیں۔ حضرت علی بن حسینؒ نے ان کو بحفاظتِ تمام اپنی نگرانی میں طائف پہونچایا اور ان کی دیکھ بھال کی یہاں تک کہ اہلِ مدینہ کی شورش ختم ہوئی (۲۷۷)۔ جب واقعہ حرہ پیش آیا تو حضرت مروان بن حکم امویؒ اور ان کے نامور فرزند عبدالملک نے حضرت علی بن حسین ہاشمیؒ کو پناہ دی اور شامی امیر لشکر مسلم بن عقبہ مری سے سفارش کی اور مسلم نے خلیفہ کی وصیت و ہدایت کے مطابق ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھا (۲۷۸)۔

یعقوبی نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ واقعہ حرہ کے بعد حضرت علی بن حسینؒ نے مسلم مری سے کہا "میں کس شرط پر یزید کی تم سے تجدیدِ بیعت کروں"؟ مسلم نے کہا: "اس بنیاد پر کہ آپ بھائی اور ابنِ عم ہیں"۔ حضرت علیؒ نے فرمایا: "اگر تم یہ مطالبہ کرتے کہ میں ایک ذلیل غلام کی حیثیت سے بیعت کروں تو بھی میں کرتا"۔ مسلم بن عقبہ نے اس پر اپنی طرف سے معذرت پیش کی۔ لوگوں نے جب

دیکھ لیا کہ ابنِ رسولِ اکرم ﷺ نے بیعت کر لی ہے تو خود بھی بیعت کر لی (۲۷۹)۔ طبری کی ایک روایت میں مزید بیان یہ ملتا ہے کہ خلیفہ یزید کی وفات کے بعد شامی فوج حصین بن نمیر کی سرکردگی میں مکہ مکرمہ سے ابن زبیرؓ کا محاصرہ چھوڑ کر واپسی میں مدینہ پہونچی تو حضرت علی بن حسینؓ نے نہ صرف سالارِ لشکر کا خیر مقدم کیا بلکہ گھوڑے کے لئے چارہ بھی پیش کیا (۲۸۰)۔

واقعہ حرہ کے موقعہ پر بنو ہاشم کے طرزِ عمل کے بارے میں ایک اہم روایت ابنِ سعد نے ابو جعفر کی سند پر یہ بیان کی ہے کہ خاندانِ ابی طالب اور خاندانِ عبدالمطلب میں کسی نے اس شورش میں حصہ نہیں لیا تھا اور وہ سب کے سب اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے (۲۸۱)۔ حرہ کی جنگ کے بعد جب مسلم بن عقبہ مری کا لشکر عقیق نامی جگہ پہونچا تو اس نے کہا کہ "میں نے علی بن حسینؓ کو نہیں دیکھا۔ کیا وہ موجود ہیں"؟ ان کے فرزند کا بیان ہے کہ "جب میرے والد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ محمد بن الحنفیہ کے دو فرزندوں ابو ہاشم عبد اللہ اور حسن کے ساتھ ان کے پاس پہونچے۔ مسلم نے ان کا استقبال کیا۔ حضرت علی بن حسین کو اپنے تخت پر بٹھایا، خیریت پوچھی اور امیر المومنین کی وصیت کا ذکر کیا۔ حضرت علی بن حسین نے جواب میں امیر المومنین کے لئے دعائے خیر کی اور شاداں فرحاں واپس لوٹ آئے (۲۸۲)۔

بلاذری اور ابنِ اثیر کے مطابق حضرت علی بن حسینؓ کے بیعت کرنے کے بعد علی بن عبد اللہ بن عباس ہاشمی سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے بھی اس کو قبول کر لیا۔ موخر الذکر کے بارے میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ مسلم نے ان کے ساتھ کچھ زیادتی کرنی چاہی تھی مگر اس کا ایک سالار حصین بن نمیر سکونی آڑے آیا کیونکہ حضرت علی عباسی کی ماں شامی سالار کی ہم قبیلہ یعنی کندی تھیں۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حصین بن نمیر نے کہا تھا: "ہمارے بھانجے سے اس طرح جبری بیعت نہیں لی جا سکتی جس طرح علی بن حسین سے لی گئی" (۲۸۳)۔ زیادتی اور جبر کا اضافہ الحاقی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مسلم بن عقبہ مری نے حضرت علی بن حسینؓ سے امیر المومنین کے بھائی کی حیثیت سے بیعت لی تھی۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ کی ہدایت کے بعد ان کے ساتھ کسی زیادتی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ پھر اس روایت میں بھی اوپر گذر چکا ہے کہ بنو ہاشم میں سے کسی نے نہ تو شورش میں حصہ لیا تھا اور نہ خلیفہ وقت کی بیعت توڑی تھی۔ لہذا ایسی تمام روایتیں جو مسلم بن عقبہ مری کی تلخ کلامی، بدتمیزی اور سخت گیری کا اظہار کرتی ہیں غلط ہیں کیونکہ وہ حالات و واقعات کے وسیع تر

کینوس سے میل نہیں کھاتیں اور متعصب راویوں کے اضافے معلوم ہوتی ہیں۔

اس کی تائید ابنِ سعد اور زبیری کی ایک متفقہ روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق بنو ہاشم کے ایک اور نامور فرزند عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نے نقلِ وطن کر کے دمشق میں ایک گھر بنالیا تھا اور اس میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اپنی وفات کے وقت انھوں نے خلیفہ یزید کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور خلیفہ نے اس کو قبول بھی کر لیا تھا(۲۸۴)۔

اوپر کی متعدد مثالوں اور مفصل بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے عہدِ خلافت میں دونوں خاندانوں کے تعلقات واقعہ کربلا کے بعد بھی خوشگوار اور برادرانہ رہے تھے کیونکہ وہ شہادتِ حسین کو خلیفہ کی ذمہ داری نہیں گردانتے تھے۔ دراصل بعد کے متعصب راویوں نے یزید کو بدنام و مطعون کرنے کے لئے ایک پوری سازش کی ہے جس کے سبب عداوت ودشمنی کی روایات مآخذ میں در آئی ہیں اور جن پر مفصل نقد و تبصرہ کرنا ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے۔

جہاں تک بنو امیہ اور بنو ہاشم میں ازدواجی تعلقات قائم ہونے کا معاملہ ہے تو اس عہد میں عباسی خانوادہ کی ایک فرد لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی نے حضرت معاویہ کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان اموی کے فرزند ولید اموی سے شادی کی تھی جو خلیفہ یزید کے حرمین کے گورنر رہے تھے(۲۸۵)۔ پرانے ازدواجی روابط بدستور قائم ودائم رہے اور مذکورہ بالا رشتہ کے علاوہ بعض دوسرے تعلقات بھی استوار ہوئے تھے جن کا ذکر مآخذ میں صراحت کے ساتھ نہیں ملتا ہے۔ اس موضوع پر مزید تحقیق سے نئے ازدواجی روابط کی کھوج لگائی جاسکتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے بنو امیہ اور بنو ہاشم کے ازدواجی تعلقات پر مبنی مضمونِ خاکسار اور بعض دوسری تحقیقات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

خلافتِ مروان بن حکم اموی (۶۵-۶۴ھ / ۸۵-۶۸۴ء)

خلیفہ یزید بن معاویہ کے بعد ان کا عابد وزاہد فرزند جو اپنے دادا کا ہم نام تھا خلیفہ ہوا مگر اس کی مدتِ خلافت بہت مختصر رہی (۲۸۶) اور ہم کو مآخذ سے اس کی خلافت کے دوران بنو امیہ و بنو ہاشم کے تعلقات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ ان دونوں خاندانوں کے عزیزانہ تعلقات اور ان کے اکابر کے باہمی روابط اور بھی شگفتہ اور مستحکم ہوئے ہوں گے کیونکہ باتفاقِ روایت وہ انتہائی بردبار، کریم النفس، حلیم و سخی تھا۔ اس کے اندازِ فکر و نظر کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے جس میں یہ ذکر تھا کہ وہ حضرت ابنِ زبیرؓ کے سلسلہ میں بھی نرم روی اور عفو و درگذر سے کام لینے کے حق میں تھا اور حضرت عبد اللہ بن جعفر ہاشمیؓ سے جس کا اتفاق رائے تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی کنیز کو واپس کر دیا تھا اور اس کی پوری قیمت عراقی تاجر کو، جس نے یہ خرید خلیفہ یزید کے لئے کی تھی، بخش دی تھی۔ مورخین اس کی مدتِ خلافت کے مختصر ہونے اور اس کے فوراً بعد خلافت کے لئے بنو امیہ کے دو مخالف دھڑوں میں بٹ جانے کی وجہ سے زیادہ توجہ اس کے عہد کے واقعات و حوادث کے بجائے دوسری خانہ جنگی پر مرکوز کرتے ہیں، اس لئے ضروری معلومات دستیاب نہیں۔ یہ بھی حالات کی ستم ظریفی، تاریخ کی بوالعجبی یا سیاست کی شوراشوری تھی کہ معاویہ دوم کی خلافت سے دستبرداری کے بعد حکمراں خاندانِ بنو امیہ اور ان کے شامی موالی دو متحارب گروہوں میں منقسم ہو گئے اور خلافت کے مسئلہ پر ان میں ایک خونریز جنگ ہوئی جو مرج راہط کے نام سے موسوم ہے اور جس کا خاتمہ جابیہ کے معاہدہ کے مطابق ہوا۔ بنو امیہ کے بزرگ ترین شیخ حضرت مروان بن حکمؒ کو خلیفہ بنانے پر اتفاق ہوا اور وہ ۶۴ھ / ۶۸۴ء میں سریر آرائے خلافت ہوئے (۲۸۷)۔

اگرچہ حضرت مروانؒ کی خلافت کا زمانہ بھی بہت مختصر تھا تاہم ایک دو واقعے ان کے عہد کے ایسے مل جاتے ہیں جن سے بنو ہاشم کے ساتھ ان کے قریبی روابط کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلے حوالہ آچکا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت مروانؒ گورنرِ مدینہ تھے اور اپنے فرضِ منصبی کے بطور وہ نمازوں کی امامت کیا کرتے تھے اور تمام اکابرِ بنی ہاشم بشمول حضرات حسنینؓ ان کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے اور دہراتے نہیں تھے۔ اسی طرح ایک اور ہاشمی کو انھوں نے اپنی ولایتِ مدینہ کے زمانے میں قاضی

مقرر کیا تھا۔ پھر ان کے حضرت علی زین العابدین کے ساتھ پرانے تعلقاتِ محبت و الفت تھے۔ ان ہی اسباب سے مدینہ والوں کی شورش کے زمانے میں ہاشمی بزرگ نے اپنے اموی عزیز کے اہلِ خاندان و مال و اسباب کی حفاظت کی تھی اور واقعہ حرہ کے بعد مروان بن حکمؓ اور ان کے صاحبزادے عبد الملک نے بطور شکر گذاری و احسان مندی مسلم بن عقبہ مری کے سامنے ان کی سفارش کی تھی، ان کو امان دلوائی اور ان کا اعزاز و اکرام کروایا تھا (۲۸۸)۔ ان تمام واقعات و حوادث کے بعد یہ قدرتی طور پر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت مروانؓ نے بنو ہاشم کے اکابر بالخصوص حضرت علی زین العابدین کے ساتھ کتنے مخلصانہ روابط رکھے ہوں گے۔ اور موخر الذکر بزرگ نے ان کا جواب کتنی الفت و محبت کے ساتھ دیا ہوگا۔

اس قیاس کی تائید ابنِ سعد کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو انھوں نے امامِ حدیث و سیرت زہری کی سند پر بیان کی ہے۔ اس کے مطابق امامِ زہری جب بھی حضرت علی بن حسین کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ وہ اپنے خاندان والوں میں سب سے زیادہ میانہ رو، اطاعتِ خلیفہ اور محبتِ ملت میں حسن کامل کا پیکر اور مروان بن حکمؓ اور عبد الملک بن مروان کے محبوب ترین شخص تھے (۲۸۹)۔ ابنِ سعد ہی نے ایک اور روایت حضرت زین العابدین کے فرزند عبد اللہ کی سند پر یوں بیان کی ہے کہ "جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ گذر چکا تو ایک دن حضرت مروانؓ نے میرے والد سے کہا: 'آپ کے والدِ مکرم نے مجھ سے ایک بار چار ہزار دینار کی فرمائش کی تھی مگر اس وقت میرے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہ تھی مگر آج مجھے وہ حاصل ہے۔ اگر آپ چاہیں تو مجھ سے لے سکتے ہیں'۔ چنانچہ میرے والد نے رقم قبول کر لی۔ اس باب میں بنو مروان میں سے کسی شخص نے کبھی کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ ہشام بن عبد الملک کا زمانہ آیا تو انھوں نے میرے والدِ ماجد سے کہا: "آپ کے ساتھ ہمارا سابقہ سلوک کیسا رہا؟" حضرتِ موصوف نے جواب میں کہا: 'کافی عمدہ اور قابل شکریہ رہا"۔ خلیفہ اموی نے کہا کہ "وہ آپ کا حق تھا" (۲۹۰)۔

اس کے علاوہ زبیری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ کے بھائی یحییٰ بن حکم اموی سے محمد بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کی ایک دختر امِ کلثوم منسوب تھیں جن سے ان کے دو فرزند مروان و یوسف پیدا ہوئے تھے اور ان سے ان کی نسلیں چلی تھیں (۲۹۱)۔ اس سے اہم ایک اور رشتہ مصاہرت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت مروانؓ کے اپنے فرزندِ اصغر معاویہ سے متعلق ہے۔ ان

کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی ایک دختر حضرت رملہ کے ساتھ ہوا تھا اور اس سے ان کے چھ بیٹے پیدا ہوئے تھے (۲۹۲)۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک پڑپوتی اور حضرت حسن بن علیؓ کی ایک پوتی زینب بنت حسن دوم کی شادی بعد میں کسی وقت انھیں مروانؒ کے فرزند معاویہ سے ہوئی تھی (۲۹۳)۔ اس کے علاوہ حضرت علی ہاشمیؓ کی ایک اور صاحبزادی حضرت خدیجہ کی شادی بصرہ کے مشہور اموی گورنر حضرت عبداللہ بن عامرؓ کے ایک فرزندِ دلبند ابو السنابل عبدالرحمٰن سے ہوئی تھی اور ان سے ان کی اولادیں بھی ہوئی تھیں۔ بعد میں ان کی ایک بہن میمونہ بنت علی ہاشمیؓ نے ابو السنابل سے شادی کر لی تھی جن سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی یا مصادر میں ان کا ذکر نہیں (۲۹۴)۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شادیاں پہلے کسی دور میں ہوئی ہوں مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ عہدِ مروان میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے خوشگوار تعلقات کا علم و یقین ضرور ہوتا ہے۔

خلافتِ عبد الملک بن مروان (۶۵ھ / ۶۸۵ء-۸۶ھ / ۷۰۵ء)

اپنے سفیانی اکابر اور اپنے والدِ ماجد کی مانند خلیفہ عبد الملک بن مروان کے تعلقات بنو ہاشم کے خاندان سے بالعموم اور ان کے اکابر سے بالخصوص بہت شگفتہ اور قریبی رہے تھے۔ ان کی تائید میں متعدد واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ابنِ زبیر اور عبد الملک کے سیاسی اختلاف کے زمانے میں ایک سیاسی طالع آزما مختار ثقفی نے اہلبیت کے حامی و نمائندہ ہونے کا ڈھونگ رچایا اور اس نے حضرت علی بن حسین ہاشمی کی خدمت میں ایک لاکھ درہم کا نذرانہ بھیجا۔ حضرت موصوف کو اسے قبول کرنے میں کراہت تھی مگر اس کو واپس کرنے میں متردد بھی تھے چنانچہ وہ رقم اپنے پاس بطورِ امانت رکھ چھوڑی۔ جب مختار قتل کر دیا گیا تو حضرت علی بن حسین نے عبد الملک کو خط لکھ کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ خلیفہ اموی نے جواب میں لکھا: "اے ابنِ عم! آپ اسے قبول کرلیں۔ میں نے وہ رقم آپ کو بخش دی۔" چنانچہ انھوں نے اسے قبول کر لیا (۲۹۵)۔ لہذا ایسی روایت کے بعد بالخصوص، اور اس جیسی دوسری روایات کے بعد بالعموم، جن کا ذکر آگے آرہا ہے، بنو امیہ کے جور و جبر کا بیان رکھنے والی روایات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روافض و خوارج اور دوسرے متعصب راویوں نے اصل روایات میں الحاقات کئے ہیں (۲۹۶)۔ شیعی مورخین و مصنفین عام طور سے ان تعلقاتِ اخوت و محبت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت اور اکابرِ بنی ہاشم تقیہ کر کے بظاہر خوشگوار تعلقات رکھتے تھے، ورنہ بباطن وہ ان سے نفرت کرتے تھے (۲۹۷)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود اکابرِ بنی ہاشم کو بھی ان افترا پردازوں کے ہفوات کا اندازہ تھا اس لئے وہ ان کی تردید کیا کرتے تھے۔ مثلاً ابنِ سعد نے ہی مذکورہ بالا روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی بن حسین کے فرزند ابو جعفر فرمایا کرتے تھے کہ "ہم ان (بنو امیہ) کے پیچھے بلا تقیہ نماز پڑھتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن حسین بھی ان کے پیچھے بلا تقیہ نماز پڑھا کرتے تھے" (۲۹۸)۔

حضرت محمد بن الحنفیہ خاندانِ علوی کے ایک سر برآوردہ فرد تھے اور اپنے بھتیجے علی زین العابدین کی مانند بہت اعتدال پسند اور انصاف پرست تھے۔ چنانچہ بنو امیہ کے ساتھ ان کے تعلقات بھی ہمیشہ شگفتہ رہے۔ انھوں نے حضرت حسینؓ کے سیاسی مسلک کی تائید نہیں کی تھی اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک کے اختلاف کے زمانے میں فتنہ سے الگ رہے تھے اور کسی کی بیعت نہیں کی تھی۔

روایات میں آتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے ان کو تکلیف بھی پہونچی تھی کیونکہ موخر الذکر نے ان سے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیعت کے لئے اصرار کیا تھا، اس کے لئے ان پر سختی کی تھی اور ان دونوں کے مقام و مرتبہ کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے دونوں بزرگ مکہ مکرمہ چھوڑ کر طائف چلے گئے تھے۔ محمد بن الحنفیہ اور علی بن عبد اللہ بن عباس نے اپنے خطوط اور ملاقاتوں میں عبد الملک بن مروان سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے سلوک کا شکوہ بھی کیا تھا (۲۹۹)۔ دراصل ان دونوں بزرگوں نیز صحابی جلیل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اعتدال پسند، صلح جو اور جہاندیدہ بزرگوں کا خیال تھا کہ اختلاف و خانہ جنگی کی صورت میں کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دینا چاہئے اور بیعت صرف اسی کی کرنی چاہئے جس پر ملتِ اسلامی کا اتفاق ہو۔ ان کا یہی سیاسی مسلک تھا جس کے سبب انھوں نے اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کی خلافت تسلیم کرلی تھی کیونکہ ان کی بیعت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا تھا۔ اس کے برخلاف بعض شیوخ و سادات مثلاً عبید اللہ بن علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن جعفر اور بعض دوسروں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت کرلی تھی اور بعد میں مسائل کا سامنا کیا تھا (۳۰۰)۔

بہرحال حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی وفات کے بعد جب ملتِ اسلامی کا اتفاق عبد الملک بن مروان پر ہو گیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ نے بھی اموی خلیفہ کی بیعت کرلی تو محمد بن الحنفیہ کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی عبد الملک کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے خلیفہ کو ایک شاندار خط لکھا جس میں بشرطِ امان بیعت کرنے کا وعدہ کیا۔ عبد الملک نے بھی اسی محبت و شرافت کے جذبات سے معمور جواب بھیجا جس کے بارے میں راویوں کا تبصرہ ہے کہ اگر خلیفہ اپنے کسی بھائی یا فرزند کو خط لکھتا تو اس سے بہتر جذبات کا مظاہرہ نہ کر سکتا۔ اموی خلیفہ نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پہونچنے والی اذیت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ان کو امن وامان عطا کیا، ان کے شایانِ شان ان کا اکرام کرنے کا وعدہ کیا اور ان کو شام بلا بھیجا اور اختیار دیا کہ وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں، ان کے تمام اخراجات کی ذمہ داری خلیفہ کی ہو گی۔ چنانچہ محمد بن الحنفیہ اپنے تمام اہلِ خاندان اور اصحاب کے ساتھ دمشق تشریف لے گئے (۳۰۱)۔ یہاں اس روایت کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی وفات کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی نے بھی ان سے عبد الملک بن مروان کی بیعت کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے جواب میں انھوں

نے حجاج ثقفی کو بتایا تھا کہ وہ خلیفہ کو خط لکھ چکے ہیں اور ان کا جواب آنے کے بعد ہی بیعت کریں گے۔ عبد الملک نے حجاج ثقفی کو پہلے ہی خط لکھ کر حضرت محمد بن الحنفیہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی تھی چنانچہ حجاج ثقفی نے اپنی ملاقات میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ جب ابن الحنفیہ کا قاصد خلیفہ کا جواب لے کر واپس آیا تو وہ حجاج ثقفی کے پاس پہونچے اور اس کے ہاتھ پر اموی خلیفہ کی بیعت کر لی اور اپنے دوسرے خط میں اس کی اطلاع عبد الملک بن مروان کو بھی دے دی (۳۰۲)۔

حضرت محمد بن الحنفیہ علوی جب دمشق میں خلیفہ عبد الملک کے پاس پہونچے تو ۷۸ھ / ۶۹۷ء کا زمانہ تھا اور اسی سال مشہور صحابی حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی وفات ہوئی تھی۔ عبد الملک نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اپنے محل کے قریب ان کو ایک عمدہ گھر میں اتارا اور ان کی اور ان کے تمام اصحاب کی مہمانداری کا ان کے شایانِ شان انتظام کیا۔ وہ عبد الملک کے پاس برابر آیا کرتے تھے اور عبد الملک اپنے خاندان والوں کے بعد انھیں کو سب سے پہلے آنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے گورنرِ حجاز حجاج بن یوسف ثقفی کے حکم کی تابعداری سے آزادی کی اجازت خلیفہ سے مانگی تھی جسے خلیفہ عبد الملک نے بخوشی قبول کر لیا تھا (۳۰۳)۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ایک دن خلوت میں عبد الملک سے انھوں نے اپنی قرابت و تعلق کا ذکر کرنے کے بعد اپنے مقروض ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ عبد الملک نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا تمام قرض ادا کر دے گا، ان کے ساتھ پوری صلہ رحمی کا سلوک کرے گا اور ان کی تمام ضروریات پوری کرے گا۔ چنانچہ جب محمد بن الحنفیہ نے اپنے، اپنی اولاد و موالی و حشم کے قرض کی صحیح مقدار بتائی تو خلیفہ نے ان کا سارا قرض ادا کر دیا، ان کی دوسری ضرورتیں پوری کیں اور ان سب کے لئے وثیقہ مقرر کر دیا۔ حضرت محمد بن الحنفیہ کو وظائف کی رقم کم معلوم ہوئی تو انھوں نے خلیفہ سے اس میں اضافہ کرنے کا مطالبہ کیا اور خلیفہ نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ غرض کہ ان کی کوئی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔ اس کے بعد ابن الحنفیہ خلیفہ کی اجازت سے واپس مدینہ منورہ آگئے (۳۰۴)۔

ابنِ سعد نے ان کے قیامِ دمشق سے متعلق ایک اور روایت بھی بیان کی ہے۔ اس کے مطابق خلیفہ عبد الملک نے رسولِ اکرم ﷺ کی تلوار منگوائی اور ایک صیقل گر کو بھی بلوایا۔ اس نے کہا کہ "میں نے اس سے بہتر کوئی لوہا نہیں دیکھا"۔ عبد الملک نے اس پر تبصرہ کیا کہ اللہ کی قسم! میں صاحبِ سیف سے زیادہ لوگوں میں کسی کو بہتر نہیں سمجھتا"۔ پھر انھوں نے حضرت محمد بن الحنفیہ سے درخواست کی کہ

وہ تلوار انھیں دے دیں۔ انھوں نے جواب میں کہا": ہم سے جو کوئی اس کا زیادہ حقدار ہو وہ اسے لے لے"۔ خلیفہ نے کہا": اگر آپ کو قرابتِ نبوی حاصل ہے تو ہر ایک کو کوئی نہ کوئی قرابت و حق حاصل ہے۔" چنانچہ حضرت ابن الحنفیہ نے تلوار خلیفہ کو بخش دی (۳۰۵)۔ ان روایات کے بعد بھی کیا کسی کے لئے یہ گنجائش رہ جاتی ہے کہ وہ بنوہاشم و بنوامیہ کے درمیان عداوت و نفرت ہونے کا دعوی کرے۔

ابن سعد ہی کا دوسرا بیان ہے کہ حضرت محمد بن الحنفیہ کی وفات ۸۱ھ / ۷۰۰ء میں ہوئی جبکہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ راوی کا یعنی ان کے فرزند ابوہاشم عبداللہ کا بیان ہے کہ "جب ہم نے ان کا جنازہ جنت البقیع میں رکھا تو عبدالملک کے گورنرِ مدینہ منورہ ابان بن عثمان بن عفان اموی وہاں پہونچے تاکہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ میرے بھائی نے میری رائے پوچھی تو میں نے کہا کہ: 'ابان اس وقت تک نماز نہیں پڑھا سکتے جب تک وہ ہم سے اس کی اجازت نہ مانگیں'۔ ابان اموی نے کہا کہ: 'تم لوگ اپنے جنازہ کے ولی اور زیادہ حقدار ہو جس کو چاہو امام بناؤ'۔ تب ہم نے کہا کہ: 'آپ ہی نماز پڑھائیں۔' چنانچہ انھوں نے آگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی"۔ دوسرے مورخوں نے، جن میں مسعودی بھی شامل ہے، حضرت ابان کے حضرت محمد بن الحنفیہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی روایت کی تصدیق کی ہے (۳۰۶)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، طائف میں سکونت اختیار کرلی تھی کہ مسلمانوں کے اختلاف سے دور رہیں اور اسی فتنہ کے زمانے میں ان کی وفات ہوگئی (۳۰۷)۔ ۷۵ھ / ۶۹۴ء میں ان کے فرزند علی بن عبداللہ بن عباس خلیفہ عبدالملک کے پاس پہونچے اور حضرت ابن زبیرؓ کی سخت گیری کی شکایت کی جو انھوں نے ان کے والدِ ماجد اور ان کے ساتھ روا رکھی تھی اور یہ بھی بتایا کہ ان کے والدِ مرحوم نے ان کو خلیفہ عبدالملک سے جا ملنے کی وصیت کی تھی۔ عبد الملک نے ان کی درخواست اور بیعت قبول کرلی اور ان کو معہ ان کے اہل و عیال کے دمشق بلوا بھیجا اور ان کو ایک گھر عنایت کیا۔ تمام عمر ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا تعلق رکھا۔ ابنِ سعد کے ہاں مذکورہ بالا روایت کی، جو یعقوبی کی ہے، کی تائید ملتی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ اموی خلیفہ کو جب علی بن عبداللہ عباسی کی کنیت ابوالحسن معلوم ہوئی تو اس کو بدلوا کر ابو محمد رکھوا دی کہ ان کو علی نام اور ابوالحسن کنیت دونوں کا اجتماع پسند نہیں تھا (۳۰۸)۔ آخرِ روایت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اموی خلیفہ کا طرزِ عمل عداوتِ علی پر مبنی تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کے پیچھے احترام کا جذبہ یا ابہام سے بچنے کا داعیہ کارفرما ہو جیسا کہ بعض سنن نبوی اور دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔

بلاذری نے ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ مصعب بن زبیر کے سیاسی ہمنواؤں میں سے عبداللہ بن یزید اور یحییٰ بن معیوف ہمدانی نے علی بن عبداللہ عباسی کے پاس پناہ لی تھی اور موخرالذکر کی سفارش پر خلیفہ عبدالملک نے ان کو امان دے دی تھی (۳۰۹)۔ابنِ سعد کے مطابق علی بن عبداللہ عباسی نے حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد ان کے عالم و فاضل غلام حضرت عکرمہ کو خالد بن یزید بن معاویہ کے ہاتھ، جو خود بھی ایک صاحبِ علم شخص تھے، چار ہزار دینار میں فروخت کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔جب حضرت عکرمہ کو خبر ہوئی تو انھوں نے علی بن عبداللہ سے کہا کہ اُنھوں نے چار ہزار دینار میں اپنے والدِ ماجد کا علم بیچ دیا ہے۔اس پر علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی کو غیرت آئی اور انھوں نے خالد بن یزید اموی سے بیع فسخ کرنے کی درخواست کی جو انھوں نے منظور کر لی اور عباسی آقا نے اپنے عالم غلام کو آزاد کر دیا (۳۱۰)۔

حضرت مروان بن حکمؒ کی خلافت کے دوران حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے بنو امیہ کے تعلقات کا ذکر آچکا ہے۔زبیری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر ہاشمی، اموی خلیفہ عبدالملک کے قریبی دوست تھے اور دونوں اپنی دوستی کی بڑی قدر کرتے تھے (۳۱۱)۔محمد بن حبیب بغدادی اور صاحبِ اغانی کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن قیس الرقیات ایک بڑا شاعر اور حضرت ابن زبیر کا سیاسی حامی تھا۔اس نے مصعب بن زبیر کے ساتھ نہ صرف عبدالملک کے خلاف خروج کیا تھا بلکہ ابن زبیر کی تعریف میں قصیدے بھی کہے تھے اور ان کو اموی خلیفہ کے خلاف جنگ آرائی پر ابھارا بھی تھا۔مصعب کے قتل کے بعد اس نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس پناہ لی اور موخرالذکر نے خلیفہ عبدالملک سے اس کے لئے پناہ و امان مانگی جو بخوشی عطا کر دی گئی۔ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ نے شاعر کو وظیفہ دینے سے انکار کر دیا تھا جس پر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا تھا کہ وہ اپنے وظیفہ میں سے اس کو عطا کیا کریں گے (۳۱۲)۔روایت میں اس کے آگے سکوت ہے مگر عبدالملک کے رویہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے وظیفہ میں اتنا ہی اضافہ کر دیا ہوگا یا الگ سے اس کا وظیفہ باندھ دیا ہوگا۔زبیری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک کو ان کی دوستی اور محبت کا اتنا پاس تھا کہ انھوں نے اپنے بستر مرگ پر اپنے فرزند و جانشین ولید سے کہا تھا کہ وہ ان کے دو دوستوں حضرات عبداللہ بن جعفر اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن کا، جو مدینہ میں رہتے ہیں، خاص طور سے خیال رکھے (۳۱۳) اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرزندِ سعید نے اپنے باپ کی وصیت کا پورا پورا لحاظ

کیا تھا۔ عبد الملک کے عہدِ خلافت میں خلیفہ اموی سے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے اور تعلقات کا علم نہیں ہو سکا۔

ابنِ عساکر کا بیان ہے کہ ۸۰ھ / ۶۹۹ء میں جب حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی وفات ہوئی تو مدینہ منورہ کے والی ابان بن عثمان اموی نے ان کے جنازہ کو کندھا دیا اور جب اس کو جنت البقیع میں رکھا گیا تو ان کے آنسو بہنے لگے اور انھوں نے بڑی حسرت سے کہا کہ: "اللہ کی قسم! آپ بہت نیک تھے اور آپ میں کوئی شر نہ تھا۔ آپ اللہ کی قسم شریف واصیل اور خیر کا پیکر تھے" (۳۱۴)۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر ہاشمی کی وفات سے بنو ہاشم و بنو امیہ کے تعلقاتِ محبت و مودت کے ایک روشن و تابناک باب کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن انھوں نے محبت و الفت کے جو چراغ اپنی زندگی میں روشن کئے تھے وہ ان کے جانشینوں کے دلوں میں روشنی پیدا کرتے رہے۔

زبیری اور ابنِ عساکر نے خلیفہ عبد الملک بن مروان امویؒ کے حضرت حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمیؒ کے خاندان سے تعلقات کے بارے میں ایک بڑی دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ حضرت حسن بن حسن بن علی اپنے زمانے میں اپنے والدِ مکرم کے جانشین و وصی اور اپنے دادا حضرت علی بن ابی طالب کے وقف کے متولی تھے۔ انھوں نے حجاج بن یوسف ثقفی کی حرمین شریفین کی ولایت کے زمانے میں اموی گورنر سے تعلقات استوار کر رکھے اور ان کے پاس برابر آیا جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب وہ ان کے ہمرکاب مدینہ منورہ میں چل رہے تھے حجاج ثقفی نے حضرت حسن بن حسن سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمر بن علی بن ابی طالب کو بھی وقف جائداد کی تولیت میں شریک کر لیں کیونکہ وہ ان کے چچا اور ان کے خاندان کے بزرگ ہیں مگر انھوں نے کسی "غیر" کو داخل کرنے اور حضرت علیؓ کی مقرر کردہ شرائط میں تبدیلی کرنے سے انکار کر دیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عمر علوی کو زبردستی شریکِ تولیت کر دینے کا عندیہ دیا۔ پھر جیسے ہی حجاج ثقفی کی توجہ ان کی طرف سے ہٹی وہ سیدھے عبد الملک بن مروان کے پاس دمشق پہونچے۔ خلیفہ کے دروازہ پر اذن کے منتظر تھے کہ یحیٰی بن حکم اموی، جو خلیفہ وقت کے چچا تھے، پہونچ گئے۔ دونوں میں سلام دعا ہوئی اور یحیٰی بن حکم اموی نے ان سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا۔ معلوم ہونے پر انھوں نے کہا کہ وہ ساتھ چلیں گے اور امیر المومنین کے پاس ان کے لئے سود مند ثابت ہوں گے۔ بہر حال عبد الملک نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کی گفتگو سن کر اور یحیٰی بن حکم کی ایک مخصوص و حکمت عملی پر مبنی سفارش پر ان کی بات مان لی اور حجاج بن یوسف

ثقفی کو ہدایت کر دی کہ وہ ان کے معاملہ میں مداخلت نہ کرے (۳۱۵)۔

حجاج بن یوسف ثقفی کی سیرت و کردار کو اسی طرح مسخ کیا گیا ہے جس طرح بنو امیہ کے صحابہ کرام اور خلفاء عظام کی سیرت و کردار کو کیا گیا حالانکہ وہ اتنے برے اور بد کردار نہیں تھے۔ ان میں بڑی خوبیاں تھیں اور ان میں سے ایک مردم شناسی تھی۔ وکیع کندی اور ابنِ حزم کا بیان ہے کہ ۷۴ھ / ۹۴-۶۹۳ء میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ مطلبی کو، جو بنو ہاشم کے قریبی حلیف اور خاندان بنی عبدِ مناف کے ایک ممتاز فرد تھے، مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا اور جب اگلے سال ان کو مدینہ سے معزول کر کے عراق کا گورنر بنایا گیا تو حجاج ثقفی نے اپنے ہاشمی قاضی کو اپنا جانشین گورنر مقرر کیا (۳۱۶)۔ مذکورہ بالا روایات سے خلیفہ عبد الملک بن مروان اور ان کے والیوں اور اہلِ خاندان کے بنو ہاشم سے قریبی روابط اور عزیزانہ تعلقات کا علم ہوتا ہے۔

جہاں تک اس دور میں ازدواجی تعلقات کا معاملہ ہے طبری اور ابنِ اثیر کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی ایک گمنام صاحبزادی کا عقد خلیفہ وقت عبد الملک سے ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر ہاشمیؓ کی ایک دختر ام ابیہا کا نکاح بھی خلیفہ وقت سے ہوا تھا مگر بعد میں طلاق ہو گئی (۳۱۷)۔ حضرت حسن بن حسن ہاشمیؓ کی ایک صاحبزادی ام القاسم نے حضرت ابان بن عثمان امویؓ کے فرزند مروان سے غالباً اسی زمانے میں شادی کی تھی (۳۱۸)۔ ان کے علاوہ زبیری، محمد بن حبیب بغدادی، ابنِ سعد، ابنِ حزم اور ابنِ عساکر کے متعدد بیانات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین شہیدؓ کی صاحبزادی سکینہ کا ایک نکاح خلیفہ عبد الملک کے بھائی عبد العزیز، جو مصر کے گورنر تھے، کے بیٹے اصبغ کے ساتھ ہوا تھا اور جب ۸۶ھ / ۷۰۵ء میں اصبغ اموی کا انتقال ہوا تو ان کا نکاح خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان امویؓ کے ایک پوتے زید بن عمرو کے ساتھ ہوا تھا۔ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید اموی نے بعد میں ان کو خلیفہ سلیمان بن عبد الملک اموی کے حکم سے طلاق دے دی تھی جبکہ زبیری اور بغدادی نے اس کی تردید کی ہے (۳۱۹)۔ خلیفہ عبد الملک کے ایک غیر معروف فرزند ابو بکر کی ایک زوجہ حسن ثانی کی ایک پوتی فاطمہ بنت محمد ہاشمی تھیں (۳۲۰)۔ خلیفہ اموی کے ایک اور فرزند عبد اللہ کی ایک شادی حضرت ابن عباس ہاشمیؓ کی ایک پوتی ریطہ بنت عبد اللہ سے ہوئی تھی (۳۲۱)۔

آخر میں خلیفہ اموی عبد الملک بن مروان اور حضرت علی بن حسین زین العابدین ہاشمی کے

تعلقات کے بارے میں ایک اہم روایت جو شیعی مصنف یعقوبی نے بیان کی ہے۔اس کے مطابق جب خلیفہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کو حجاز کا والی مقرر کیا تو ان کو ایک خط لکھا جس میں ان کو ہدایت کی تھی کہ ابو طالب کے خاندان کی خون ریزی سے مجھے بچائے رکھنا کیونکہ آلِ حرب بن امیہ نے جب بھی ان پر دست درازی کی وہ مغلوب و پشیمان ہوئے۔اس کے بعد حضرت علی بن حسن نے خلیفہ عبدالملک کو ایک دلچسپ خط لکھا کہ میں نے فلاں ماہ کی فلاں رات کو خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کا دیدار کیا اور آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عبدالملک نے حجاج ثقفی کو اس رات ایسا خط لکھا ہے اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سعی کو مشکور کیا ہے اور ان کی حکومت میں قوت و شوکت عطا فرمائی ہے (۳۲۲)۔اس روایت میں بظاہر شیعی عنصر موجود ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت زین العابدین کا تعلق ہمیشہ صلح جویانہ اور عزیزانہ رہا تھا اس لئے انھوں نے خلیفہ وقت کو اس نوعیت کا خط ضرور لکھا ہو گا۔

دراصل اموی خلافت کے دو دور تھے :ایک خاندانِ حضرت معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ (۶۴-۴۱ / ۸۴-۶۶۱) اور دوسرا مروانی عہدِ خلافت (۱۳۲-۶۴ / ۷۵۰-۶۸۴)۔بنو امیہ اور بنو ہاشم میں جو اختلاف پیدا بھی ہوا تھا وہ سیاسی نوعیت کا تھا اور مروانی خلافت تک وہ ختم بھی ہو چکا تھا۔ہاشمی بزرگوں میں سے بعض کو خلافت کی تمنا ضرور رہی تھی اور اسی بنا پر اولین اموی خلفاء سے ان کا سیاسی معاملہ رہا تھا۔بیشتر ہاشمی اکابر نے منصبِ خلافت کی کبھی تمنا نہیں کی اور نہ اپنی خاندانی افضلیت کا کوئی دعویٰ رکھا۔مروانی خلفاء سے ہاشمی اکابر کا کوئی سیاسی اختلاف بھی نہیں ہوا تھا۔اس لئے اولین مروانی عہد میں ان دونوں خاندان کے تعلقات ہمیشہ شگفتہ رہے۔حضرت مروانؓ اور ان کے فرزندِ عظیم عبدالملک اموی نے ان قریبی روابط کو اپنی مصالحانہ اور مشفقانہ پالیسیوں سے مزید مستحکم بنایا۔اس دور کے ہاشمی اکابر نے بھی اپنی طرف سے ان کو استحکام و اعتبار عطا کیا اور استحقاقِ خلافت اور افضلیتِ بنی ہاشم کا کوئی ایسا مظاہرہ نہیں کیا جس سے تعلقات میں دراڑ پڑتی۔حکومت و فرماں روائی کے سلسلے میں ایک انگریزی کہاوت بڑی سچی حقیقت ہے کہ بادشاہت رشتہ داری کو نہیں جانتی (Kingship knows no Kinship.) یہ ہر دور پر صادق آتی ہے۔اس حقیقت کا ادراک دونوں خاندانوں بلکہ اس دور کے سب لوگوں کو تھا۔پھر بنو ہاشم اور بنو امیہ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے حلیف، دوست اور عزیز رہے تھے لہذا ان میں محبت کے تعلقات حقیقی تھے جبکہ اختلاف و رقابت کے روابط، اگر تھے، تو عارضی تھے۔

خلافتِ ولید بن عبد الملک (۹۶-۸۶ھ / ۱۵-۷۰۵ء)

بنو ہاشم کے بعض اکابر سے خلیفہ عبد الملک بن مروان اموی کے اپنے عہد میں تعلقات کی بحث میں ولید بن عبد الملک کے طرزِ فکر و عمل کا ایک حوالہ آ چکا ہے۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ ولید بن عبد الملک اپنے باپ کے مقابلہ میں زیادہ نرم خو، اعتدال پسند، محبت جو شخص تھے اور پرانے تعلقات کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت حجاج بن یوسف ثقفی سے ان کے قریبی تعلقات ہیں (۳۲۳) انھوں نے ہاشمی اکابر اور بنو ہاشم کے ساتھ اپنے خاندان اور بزرگوں کے تعلقات کو حسبِ دستورِ محبت قائم و استوار رکھا تھا۔ اوپر یہ بھی ذکر آ چکا ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک غیر فاطمی صاحبزادے حضرت عمر بن التغلبیہ نے خلیفہ عبد الملک کے عہد میں کوشش کی تھی کہ وہ اپنے والدِ ماجد کے صدقاتِ جاریہ میں اپنے بھتیجے حضرت حسن بن حسن بن علی ہاشمی کے ساتھ شریکِ تولیت ہو جائیں مگر خلیفہ نے حضرت حسن کے حق کو مقدم رکھا تھا۔ حضرت عمر بن علیؓ نے ولید بن عبد الملک کے عہد میں ایک بار پھر تولیت حاصل کرنے کی کوشش کی چنانچہ وہ گورنرِ مدینہ حضرت ابان بن عثمان کے ساتھ دربارِ خلافت میں پہونچے اور اپنا مطالبہ نئے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ ولید نے ان کو صلہ رحمی اور قرض ادا کرنے کی پیشکش کی مگر حضرت عمر بن علی نے اس کو قبول نہ کیا اور اپنے والد کے صدقہ (وقف) میں شرکت و تولیت کا مطالبہ دہرایا اور چلے آئے۔ بعد میں ولید نے ابان بن عثمان کو ان کے لئے ایک رقعہ لکھا جس میں بعض اشعار لکھے تھے اور ابان سے زبانی کہلوایا کہ یہ خط دیکر ان کو بتادیں کہ وہ حضرت فاطمہ بنت رسولِ اکرم ﷺ کی اولاد میں کسی غیر فاطمی کو شریک نہیں کریں گے۔ عمر بن التغلبیہ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور انعام و تحائف قبول کئے بغیر واپس لوٹ آئے (۳۲۴)۔

ابنِ سعد اور ابنِ اثیر نے ایک روایت میں ذکر کیا ہے کہ عبد الملک کے گورنرِ مدینہ ہشام بن اسماعیل مخزومی کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ اہلِ بیت کی برائی کر کے حضرت علی بن حسین کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ جب ولید خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ہشام مخزومی کو ان کے ظلم و جور کے سبب معزول کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے انتقام لیں لیکن حضرت علی بن حسین نے اپنے تمام اہلِ خاندان اور حامیوں کو اس سے تعرض کرنے سے منع کر دیا۔ ہشام باوجود اپنی بدزبانی کے اکابرِ بنی ہاشم کی فضیلت کے بھی قائل تھے اور اس کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے (۳۲۵)۔

حضرت حسن بن علی ہاشمیؒ کے صاحبزادے حضرت حسن ثانی، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، کے بارے میں ابنِ عساکر نے ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے جو خلافت کے مسئلہ پر حکمرانوں کی حساسیت اور زوداثر پذیری کا ثبوت فراہم کرتی ہے تو ساتھ ہی ان کے شریفانہ برتاؤ اور حق پسندی کی بھی دلیل ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کو خبر پہونچی کہ حضرت حسن بن حسن اہلِ عراق سے خفیہ خط و کتابت میں مصروف ہیں تو انھوں نے اپنے گورنر عثمان بن حیان مری کو ہدایت کی کہ "وہ ان کا معاملہ دیکھے اور اگر مجرم پائے تو ان کو سو کوڑے مارے اور ان کو لوگوں کے سامنے دن بھر بطور سزا کھڑا رکھے کیونکہ میرا خیال ہے کہ مجھے ان سے جنگ کرنی پڑے گی"۔ خلیفہ کا حکمنامہ جب گورنر کے پاس پہونچا تو اس نے حضرت حسن کو بلا بھیجا اور جب فریق روبرو ہوئے تو حضرت علی بن حسین نے اپنے بھائی کو دعائے خیر کی تلقین کی۔ جب گورنر نے ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو بے اختیار بول اٹھا کہ "اس شخص کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ ان پر اتہام لگایا گیا ہے۔ ان کو چھوڑ دو۔ میں امیر المومنین کو ان کے عذر سے مطلع کردوں گا کیونکہ شاہد و موجود جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ غائب و غیر موجود نہیں دیکھ سکتا" (۳۲۶)۔

ان تعلقاتِ محبت والفت کی تصدیق ان دونوں خاندانوں کے ازدواجی تعلقات سے بھی ہوتی ہے۔ ابنِ سعد، زبیری اور ابنِ حزم کا بیان ہے کہ انھیں حسن بن حسن بن علی ہاشمی کی ایک دختر زینب خلیفہ وقت ولید اموی سے منسوب تھیں اور بعد میں ان سے طلاق کے بعد ان کی شادی خلیفہ وقت کے چچا معاویہ بن مروان سے ہوگئی تھی جن سے ان کی کئی اولادیں پیدا ہوئی تھیں (۳۲۷)۔ زبیری کا بیان ہے کہ زید بن حسن بن علی ہاشمی نے اپنی ایک دختر نفیسہ کی شادی خلیفہ ولید سے ان کے عہدِ خلافت میں کی تھی اور ابنِ سعد کے مطابق وہ اپنے شوہر کی زندگی ہی میں فوت ہوئی تھیں (۳۲۸)۔ اس شادی کا پس منظر دونوں خاندانوں کے باہمی تعلقات پر اہم روشنی ڈالتا ہے۔ ابنِ عساکر کے مطابق حضرت زید بن حسن کا اپنے چچازاد بھائی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی ایک وقف آراضی کی تولیت کے بارے میں نزاع ہوا اور اس قضیہ کو سلجھانے کے لئے حضرت زید خلیفہ اموی کے دربار میں پہونچے۔ وہاں انھوں نے اور شکایتوں کے علاوہ عراقی شیعوں کی مدد سے خلافت حاصل کرنے کا الزام بھی ابو ہاشم پر لگایا اور بعد میں اپنی بیٹی کی شادی خلیفہ سے کردی۔ خلیفہ نے ابو ہاشم کو بلا کر دمشق میں قید کردیا مگر بعد میں حضرت علی زین العابدین ہاشمی کی سفارش پر ان کو آزاد کردیا (۳۲۹)۔

زبیری نے حضرت حسن بن حسن ہاشمی کے ایک فرزند محمد کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کی بیٹی

فاطمہ کی شادی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے ایک نسبتاً غیر معروف فرزند ابو بکر سے ہوئی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ابنِ حزم نے لکھا ہے کہ اول الذکر ہاشمی بزرگ کے ایک فرزند حسین نے اپنی بیٹی خدیجہ کی شادی اسماعیل بن عبد الملک بن حارث بن حکم بن ابی العاص اموی سے کی تھی اور ان کے بعد خود حسن بن حسن کی دختر حمادہ نے انھیں اموی بزرگ سے شادی کرلی تھی۔ ان دونوں سے اسماعیل اموی کے کئی فرزند پیدا ہوئے تھے (۳۳۰)۔ مذکورہ بالا حسین بن حسن ثانی کی ایک اور دختر ام کلثوم نے کسی وقت انھیں اسماعیل اموی سے شادی کی تھی جن سے کئی اولادیں ہوئی تھیں۔ غالباً ام کلثوم اور خدیجہ دونوں ایک ہی شخصیت تھیں کیونکہ ان کے فرزندوں کے نام یکساں مذکور ہوئے ہیں البتہ ایک فرزند کا ام کلثوم کے ذکر میں اضافہ ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں تھیں۔ بہر حال کوئی بھی صورت ہو یہ تو مسلم ہے کہ کم از کم دو حسنی دختریں اسمٰعیل اموی سے ضرور منسوب رہی تھیں۔

ان ازدواجی تعلقات کے بارے میں حتمی طور سے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کس دور میں قائم ہوئے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ ولید بن عبد الملک کی خلافت میں قائم ہوئے ہوں گے مگر اس کا بھی امکان ہے کہ وہ اس سے پہلے خصوصاً عبد الملک کے عہدِ خلافت میں استوار ہوئے ہوں۔ بہر حال ان کی توقیت کے اختلاف سے ان کی سماجی اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور ان سے بہر کیف ثابت ہوتا ہے کہ خلافتِ اموی کے دوران بنو ہاشم و بنو امیہ کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہوئے تھے جو ان کے مابین محبت و موانست کے تعلقات کا پختہ ثبوت ہیں۔ مذکورہ بالا تعلقات کے علاوہ بھی متعدد دوسرے ازدواجی رشتے تھے جو بنو امیہ اور بنو ہاشم میں قائم ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک رشتہ حضرت حسین شہیدؓ کی ایک دختر فاطمہ کا حضرت عثمان بن عفان امویؓ کے ایک اور پوتے عبد اللہ بن عمرو سے اسی خلافت کے زمانے میں ہوا تھا۔ ان کی کئی اولادیں ہوئی تھیں۔ انھوں نے یہ رشتہ اپنے عزیزوں کی مخالفت کے باوجود کیا تھا اور ان کے فرزند عبد اللہ، جو حسن بن حسن کی صلب سے تھے، ان کے ولی نکاح بنے تھے۔ یہ رشتہ اموی خلیفہ یزید ثانی کے عہد تک قائم رہا تھا (۳۳۱)۔ حضرت حسین شہیدؓ کی ایک نواسی ربیحہ، جو حضرت سکینہ کی دختر تھیں، اموی خلیفہ ولید اول کے بیٹے عباس سے منسوب تھیں (۳۳۲)۔ ان کے علاوہ بعض اور ازدواجی رشتے ان دونوں خاندانوں کے درمیان ہوئے تھے جن کا ذکر بعد میں کریں گے۔

آخر میں اس عہد کے دو واقعے اور۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی

صاحبزادی ام سلیط نے خلیفہ ولید سے شکایت کی کہ علی بن عبد اللہ بن عباس ہاشمیؒ نے ان کے فرزند سلیط کو قتل کر کے اپنے گھر کے باغ میں دفن کر دیا ہے اور اس پر ایک دکان بنالی ہے۔ خلیفہ ولید نے اس کے لئے ۹۵ھ / ۱۴۔۱۳ ۷ء میں باقاعدہ حمیمہ کا سفر کیا اور علی بن عبد اللہ سے اس کے بارے میں مواخذہ کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ میرا بھائی نہیں، غلام تھا اور اس کو میں نے قتل کیا ہے۔ سلیط کے بارے میں یہ شبہ اور اختلاف ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے فرزند تھے یا نہیں (۳۳۳)۔ بہر حال ان کے قتل کے بارے میں خلیفہ اموی نے تحقیق ضرور کی تھی۔ دوسرا واقعہ بلاذری کا بیان کردہ ہے جس کے مطابق عباد بن ابی سفیان اموی، جو بجستان کے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں گورنر رہے تھے ، حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس کے صدیقِ دیرینہ تھے۔ جب خلیفہ ولید نے ان کو کوڑے مارنے اور دھوپ میں کھڑا رکھنے کی سزادی تھی، غالباً قتل سلیط کے سلسلہ میں، تو انھیں عباد اموی نے ان کی سفارش کر کے ان کو سزا سے بچایا تھا (۳۳۴)۔

خلافتِ سلیمان بن عبد الملک (۹۹-۹۶ھ / ۱۷-۷۱۵ء)

بنو ہاشم کے مختلف خاندانوں میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کی وقف آراضی پر اختلاف و نزاع پیدا ہوتا رہا تھا۔ چنانچہ جیسا اوپر آچکا ہے کہ پہلے یہ اختلاف عمر بن التغلبیہ اور حسن بن حسن کے درمیان ہوا، پھر ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد الحنفیہ اور زید بن حسن بن علی کے درمیان ہوا۔ غالباً یہ خاندانی اختلاف دوسروں کے درمیان بھی ہوا تھا۔ یہ دراصل فاطمی اور غیر فاطمی اولادِ علی کا خاندانی تنازعہ تھا جو فریقین کو اموی دربار سے رجوع کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگرچہ اموی خلفاء کے دونوں ہاشمی خاندانوں سے دوستانہ روابط تھے تاہم وہ فاطمی افضلیت کے قائل تھے اور ان پر غیر فاطمیوں کو ترجیح دینا نہیں چاہتے تھے۔ وجہ ظاہر وباہر تھی کہ فاطمی اخلافِ حضرت علیؓ پدری اور مادری دونوں جانب سے قریشی اور عظیم تر خاندانِ بنو عبد مناف کے رکن اور اس اعتبار سے بنو امیہ کے قریب ترین عزیز تھے جب کہ غیر فاطمی اولادِ حضرت علی مادری لحاظ سے نسبتِ قرابت نہیں رکھتے تھے۔ یعقوبی اور بعض دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن الحنفیہ بھی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے پاس گئے تھے۔ اگرچہ ان کی آمد کا مقصد نہیں بیان کیا گیا ہے تاہم اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مقصد سے تشریف لے گئے ہوں گے، اگر وہ خاندانی تنازعہ کے بجائے محض دوستانہ تعلقات کی استواری اور تازگی کے لئے گئے تھے تو ان کی آمد اور زیادہ اہم بن جاتی ہے۔ بہر حال سلیمان نے ان کی تعریف و تحسین کی، ان کا اکرام و اعزاز کیا اور نہ صرف ان کی ضروریات بلکہ ان کے ساتھیوں کی ضروریات بھی پوری کیں (۳۳۵)۔ اس طرزِ عمل سے یعقوبی کی یہ شیعی روایت میل نہیں کھاتی کہ خلیفہ سلیمان نے بعض لخمی و جذامی سرداروں کے ذریعہ ان کو دودھ میں زہر دلوا کر قتل کرادیا تھا۔ کیونکہ اگر انھیں یہی کرنا ہوتا تو وہ اتنی زحمتیں کیوں اٹھاتے اور ان کو فلسطین میں حمیمہ کی آراضی و مکانات اور اخراجات کے لئے رقوم کیوں دیتے (۳۳۶)۔ ظاہر ہے کہ یہ سلیمان کے خلاف مخالفانہ پروپیگنڈا ہے، ورنہ وہ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اموی بزرگوں کی مانند بنو ہاشم سے خوشگوار تعلقات رکھتے تھے جیسا کہ ابو ہاشم کے ساتھ ان کے حسنِ سلوک کے علاوہ بعض دوسرے ہاشمی اکابر سے بھی حسنِ سلوک کرنے کا علم ہوتا ہے۔

عہدِ سلیمانی میں حسن بن حسن بن علی ہاشمی کے خانوادے اور کئی دوسرے اموی خاندانوں میں برادرانہ تعلقات قائم ہونے یا استوار رہنے کا علم ہوتا ہے۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن

ثانی کے ایک فرزند عبد اللہ اس زمانے میں نوجوان آدمی تھے اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے ذریعہ خلیفہ سلیمان اموی سے اپنی ضروریات کے لئے برابر مالی امداد حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر اموی کو ان کے مقام و مرتبہ اور الفت و محبت کا کتنا پاس تھا اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے ان سے ایک دن کہا کہ وہ ان کے محل میں اسی وقت آیا کریں جب ان کو اذنِ باریابی مل سکے کیونکہ ان کو یہ سخت شاق ہے کہ وہ ایسے اوقات میں آئیں جب ان کو حضرت عمر کی مصروفیت کی وجہ سے واپس جانا پڑے۔ حضرت عمر ثانی نے ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کو خلیفہ سلیمان کی ناگواری اور غصہ سے بھی ایک بار بچایا تھا (۳۳۷)۔

طبری اور صاحبِ اغانی کا بیان ہے کہ ۹۹ھ / ۷۱۷ء میں جب سلیمان بن عبد الملک نے متعدد اکابر اور شعراء کے ساتھ حج کیا اور واپسی کے سفر میں مدینہ منورہ میں قیام کیا تو وہاں چار سو رومی غلام بھی پکڑ کر لائے گئے تھے۔ خلیفہ سلیمان نے وہاں قیام کے دوران دربار منعقد کیا جس میں حضرت عبد اللہ بن حسن ثانی کو اپنی مسند کے قریب نشست دی اور رومی بطریق کو قتل کرنے کے لئے ان سے درخواست کی اور عبد اللہ ہاشمی نے جس طرح اس کو قتل کیا اس کی تعریف و تحسین اموی خلیفہ نے دل کھول کر کی (۳۳۸)۔

صاحبِ اغانی نے انھیں عبد اللہ بن حسن ثانی کے خلیفہ سلیمان اموی کے فرزند عبد الواحد سے، جو مدینہ منورہ کے گورنر تھے، برادرانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہرمہ مشہور شاعر تھا۔ اس کا بیان ہے کہ "جس شخص نے مجھے دنیائے شعر و ادب میں شہرت و عظمت دلوائی وہ عبد الواحد بن سلیمان اموی تھے۔ انھوں نے مجھ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں ان کے علاوہ کسی اور کی مدح نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ برابر میرے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرتے اور میرے مصائب و مشکلات حل کیا کرتے۔ جب وہ معزول ہو گئے تو میں نے ان کے سوا دوسرے لوگوں کی بھی مدح کی۔ عبد الواحد پھر مدینہ آئے تو ان کو بتایا گیا کہ میں نے اس شخص کی مدح کی تھی جس کے سبب ان کو معزول کیا گیا تھا تو انھوں نے مجھے باریابی سے روک دیا۔ میں نے ان سے ملاقات کی بہت کوششیں کیں مگر وہ ناکام رہیں۔ بالآخر میں نے عبد اللہ بن حسن ثانی سے درخواست کی کہ وہ ان سے میری سفارش کر دیں۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ ان کے پاس پہونچے۔ عبد الواحد اموی نے عبد اللہ بن حسن ہاشمی کا اٹھ کر استقبال کیا اور ان سے معانقہ کرکے ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور پھر ان کی آمد کا سبب پوچھا۔ عبد الواحد نے کہا کہ وہ ابنِ ہرمہ کے سوا ان کی ہر

درخواست قبول کرلیں گے مگر جب عبداللہ نے کہا کہ وہ اسی کی سفارش کے لئے آئے ہیں تو عبدالواحد کو وہ درخواست قبول کرتے ہی بن پڑی اور ان کی سفارش پر مجھے پرانی منزلت واپس مل گئی"(۳۳۹)۔

وکیع کندی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی، جو حضرت مروان بن حکم امویؒ کی ولایت کے زمانے میں مدینہ کے قاضی تھے، امیرِ حج سلیمان اموی کے ساتھ دورانِ حج مدینہ گئے۔ راستے میں ابواء کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا تو سلیمان اموی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ یہ واقعہ ۸۴ھ / ۷۰۳ء کا ہے یعنی خلافتِ عبدالملک کا لیکن سلیمان اموی سے ان کے تعلقات کے پیشِ نظر ان کی خلافت کے زمانے میں بیان کیا گیا(۳۴۰)۔

خلافتِ عمر بن عبدالعزیز (۱۰۱-۹۹ھ / ۲۰-۷۱۷ء)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اعلیٰ کردار و سیرت اور بنو ہاشم کے ساتھ ان کے حسنِ عمل کا اعتراف شیعی مورخوں تک نے کیا ہے (۳۴۱)۔ کیونکہ مشہور روایات کے مطابق خلیفہ موصوف نے اپنے عہدِ حکومت میں بر سر منابر حضرت علیؓ اور ان کے خاندان پر سب و شتم کا فعلِ شنیع اور دستورِ قبیح بند کر دیا تھا اور تمام مراکزِ اسلامی اور ولایاتِ حکومت میں اس پر پابندی عائد کر دی تھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے بنو ہاشم کو خمس میں حصہ دیا تھا اور باغِ فدک کی تولیت عطا کر دی تھی جس پر بنو امیہ ہی کی حکومت کے زمانے میں نہیں، بلکہ خلافتِ راشدہ کے آغاز سے بنو ہاشم کو شکایت چلی آ رہی تھی۔ ان بیمثل اقدامات کے ساتھ ساتھ خلیفہ اموی نے ان کے اکابر و اصاغر کے ساتھ بے انتہا صلہ رحمی کی تھی اور ان کے حقوق ادا کئے تھے (۳۴۲)۔ ان روایات میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کے اموی دستور کا حوالہ غلط اور اموی مخالف پروپیگنڈا ہے، جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے، کیونکہ خلفائے بنی امیہ اور ان کے بیشتر عمال و ولاۃ نے اس فعلِ قبیح کا ارتکاب ہی نہیں کیا تھا۔ البتہ بنو ہاشم کے ساتھ انھوں نے جو حسن سلوک کیا تھا وہ اموی خلفاء کے قدیم دستور کے مطابق تھا جیسا کہ مذکورہ بیانات سے ثابت ہو چکا ہے۔ ذیل میں حضرت عمرِ اموی کے عہد میں بعض اکابرِ بنی ہاشم کے ساتھ امویوں کے برادرانہ تعلقات کی کچھ اور مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

ابنِ سعد نے بشر بن حمید مزنی کی سند پر روایت بیان کی ہے کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بلا کر چار یا پانچ ہزار دینار کی رقم دی اور کہا کہ اسے لے کر گورنرِ مدینہ ابو بکر بن حزم انصاری کے پاس مدینہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اس میں پانچ یا چھ ہزار دینار اور ملا کر پورے دس ہزار دینار بنو ہاشم میں تقسیم کر دیں اور ان میں مساوات برتیں کہ مرد و عورت اور چھوٹے بڑے کو برابر رقم ملے۔ ابو بکر انصاری نے اس کی تعمیل کی مگر زید بن حسن ہاشمی کو اس پر غصہ آیا کہ ان کو بچوں کے برابر حصہ دیا گیا چنانچہ انھوں نے سخت باتیں کہیں اور حضرت عمر پر کافی نکتہ چینی کی۔ بعد میں زید بن حسن کو اپنے کہے پر پشیمانی ہوئی اور انھوں نے ابو بکر سے کہا کہ وہ ان کی بات امیر المومنین کو نہ لکھیں۔ لیکن موخر الذکر نے امیر المومنین کو صحیح بات سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھا لہذا تمام گفتگو لکھ بھیجی۔ البتہ بشر بن حمید مزنی نے ان کے بارے میں یہ کلمہ خیر بھی لکھا کہ وہ بہر حال عزیز و قریب ہیں چنانچہ خلیفہ اموی

نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور درگذر سے کام لیا (۳۴۳)۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں ابن سعد نے ایک دوسری روایت یحییٰ بن ابی یعلیٰ کی سند پر بیان کی ہے۔ اس کے مطابق ابو بکر انصاری نے جب خلیفہ اموی کا ارسال کردہ مال بنو ہاشم میں تقسیم کیا تو ہر انسان کو پچاس دینار ملے۔ گویا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں دو سو چھوٹے بڑے ہاشمی موجود تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ تقسیم مال کے بعد حضرت فاطمہ بنت حسین نے اسے بلا کر امیر المومنین کی خدمت میں ایک شاندار خط لکھوایا جس میں ان کے حسنِ سلوک کا شکریہ ادا کیا اور سابق حکمرانوں کے ظلم و پامالی حقوق کا شکوہ کیا۔ حضرت عمر اموی کو جب ان کا خط ملا تو انھوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا، قاصد کو دس دینار انعام دئے اور حضرت فاطمہ کو مزید پانچ دینار کا عطیہ بھیجا اور اپنے گرامی نامہ میں ان کے خاندانِ بنی ہاشم کے فضائل کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ ضرورتمندوں کی ضرورتوں اور حاجتوں سے دربارِ خلافت کو برابر مطلع کرتی رہیں تاکہ ان کے حقوق ادا کئے جاسکیں۔ ایک اور روایت میں بھی حضرت فاطمہ ہاشمی کے شکریہ اور حضرت عمر ثانی کے اظہارِ مسرت کا حوالہ دیا گیا ہے (۳۴۴)۔

ابنِ سعد کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ان کے علاوہ بنو ہاشم کے بعض اور حضرات نے ایک مشترکہ خط اپنے قاصد کے ہاتھ خلیفہ اموی کے پاس اپنا شکریہ ادا کرنے کے لئے بھیجا۔ اس میں انھوں نے حضرت عمر اموی کی صلہ رحمی کا ذکر کرنے کے بعد یہ شکوہ کیا تھا کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے سے ان کے حقوق کی پرواہ نہیں کی گئی۔ حضرت عمر ثانی نے جواب میں لکھا کہ میرے عہدِ خلافت سے قبل بھی میری یہی رائے تھی اور میں نے ولید بن عبد الملک اور سلیمان سے اس سلسلہ میں بات بھی کی تھی مگر ان دونوں نے میری بات نہیں مانی۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق دی (۳۴۵)۔ فاطمہ ہاشمی کے خط میں اور بنو ہاشم کے خطوط میں خلفاءِ سابقین کی لاپرواہی اور حقوقِ ہاشمی کی پامالی کا جو شکوہ کیا گیا ہے وہ الحاقی اضافہ اور سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ تمام اموی خلفاء نے اپنے عہدِ حکومت و ولایت میں کس طرح ان کے ساتھ صلہ رحمی کے تقاضے پورے کئے تھے۔

فاطمہ بنت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کے بارے میں ایک روایت ابنِ سعد نے یہ بیان کی ہے کہ ایک بار انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز اموی کا ذکر کر کے ان کے لئے زبردست دعائے خیر کی اور کہا: ”جب وہ امیر مدینہ تھے تو میں ان سے ملاقات کے لئے گئی۔ جب وہاں کوئی غیر نہیں رہا حتی کہ کوئی

بچہ اور محافظ بھی موجود نہیں تھا تو انھوں نے کہا: "اے دخترِ علیؓ! روئے ارض پر تم اہلِ بیت سے زیادہ مجھے اور کوئی گھرانہ عزیز نہیں اور اللہ کی قسم! تم تو مجھے اپنے خاندان والوں سے بھی زیادہ عزیز ہو" (۳۴۶)۔

ابنِ سعد ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابو بکر بن حزم انصاری نے جب بنو ہاشم میں سرکاری عطیہ تقسیم کرنا چاہا تو صرف بنو عبد المطلب ہی کو اس کا مستحق سمجھا۔ اس پر عبد المطلب کے خاندان والوں نے کہا کہ جب تک بنو مطلب بھی عطیہ سے سرفراز نہیں کئے جاتے، وہ بھی اسے قبول نہ کریں گے۔ ابو بکر بن حزم نے کئی دن غور و فکر کے بعد بالآخر حضرت عمر بن عبد العزیز اموی کو اس معاملہ کے بارے میں خط لکھا اور ان کی ہدایت چاہی۔ بیس پچیس دن کے بعد ان کا جواب آیا کہ بنو عبد المطلب اور بنو مطلب کے خاندانوں میں کوئی تفریق نہ کی جائے کہ وہ حسبِ دستور اور معاہدہ قدیم ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ یہ روایت بنو عبد المطلب کے ایک فرد حکیم بن محمد کی سند پر بیان ہوئی ہے (۳۴۷)۔ اس کے بعد ایک دوسری روایت، جو عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب ہاشمی کی سند پر بیان ہوئی ہے، بتاتی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے پہلا مال جو اہلِ بیت میں تقسیم کیا تھا اور جس میں مرد و عورت اور بچوں کو مساوی رکھا گیا تھا اس میں سے ہر فردِ اہلِ بیت کو تین ہزار ملے تھے۔ اس کے ساتھ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ زندہ رہے تو اہلِ بیت کے تمام حقوق ادا کر دیں گے (۳۴۸)۔ اس سے قبل والی روایت سے آخری روایت میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ اول میں پچاس دینار فی کس تقسیم ہونے کا ذکر آیا ہے۔ البتہ یحییٰ بن شبل کی روایت میں جو بنو عبد المطلب اور بنو مطلب کی تفریق کا ذکر پہلے آیا ہے اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ اس کے مطابق علی بن عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو جعفر محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے اس تفریق کا شکوہ کیا تھا جو بہر حال دوسری روایت کے مطابق دور کر دیا گیا تھا (۳۴۹)۔

ابنِ عساکر نے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک ابان اموی کی سند پر بیان کی گئی ہے کہ عبد اللہ بن حسن ہاشمی ایک مرتبہ عمر ثانی کے پاس آئے تو خلیفہ اموی نے ان کا استقبال کیا اور ان کو اپنی مجلس میں اپنی مسند کے قریب پہلو میں جگہ دی اور شفاعتِ نبوی کے حصول کی خاطر ان کے حصہ جسم کو بوسہ دیا (۳۵۰)۔ دوسری روایت میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ایک مولیٰ رزیق قرشی کے ساتھ اموی خلیفہ کے حسنِ سلوک کا ذکر کیا گیا ہے (۳۵۱)۔ یعقوبی نے ایک شیعی روایت میں ابو جعفر محمد بن علی بن حسین کے ان دو خطوط کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے خلیفہ سلیمان اموی اور عمر ثانی کو لکھے

تھے۔ دونوں میں یہ فرق تھا کہ اول الذکر کی تعریف و توصیف کی گئی تھی اور ثانی الذکر کو نصیحت و وعظ۔ یعقوبی نے اس کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سلیمان اموی جابر و ظالم تھے جبکہ عمر ثانی اہل بیت کے لئے سراپا سپاس تھے (۳۵۲)۔ بہر حال بنو ہاشم کے ساتھ حضرت عمر اموی کے حسنِ سلوک کے بنو امیہ کے دشمن بھی قائل ہیں لہذا مزید مثالوں کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک ہاشمی تبصرہ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے: محمد بن علی ہاشمی کہا کرتے تھے کہ "نبی ہم میں سے ہوئے اور مہدی بنو عبد شمس میں سے، اور ہم عمر بن عبد العزیز کے سوا کسی اور کو ایسا نہیں سمجھتے"۔ محمد علی باقر کہا کرتے تھے "ہر قوم میں ایک نجیبہ ہوتا ہے اور بنو امیہ کے نجیبہ عمر بن عبد العزیز ہیں جو قیامت میں ایک امتِ واحدہ کی طرح مبعوث ہوں گے" (۳۵۳)۔

خلافتِ یزید بن عبد الملک (۱۰۵-۱۰۱ھ / ۲۴-۷۲۰ء)

طبری، یعقوبی اور ابنِ ایاس ازدی نے اس دورِ خلافت میں بنو ہاشم و بنو امیہ کے تعلقات کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۰۴ھ / ۲۳-۷۲۲ء میں مدینہ منورہ کے گورنر عبد الرحمٰن بن ضحاک نے فاطمہ بنت حسین بن علی ہاشمیؓ کو نکاح کا پیغام دیا۔ جب انھوں نے قبول کرنے میں پس و پیش کیا تو گورنر نے چند آدمیوں کو ان کے پاس دھمکانے کی غرض سے بھیجا کہ اگر انھوں نے انکار کیا تو ان کے بڑے فرزند کو کوڑوں سے پیٹا جائے گا اور اس پر گورنر نے حلف اٹھالیا ہے۔ فاطمہ ہاشمی نے مجبور ہو کر خلیفہ یزید ثانی اموی کو خط لکھ کر تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ خلیفہ نے جب خط پڑھا تو مارے غیظ و غضب کے اپنے بستر سے گر پڑے اور اپنے گورنر کو برا بھلا کہا۔ پھر عبد الواحد بن عبد اللہ بن بشر نضری کو، جو طائف میں تعینات تھے، ہدایت کی کہ وہ مدینہ منورہ کی ولایت کا منصب سنبھال لیں، عبد الرحمٰن بن ضحاک کو معزول کر دیں اور اس سے چالیس ہزار دینار تاوان وصول کریں اور اس کو ایسی مار ماریں جس کی آواز دور تک سنی جائے۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی گئی۔ بعد میں عبد الرحمٰن بن ضحاک کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بالکل فقیر ہو گیا تھا اور اونی موٹے کپڑے پہنے بھیک مانگا کرتا تھا (۳۵۴)۔ بنو ہاشم سے بنو امیہ کی محبت اور خاندانِ بنی عبد مناف کے فخر و افتخار کے پاس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

خلافتِ ہشام بن عبدالملک (۱۲۵-۱۰۵ھ / ۷۴۳-۷۲۴ء)

خلفائے بنی امیہ میں آخری بڑے حکمراں ہشام بن عبدالملک تھے جنھوں نے اموی خلافت کی گرتی ہوئی عمارت کو بچانے کی پوری کوشش کی مگر اس کے نظم و نسق بالخصوص مالی ادارے اتنے کھوکھلے ہو چکے تھے کہ ان کی اصلاح تقریباً ناممکن ہو گئی تھی (۳۵۵)۔اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے تمام سیاسی طالع آزما جماعتوں کا اتحاد ہونے لگا تھایا کم از کم وہ ایک مقصد پر پوری طرح متفق ہوگئے تھے کہ خلافتِ بنی امیہ کو بہر صورت ختم کیا جائے۔ان میں خاندانِ حضرت علی کے حامی، حامیانِ بنو عباس اور سیاسی انقلاب کے حامی دوسرے عناصر پیش پیش تھے (۳۵۶)۔شیعانِ علیؓ کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے باوجود ہشام بن عبدالملک اموی کے بنو ہاشم کے تمام اکابر اور عوام سے تعلقات بہت اچھے رہے اور سیاسی اختلاف کے باوجود انھوں نے کسی معصوم و بیگناہ کے ساتھ زیادتی روا نہیں رکھی جیسا کہ ان کے طرزِ عمل کی مثالوں کے ضمن میں آگے آئے گا۔

خلیفہ سوم کے ایک پڑپوتے سعید بن عبداللہ بن ولید اموی بقول راویانِ خوش بیان حضرت علیؓ پر سب وشتم کے قائل تھے لہذا جب ۱۰۶ھ / ۷۲۵ء میں خلیفہ ہشام نے حج کیا اور سعید اموی ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے تو مقاماتِ مقدسہ پر انھوں نے حسبِ دستورِ خویش خلیفہ ہشام سے بھی لعنت کرنے کی درخواست کی۔طبری، ابنِ ایاس ازدی اور ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ ہشام کو یہ بات ناگوار گذری اور انھوں نے برافروختہ ہو کر کہا کہ وہ حج کرنے آئے ہیں، کسی کو برا بھلا کہنے یا لعنت بھیجنے کے لئے نہیں آئے اور اس کے بعد ان سے کلام نہیں کیا (۳۵۷)۔بلاذری کا بیان ہے کہ سعید بن عبداللہ کے والد نے عرفہ کے دن، جبکہ خلیفہ ہشام بر سر منبر تھے، سب وشتم کرنے کی درخواست کی تھی مگر انھوں نے اس کو اسی طرح مسترد کر دیا (۳۵۸)۔ابنِ عساکر نے اسی سبِ علیؓ کے ضمن میں یہ روایت بیان کی ہے کہ بنو امیہ کے ایک مولیٰ جنادہ بن عمرو حوران سے دمشق اپنا وظیفہ وصول کرنے آئے۔جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں ایک قصہ گو (قاص) کی مجلس میں بیٹھ گئے جس نے قصہ خوانی کے بعد سب و شتم علیؓ کیا، وہ برداشت نہ کر سکے اور اس کو مارنا شروع کیا۔اس کی چیخ پکار پر مسجد کے کارکنوں نے ان کو پکڑ لیا اور خلیفہ ہشام کے سامنے پیش کیا۔جب ان سے جرح کی گئی تو انھوں نے خلیفہ اموی کے رشتہ داروں اور رسولِ اکرم ﷺ کے عزیزوں پر سب وشتم پر اپنے غصہ کا اظہار کیا اور قصہ گو کو مارنے کا سبب

بتایا۔ خلیفہ ہشام اموی نے مسجد میں مار پیٹ کرنے کے جرم میں ان کو باریابی سے محروم ضرور کیا مگر حق پرستی کے انعام میں سندھ کا والی مقرر کر دیا (۳۵۹)۔ اس پوری روایت میں سبِ علیؓ کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے خلیفہ ہشام کا طرزِ عمل سامنے آتا ہے۔ آخری روایت اوپر کی دو روایتوں کے مقابلہ میں مثالی نمائندہ ہے۔ سبِ علیؓ کے باب میں عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ بنوامیہ کا مولیٰ تو اپنے سرپرست خاندان کی غیرت میں اسے برداشت نہ کر سکے اور خلیفہ اموی اپنے ہاشمی عزیزوں کے بارے میں اس قدر بے غیرت ہو جائے کہ نہ صرف اسے برداشت کرے بلکہ اپنے غیرت مند مولیٰ کو ایک طرح سے جلاوطن کر دے۔

ابنِ اثیر کی ایک روایت ہے کہ ۱۰۸ھ / ۲۷-۷۲۶ء میں موسیٰ بن محمد بن علی بن عبد اللہ عباسی نے بلادِ روم میں اموی حکومت کی فوجوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی جبکہ ان کی عمر سترہ سال تھی (۳۶۰)۔ گویا کہ وہ اپنی زندگی میں اموی خلفاء کے ساتھ تعاون کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح ابنِ ایاس ازدی کا بیان ہے کہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس یعنی اول الذکر عباسی بزرگ کے والدِ محترم ۱۲۳ھ / ۴۱-۷۴۰ء میں مدینہ پہونچے۔ وہ ہر سال وہاں جاتے اور دو ماہ قیام کرتے تھے۔ اس برس ایک بازار سے جب ان کا گذر بنوامیہ کے ایک مولیٰ کے پاس سے ہوا، جو لوہار تھا اور جس کا نام ابنِ سفتہ تھا، تو اس نے ہاشمی بزرگ کے خدمت میں بیس کپڑے ہدیہ کئے اور ہاشمی بزرگ نے اسے تین سو دینار عطیہ میں دئے (۳۶۱)۔

خلافتِ ہشام اموی کے ماہ صفر ۱۲۱ھ / جنوری۔فروری ۷۳۹ء میں حضرت حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کے پوتے زید بن علی کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ وہ زیدی شیعوں کے امام سمجھے جاتے ہیں اور واقعہ کربلا کے بعد ان کی شہادت کا واقعہ خاندانِ بنی ہاشم پر بنوامیہ کے جور و ظلم کا سب سے بڑا ثبوت قرار دیا جاتا ہے۔ بنوامیہ سے ان کے تعلقات اور پھر شہادت کا پس منظر یہ ہے کہ وہ اور بعض دوسرے اکابرِ بنی ہاشم جیسے محمد بن عمر بن علی بن ابی طالبؓ، داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ اور کئی قریشی اکابر کے دوستانہ تعلقات عراق کے گورنر خالد بن عبد اللہ قسری سے تھے۔ وہ ان کے پاس عراق آتے اور انعامات و اکرامات حاصل کیا کرتے تھے۔ کچھ دن قیام کر کے واپس مدینہ چلے جایا کرتے تھے (۳۶۲)۔ خالد بن عبد اللہ قسری کے زوال کے بعد طبری کے بقول ایک دن اس کے فرزند یزید نے ان بزرگوں کے ذمہ سرکاری مال واجب ہونے کا دعویٰ کیا۔ خالد قسری کے جانشین گورنرِ کوفہ

یوسف بن عمر ثقفی نے سارا معاملہ خلیفہ ہشام کو دمشق لکھ بھیجا۔اس وقت زید بن علی رصافہ میں تھے اور حضرت علی کی وقف آراضی کے سلسلہ میں حسن ثانی کے فرزندوں سے پرانے تنازعہ میں الجھے ہوئے تھے۔ان کے ساتھ عمر بن علی (ابن التغلبیہ) کے فرزند محمد بھی اس قضیہ میں شریک تھے۔ خلیفہ ہشام نے ان کو طلب کر کے یزید بن خالد قسری کے دعوے کے بارے میں استفسار کیا مگر انھوں نے اس کی تردید کی۔اموی خلیفہ نے حضرت زید بن علی کے اصرار و مشورہ پر ان سب کو گورنرِ کوفہ یوسف بن عمر ثقفی کے پاس بھیج دیا تاکہ فریقین کی موجودگی میں مسئلہ کا حل نکالا جائے۔ خلیفہ اموی نے گورنرِ کوفہ کے ظلم و زیادتی سے ان کو بچانے کے لئے ان کے ساتھ ایک محافظ دستہ بھی کر دیا جس پر ہاشمی بزرگوں نے خلیفہ کے عدل و انصاف کی تعریف کی۔بالآخر وہ کوفہ پہونچے جہاں ثقفی گورنر نے ان کی مدارات کی، پھر مال کے بارے میں شریفانہ سوال کیا۔جب ان سب نے پھر انکار کیا تو یزید بن خالد قسری سے ان کا سامنا کرایا گیا مگر وہ اپنے اصرار پر جمے رہے۔بعد میں مسجد میں نمازِ عصر کے بعد انھوں نے حلف اٹھایا کہ ان کے پاس کسی کا مال نہیں ہے۔گورنر نے خلیفہ کو سارے معاملہ سے آگاہ کیا اور وہاں سے جواب آیا کہ ان سب کو جانے دیا جائے۔چنانچہ سب لوگ مدینہ کو روانہ ہو گئے سوائے زید بن علی ہاشمی کے جو کوفہ میں مقیم رہے۔ایک روایت میں ہے کہ ہاشمی بزرگوں نے خالد قسری کے انعام کا تو اعتراف کیا تھا، مگر دس ہزار دینار یا کسی دوسرے مال کے وصول کرنے سے سراسر انکار کیا تھا (۳۶۳)۔

طبری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ زید بن علی دربارِ خلافت میں اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن حسن ثانی اور ان کے بھائی جعفر سے حضرت علیؓ کی وقف آراضی سے متعلق اپنا جھگڑا طے کرانے گئے تھے۔روایت کے مطابق زید بن علی بنو حسینؓ سے اور جعفر بن حسن بنو حسنؓ سے تولیتِ اوقاف کے معاملہ میں نزاع کرتے رہتے تھے۔وہ اموی والیوں سے برابر شکایتیں کرتے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے رہتے تھے لیکن اموی خلفاء و امراء اس معاملہ میں ہاتھ ڈالنے سے احتراز کیا کرتے تھے مگر مدعی حضرات بار بار دربارِ خلافت سے رجوع کیا کرتے تھے۔اموی حکومت کا شروع سے یہ خیال تھا کہ وقف کی شرائط میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی چاہئے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، چنانچہ خلیفہ ہشام نے بھی اس معاملہ میں دخل دینے سے صاف انکار کر دیا۔البتہ روایات کے مطابق اموی خلیفہ نے حضرت زید کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور ان کی تمام ضروریات پوری کیں۔بعد میں وہ کوفہ چلے گئے اور وہاں وہ

شیعوں کے فریب میں آگئے۔ انھوں نے اپنی خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی اور ایک انبوہِ کثیر اپنے گرد جمع کر لیا۔ گورنر یوسف بن عمر ثقفی کو ان کے حالات سے پوری آگاہی تھی۔ آخر کار ایک دن ان کے خلاف کارروائی کی گئی اور اس کے نتیجہ میں شیعوں اور حکومت کی فوج میں جنگ ہوئی جس میں زید بن علی مارے گئے اور ان کے شیعہ ساتھ چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ زید بن علی کے فرزند یحیٰ خراسان فرار ہوئے مگر پکڑے گئے اور نصر بن سیار گورنرِ ترکستان نے ان کو قید کر دیا (۳۶۴)۔

طبری اور یعقوبی کی روایات کا خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت کسی عداوت پر مبنی نہیں تھی بلکہ وہ خلافت کے حصول کے لئے انقلابی کوشش کرنے (خروج) کے سبب ہوئی تھی۔ ابنِ عساکر کا یہ بیان کہ وہ خلیفہ اموی کے ظلم و تعدی کا شکار ہوئے تھے اس لئے انھوں نے خروج کیا تھا (۳۶۵) صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ طبری اور یعقوبی کے بیانات سے میل نہیں کھاتا۔ ابنِ ایاس ازدی ۱۲۲ھ / ۴۰-۷۳۹ء کے واقعات کے ذیل میں لکھتا ہے کہ زید بن علی کے قتل کے بعد خلیفہ ہشام اموی نے عام بنو ہاشم کے نام اپنے خط میں زید بن علی ہاشمی کے کارنامے کی خبر دیتے ہوئے ان کے سوء تدبیر کی شکایت کی تھی اور اپنی معذوری ظاہر کی تھی (۳۶۶)۔

عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن عباس ہاشمی سے اموی خلیفہ کے تعلقات بہت شگفتہ رہے اور موخر الذکر ان کے ساتھ برابر حسنِ سلوک کرتے رہے۔ خود عبد اللہ عباسی بھی اموی خلیفہ کے حسنِ عمل اور حسنِ انتظام کے قائل تھے اور کہا کرتے تھے کہ "جب بنو امیہ کے دواوین جمع کئے گئے تو میں نے عوام و حکومت دونوں کے حق میں ہشام کے دیوان سے بہتر و صحیح اور کوئی دیوان نہیں دیکھا" (۳۶۷)۔ اس روایت اور دوسری روایات کے مقابلہ میں شیعی مورخ یعقوبی کی اس روایت کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے جس میں یہ شکوہ کیا گیا ہے کہ عبد اللہ عباسی جب ہشام اموی کے پاس گئے اور ان سے قرض سے اپنی گرانباری اور کثرتِ عیال کا شکوہ کر کے مالی امداد کی درخواست کی تو انھوں نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے فرزند ابو العباس بن عبد اللہ کی طرف اشارہ کر کے، جو ان کے ساتھ دمشق گیا تھا، یہ کہا کہ اس کے خروج کا انتظار کریں (۳۶۸)۔ ظاہر ہے کہ یہ روایت عباسی اور شیعی پروپیگنڈے کی زائیدہ ہے اور سراسر غلط ہے۔ اسی طرح یعقوبی نے ان کی امامت، اس پر ہشام کی بحث اور خروج کے سلسلہ میں ایک اور شیعی روایت نقل کی ہے (۳۶۹)۔

ایک اور ہاشمی بزرگ عبد اللہ بن حسن ثانی کے ساتھ خلیفہ ہشام اموی کے حسنِ سلوک کا

حوالہ اوپر گذر چکا ہے کہ خلیفہ نے علوی او قاف کی تولیت میں ان کے خلاف کسی کا دعویٰ قبول نہیں کیا تھااور ان کے حقوق کی ہر طرح حفاظت کی تھی۔ابنِ عساکر کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن حسن ثانی اموی خلیفہ کے پاس پہونچے توانھوں نے ان کا اعزاز واکرام کیااور ان کے دونوں فرزندوں محمداور ابراہیم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے۔ عبداللہ نے خلیفہ کو یہ کہہ کر اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ وہ کسی ناراضی یا خفگی کے سبب حاضر خدمت نہیں ہوئے بلکہ ان کو بادیہ نشینی اور خلوت گزینی زیادہ پسند ہے اس لئے وہ سماجی تعلقات کم رکھتے ہیں اور اموی خلیفہ نے ان کی بات کا اعتبار کرلیا(۳۷۰)۔اسی ضمن میں ابنِ عساکر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک دن عبداللہ بن حسن ہاشمی نے خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان امویؓ کی شہادت کا ذکر کیا تواس قدر روئے کہ ان کی ریشِ مبارک اور ملبوسات دونوں تر ہوگئے(۳۷۱)۔

مورخین نے اموی خلیفہ ہشام اور فاطمہ بنت حسن بن حسین بن علی ہاشمیؒ کے شگفتہ تعلقات کے بارے میں دو بڑی دلچسپ روایتیں بیان کی ہیں۔ان میں سے ایک وکیع کندی کی بیان کردہ ہے۔اس کے مطابق فاطمہ بنت حسن نے اپنے بھائیوں کے علم ومرضی کے بغیر اپنے فرزند حسن بن معاویہ جعفری کی مدد سے اموی خلیفہ کے ماموں ایوب بن سلمہ مخزومی سے شادی کرلی۔ان کے بھائی عبداللہ بن حسن نے اموی گورنرِ مدینہ خالد بن عبدالملک سے درخواست کی کہ وہ ان کا نکاح فسخ کردیں۔گورنر نے معاملہ اپنے قاضی عبداللہ بن صفوان جمحی کی عدالت کے سپرد کردیا۔ایوب مخزومی نے عدالت میں غصہ گرمی کا اظہار کیااور گورنرِ مدینہ اور قاضیِ مدینہ دونوں کو سخت برا بھلا کہا۔ مگر قاضی نے خلیفہ سے ان کی رشتہ داری کے سبب کوئی مواخذہ نہیں کیا۔بعد میں گورنر نے ان کا نکاح ضرور فسخ کردیااور ان کی بدزبانی پر ان کو کوڑے بھی لگوائے۔ایوب کے فرزند اسمٰعیل کا بیان ہے کہ ان کے والد نے ان کے ذریعہ ایک خط خلیفہ ہشام کو بھیجا جو وہ ان کی ہدایت کے مطابق عتبہ بن سعید اموی کے پاس لے کر پہونچے اور انھیں کی کوشش سے خلیفہ کے دربار میں بار پایا۔ خلیفہ نے پہلے تو سخت غصہ اور ناراضی کا اظہار کیا کہ ایوب مخزومی نے گورنر اور قاضی کے ساتھ بد تمیزی کی تھی مگر خالد بن عبدالملک کو خط لکھا کہ اگر فاطمہ ایوب مخزومی کے ساتھ رہنا پسند کریں توان کو رہنے دیا جائے کہ امیر المومنین نے ان کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے پسند کیااور ان کا نکاح برقرار رکھا گیا(۳۷۳)۔

بلاذری نے ایک اور دلچسپ روایت یہ بیان کی ہے کہ فاطمہ بنت حسینؓ نے عبداللہ المطرف

اموی سے شادی کر لی اور ایک دن وہ سکینہ بنت حسینؓ کے ساتھ خلیفہ ہشام اموی سے ملنے آئیں۔ خلیفہ نے فاطمہ ہاشمی سے ان کے دونوں سابقہ شوہروں، حسن ثانی اور عبداللہ اموی کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو انھوں نے ان کی خصوصیات بیان کیں اور خلیفہ اموی نے ان کی تصدیق کی۔ جب وہ جانے کے لئے اٹھے تو سکینہ نے ان کی چادر پکڑ کر ان کو برا بھلا کہا۔ خلیفہ نے ہنس کر ٹال دیا اور کہا کہ وہ اگرچہ فسادی عورت ہیں مگر بزرگ ہیں اس لئے وہ ان کا احترام کرتے ہیں (۴۳)۔ مذکورہ بالا روایات سے خلفاء وامراء بنی امیہ کے اکابرِ بنی ہاشم سے خوش گوار تعلقات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

خلافتِ اموی کا دورِ انحطاط (۱۲۵-۳۲ھ / ۵۰-۷۴۳ء)

ہشام بن عبد الملک اموی کے انتقال کے بعد اموی خلافت کا انحطاط تیزی سے شروع ہوا۔ انتظامی اداروں کی قوت ختم ہوئی۔ مالیات کا شعبہ بالکل مفلس ہو گیا اور سیاسی شوکت و حشمت کا جنازہ نکل گیا۔ مرکز دشمن قوتیں اور اسلام مخالف عناصر نے اپنی ریشہ دوانیاں تیز تر کر دیں، طرفہ ستم یہ ہوا کہ خاندانِ بنو امیہ کا باہمی اتحاد بھی سیاسی طالع آزمائی کی بھینٹ چڑھ گیا (۳۷۴) جو بقول ابنِ خلدون کسی بھی جماعت یا خاندان کی سالمیت و عصبیت کا اظہار اور قوت و طاقت کا سر چشمہ ہوتا ہے (۳۷۵)۔ ہمارے مورخوں کی نظر اسی بنا پر زیادہ تر سیاسی حوادث پر مرکوز رہی جس کے نتیجہ میں دوسرے معاملات مآخذ و مصادر میں زیرِ بحث نہ آسکے۔ اس دور میں بنوامیہ اور بنوہاشم کے تعلقات و روابط کے بارے میں کم معلومات ملتی ہیں۔ جو ملتی ہیں وہ بہر حال یہ واضح کرتی ہیں کہ سیاسی واقعات سیاسی کشمکش اور حصولِ اقتدار کے لئے کشاکش کے نتیجے تھے، نہ کہ اموی خلافت سے کسی گروہ یا قبیلہ کی نظریاتی مخالفت یا اسلامی خلافت کی بحالی کی مساعی پر مبنی تھے، البتہ اس کی سیاسی مخالفت بہر حال مقصود تھی کہ اس کے بغیر وہ خلافتِ اسلامی اور امتِ اسلامی کا شیرازہ منتشر نہیں کر سکتے تھے۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ زید بن علی کی شہادت کے بعد ان کے فرزند یحییٰ کو گرفتار کر کے نصر بن سیار، جو مشرقی علاقوں کے اموی گورنر تھے، مرو لے گئے اور ان کو قہندزِ مرو میں قید کر دیا اور اس کی اطلاع خلیفہ ہشام کو بھیجی مگر ان کا خط ہشام کی وفات کے بعد دمشق پہونچا۔ ان کے جانشین ولید بن یزید ثانی نے نصر بن سیار کو انھیں آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ایک دوسری ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ یحییٰ بن زید اپنی ہوشیاری سے قید خانے سے فرار ہو گئے تھے۔ یعقوبی نے دوسری روایت کو صحیح نہیں سمجھا ہے۔ اسی لئے اس کو قیل (کہا گیا) کے لفظ سے شروع کیا ہے جو اس کے عدمِ اعتماد کی دلیل ہے (۳۷۶)۔

طبری نے محرم ۱۲۷ھ / اکتوبر۔ نومبر ۷۴۴ء کے واقعات کے ضمن میں عبداللہ بن معاویہ جعفری کے خروج کا ذکر کیا ہے اور اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن معاویہ جعفری کے گورنرِ کوفہ عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز اموی سے قدیم تعلقات تھے۔ اور وہ گورنر سے انعام و اکرام ملنے کی امید سے آئے تھے اور ان کا ارادہ خروج کا نہ تھا۔ انھوں نے کوفہ پہونچ کر حاتم بن شرقی کی ایک دختر سے شادی بھی کی۔ جب عصبیت پیدا ہوئی تو اہلِ کوفہ نے ان کو اپنی بیعت کے لئے دعوت دینے کی ترغیب

دی کیونکہ بنوہاشم بنومروان کے مقابلہ میں زیادہ خلافت کے اہل ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کوفہ میں اپنی تحریکِ خلافت شروع کردی۔ اس وقت عبداللہ بن عمر اموی حیرہ میں تھے۔ جب ان کو اس کی خبر لگی تو انھوں نے عبداللہ بن معاویہ کو شکست دے کر ان کی تحریک کچل دی (۳۷۷)۔

طبری، ابنِ ایاس ازدی اور ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن حسن اور حسن و یزید فرزندانِ معاویہ جعفری عبداللہ بن عمر اموی کے پرانے دوست تھے۔ اسی سال وہ ان کے پاس نخع پہونچے اور ان کے ایک مولیٰ، جس کا نام ولید بن سعید تھا، کے گھر میں مہمان بن کر ٹھہرے۔ ابنِ عمر اموی نے ان کا اکرام کیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہوئے ان کا تین سو درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔ ان کا وہاں کافی طویل قیام رہا یہاں تک کہ یزید بن ولید اموی کی وفات ہو گئی اور لوگوں نے ان کے بھائی ابراہیم بن ولید اموی اور ان کے بعد عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک اموی کی بیعت کرلی۔ دربارِ خلافت سے ان دونوں کی بیعت لینے کا حکم عبداللہ بن عمر اموی کے پاس کوفہ پہونچا چنانچہ ہاشمی بزرگوں نے بھی ان دونوں کی بیعت کرلی۔ گورنر نے ان کے عطیہ میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ ان دونوں امویوں کی بیعت کے لئے تمام مراکز اور علاقوں کو لکھا گیا اور وہاں سے بھی ان کی بیعت کے انعقاد کی خبر آ گئی۔ اسی دوران خبر آئی کہ مروان بن محمد اموی گورنرِ جزیرہ اپنی فوج کے ساتھ خلیفہ ابراہیم بن ولید کے خلاف فوج کشی کر کے بڑھ رہا ہے کیونکہ اس نے بیعت سے انکار کر دیا ہے اور خود خلافت کا مدعی ہے۔ عبداللہ بن عمر اموی نے عبداللہ بن معاویہ جعفری کو پرانے تعلقات کی خاطر اپنے پاس مہمان رکھا اور ان کے روزینہ میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ جب مروان ثانی نے ابراہیم بن ولید اور عبدالعزیز بن حجاج کو شکست دے دی اور شیعوں نے خلافتِ اموی کی کمزوری محسوس کرلی تو انھوں نے عبداللہ بن معاویہ جعفری کی بیعت کی دعوت دینی شروع کر دی اور ابنِ عمر اموی نے عبداللہ بن معاویہ کو عراق سے نکال دیا (۳۷۸)۔

طبری نے ایک اور روایت میں لکھا ہے کہ قبائلی عصبیت اور سیاسی شورش کے زمانے میں بھی عبداللہ بن عمر اموی اور ایک ہاشمی بزرگ عباس بن عبداللہ بن عبداللہ بن حارث بن نوفل کے درمیان دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم رہے اور بالآخر وہ دونوں عراق کی شورش کے زمانے میں ساتھ ساتھ قتل کئے گئے (۳۷۹)۔ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ ۱۲۹ھ / ۷۴۷-۷۴۶ء میں ابو حمزہ اور بلج بن عقبہ ازدی خارجی سات سو کی جمعیتِ خوارج کے ساتھ مکہ مکرمہ حج کرنے پہونچے۔ حرمین شریفین کے اس

وقت کے گورنر عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک اموی نے ان سے صلح کرلی اور دونوں جماعتوں نے میدانِ عرفات میں الگ الگ خیمے لگائے اور مامون و محفوظ رہے۔ بعد میں عبدالواحد اموی نے عبداللہ بن حسن ثانی ہاشمی، محمد بن عبداللہ بن عمرو عثمانی، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر تیمیؒ، عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب عدویؒ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو دوسرے اصحاب کے ساتھ ابوحمزہ خارجی سے گفت وشنید کے لئے بھیجا۔ ہاشمی اور اموی بزرگوں کا نام ونسب سن کر اس نے منہ بنایا، البتہ صدیقی اور فاروقی بزرگوں سے بہتر سلوک کیا اور شیخین کی سنت پر چلنے کا اقرار کیا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن حسن نے تفضیلِ شیخین پر غصہ کا اظہار کیا اور امیرِ مدینہ کا خط اس کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد ان کی ملاقات ختم ہوگئی (۳۸۰)۔ اس آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید عصبیت کے زمانے میں بھی بنوہاشم اور بنوامیہ کے درمیان باہمی خوشگوار تعلقات وروابط موجود تھے۔ اموی خلافت کے خلاف جو عباسی یا شیعی تحریکات اس زمانے میں چلائی جارہی تھیں ان کا بنیادی سبب اقتدار کے حصول کی کشمکش تھی، کوئی خاندانی یا قبائلی رقابت وعداوت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بقولِ ابنِ ایاس ازدی وابنِ اثیر بنوعباس کے شیعوں نے جو اپنے نقباء کی جماعت ۱۰۷ھ / ۲۶-۷۲۵ء میں بنائی تھی ان میں ایک ابومعیط اموی کا مولیٰ ابوالنجم عمران بن اسمٰعیل قرشی بھی شامل تھا (۳۸۱)۔

اموی خلافت کے دورِ انحطاط میں بنوہاشم اور بنوامیہ کے خاندانوں میں اگر ایک طرف سیاسی کشمکش بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ان میں ازدواجی رشتے زیادہ سے زیادہ استوار ہو رہے تھے۔ یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی کشمکش بنوامیہ کے حکمران خاندان سے ضرور تھی تاہم دوسرے اموی خاندانوں سے کسی کو کوئی بغض وعناد نہیں تھا۔ پھر یہ اختلاف زیادہ تر عباسی خاندان اور حکمراں مروانی خاندان کی سیاسی آویزش تک محدود تھا۔ چونکہ ان ازدواجی رشتوں کی توقیت کرنی مشکل ہے اس لئے ہم ہاشمی خاندانوں کی ترتیبِ فضیلت کے لحاظ سے ان رشتوں کو مختصر طور سے بیان کر رہے ہیں۔

حسنی خانوادے کی متعدد خواتین کے بنوامیہ میں رشتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ متعدد ہاشمی مردوں نے بھی اپنے اموی عم زاد خاندانوں میں رشتہ مصاہرت قائم کرنے میں اپنی خواتین سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ بلاذری، طبری، اور ابنِ حزم کا بیان ہے کہ حضرت حسنؓ کے ایک پوتے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن ہاشمیؒ نے خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان امویؓ کی ایک سگی پوتی رقیہ صغریٰ بنت محمد دیباج الاصغر بن عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ سے اموی خلافت کے اواخر میں شادی کی

تھی۔ان دونوں خاندانوں میں رشتہ مصاہرت کے علاوہ گہرے برادرانہ تعلقات تھے جن کے سبب محمد دیباج اموی کو نہ صرف قید و ضرب کی آزمائش سے گذرنا پڑا تھا بلکہ منصور عباسی کے عہد میں نفسِ زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسن ہاشمی کے خروج کے زمانے میں موت کے گھاٹ بھی اترنا پڑا تھا(۳۸۲)۔ بہرحال رقیہ صغریٰ اموی اپنے ان ہاشمی شوہر کے بعد ایک عباسی شوہر کے حبالہ نکاح میں آئی تھیں جو اواخرِ عہدِ اموی کا واقعہ ہے جس کا ذکر کچھ دیر بعد آئے گا۔

حسینی خانوادے کی دو دختروں کی مانند دو فرزندوں نے بھی بنوامیہ سے رشتہ مصاہرت قائم کیا تھا۔ان میں سے ایک حضرت علی زین العابدین کے پوتے حسن بن حسین بن علی زین العابدین تھے جنھوں نے سعیدی خانوادے کی ایک دختر خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعید بن العاص اموی سے شادی کی تھی جن سے دو صاحبزادے محمد اور عبداللہ اور ایک دختر فاطمہ نے جنم لیا تھا(۳۸۳) جبکہ حضرت زین العابدین کے دوسرے پوتے اسحاق بن عبداللہ بن علی نے خلیفہ سوم کی پڑپوتی عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان اموی سے نکاح کیا تھا جس سے ایک فرزند یحییٰ تولد ہوئے تھے(۳۸۴)۔

دوسرے علوی خاندانوں کے بارے میں معلومات عموماً کم ملتی ہیں تاہم یہ ضرور ثبوت ملتا ہے کہ انھوں نے کم و بیش تمام اموی خاندانوں سے ازدواجی روابط استوار کئے تھے۔چنانچہ محمد بن الحنفیہ علوی کے خاندان کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ ان کی ایک پوتی لبابہ بنت عبداللہ علوی نے سعیدی خاندان کے ایک فرد سعید بن عبداللہ بن عمرو بن سعید بن عاص اموی سے شادی کی تھی(۳۸۵)۔اسی طرح حضرت علی کے ایک اور صاحبزادے عباس بن الکلابیہ کی ایک پوتی نفیسہ بنت عبداللہ بن عباس ہاشمی نے خلیفہ یزید اول کے ایک پوتے عبداللہ بن خالد اموی سے نکاح کیا تھا اور اس رشتہ سے ان کے دو فرزند علی اور عباس پیدا ہوئے تھے(۳۸۶)۔حادثہ کربلا کے پس منظر میں یہ رشتہ کافی اہم ہے کیونکہ ان کے جد امجد عباس الکلابیہ نے اپنے تین دوسرے بھائیوں عثمان، جعفر اور عبداللہ کے ساتھ حضرت حسین کے ساتھ جان دی تھی لیکن انھیں عباس علوی کے فرزند عبداللہ علوی نے اپنی دختر کی شادی اسی اموی خلیفہ کے پوتے سے کردی تھی جس کے عہد میں ان کے والدِ گرامی اور تین چچا موت کے گھاٹ اتار دئے گئے تھے۔ حضرت علی ہاشمیؓ کے پانچویں فرزند عمر بن التغلبیہ کے کئی فرزندوں اور دختروں کا ذکر ہمارے مصادر میں آیا ہے مگر ان میں سے کسی کے امویوں سے منسوب ہونے کا حوالہ نہیں ملتا۔

جعفری خانوادے نے بنوامیہ کے دورِ انحطاط میں بھی ان سے ازدواجی تعلقات استوار رکھے

تھے چنانچہ اس کی ایک دختر رملہ بنت محمد بن جعفر بن ابی طالب ہاشمیؒ نے یکے بعد دیگرے دو امویوں سے شادی کی تھی۔ ان کی پہلی شادی سلیمان بن ہشام بن عبد الملک اموی سے غالباً عہدِ ہشام کے بعد کسی وقت ہوئی تھی جو ان کے شوہر کے قتل تک قائم رہی (۳۸۷) اور دوسری شادی سفیانی گھرانے کے ایک فرد ابو القاسم بن ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اموی سے ہوئی تھی اور عباسی انقلاب میں موخر الذکر کے قتل تک باقی رہی (۳۸۸)۔ بغدادی کے مطابق حضرت جعفر طیارؓ کی ایک سگڑ پوتی ربیحہ بنت محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر ہاشمی نے یکے بعد دیگرے دو امویوں یزید بن ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان اموی اور ان کے بعد بکار بن عبد الملک بن مروان اموی سے شادی کی تھی (۳۸۹)۔ عباسی خانوادے کے ایک فرد محمد بن ابراہیم بن علی بن عبد اللہ بن عباس ہاشمی نے بھی حضرت عثمان بن عفان امویؓ کی ایک پوتی رقیہ صغریٰ بنت محمد الدیباج الاصغر بن عمرو اموی سے اسی زمانے میں شادی کی تھی (۳۹۰)۔ رقیہ اموی کا ذکر آچکا ہے کہ انھوں نے اس سے پہلے ایک اور ہاشمی سے نکاح کیا تھا۔ ان کے علاوہ متعدد ازدواجی رشتے بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رہے ہوں گے مگر ان کی تحقیق کافی دقت طلب اور ایک سیر حاصل تحقیقی مقالے کا موضوع ہے۔

حرفِ آخر

بنو عبد مناف کے دو اہم ترین اور قریب ترین خاندانوں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات کا مذکورہ بالا تجزیہ بلا ریب ثابت کرتا ہے کہ تاریخِ اسلامی کے ہر دور میں ان دونوں عم زاد خاندانوں کے درمیان یگانگت والفت کے تعلقات ہمیشہ قائم ودائم رہے۔ عہدِ جاہلی میں جس مفاہمت و تعلق اور دوستی و یگانگت کی بنا ان دونوں بطونِ قریش کے درمیان استوار ہوئی تھی وہ عہدِ اسلامی کے تمام ادوار -عہدِ نبوی، خلافتِ راشدہ، خلافتِ اموی اور یہاں تک کہ خلافتِ عباسی کے اواخر تک- قائم و استوار رہی اور پروان چڑھتی رہی۔ بلاشبہ کبھی کبھی ان کے تعلقاتِ محبت والفت میں اتار چڑھاؤ آئے۔ کبھی کبھی مسلکی اختلاف اور سیاسی نزاع بھی پیدا ہوا، بعض اوقات ذاتی رنجش اور انفرادی عداوت بھی برانگیختہ ہوئی۔ کبھی نجی چشمک نے سر اٹھایا تو کبھی حالات کی ستم ظریفی نے ان کے بعض افراد و طبقات کو دو متحارب و متصادم گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مگر ان سب ذاتی و مسلکی نزاعات اور انفرادی و نجی اختلافات کے سبب ان کے خاندانوں میں قبائلی رقابت یا خاندانی عداوت ہرگز نہیں پیدا ہوئی اور وہ تاریخِ اسلامی کے ہر دور میں عزیز خاندانوں کے طور پر پھلے پھولے اور پروان چڑھتے رہے۔

ہمارے متعدد متعصب، جانبدار اور خدا ناترس مورخوں اور سیرت نگاروں نے اکثر و بیشتر جان بوجھ کر اور کبھی کبھی انجانے میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت اور خاندانی عداوت کا شاخسانہ کھڑا کیا ہے۔ جاہلی دور کے دو تین منافروں کا ذکر کر کے وہ ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ خاندانی رقابت و دشمنی کا اظہار تھا حالانکہ تجزیہ بتاتا ہے کہ وہ دو افراد کا نجی معاملہ تھا جس سے ان کے دونوں خاندانوں کو کچھ زیادہ لینا دینا نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ ظالم وقائع نگار ان تمام روایات کی نفی کرتے ہیں یا ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن سے ان دونوں شریف خاندانوں کے اصلی اور شائستہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نہ صرف بنو عبد مناف کے ان دونوں خاندانوں اور ان کے افراد کو بلکہ ان کے دو اور خاندانوں -بنو نوفل اور بنو مطلب- کو یہ احساس و پاس تھا کہ وہ ایک بڑے خاندان کے رکن ہونے کے سبب خون کی محبت اور قرابت کا تعلق رکھتے ہیں بلکہ قریش کے دوسرے تمام خاندانوں کو بالخصوص اور قبائل عرب کو بالعموم یہ یقین کی حد تک اطمینان تھا کہ ان کے سماجی اور خاندانی تعلقات کو کوئی عنصر نہ تو منفی طور سے متاثر کر سکتا ہے اور نہ ان کو اتحاد و اتفاق کی سرحد سے نکال کر عداوت و

دشمنی کے قعرِ مذلت میں گرا سکتا ہے۔اسی کا ایک مظاہرہ تھا کہ عہدِ جاہلی میں بنو زہرہ کے مقابلہ میں بنوامیہ نے اپنی سیاسی گروہ بندی کے خلاف بنو ہاشم کا ساتھ دیا تھا۔جنگِ فجار میں دونوں نے اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی اور جنگِ بدر میں ابو جہل مخزومی نے عتبہ بن ربیعہ اور دوسرے اموی سرداروں کو اسی پاس و لحاظ کا طعنہ دیا تھا۔سچ یہ ہے کہ مکی سیاست میں، خواہ وہ عہدِ جاہلی کی رہی ہو یا عہدِ اسلامی کی، دونوں خاندانوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا اور کبھی ان کے ہاتھ دوسرے کے خلاف نہیں اٹھے تھے۔

سماجی سطح پر دونوں عظیم ترین خاندانِ بنی عبد مناف۔۔بنوامیہ و بنوہاشم۔۔کے تعلقات ہمیشہ نہ صرف شگفتہ رہے بلکہ بسا اوقات مثالی بھی رہے۔ان میں ان کے خاندانی تعلقِ خاطر، خون کے رشتہ اور احساسِ یگانگت کے علاوہ کئی اور عوامل و محرکات بھی کارفرما رہے تھے۔اولین عامل تو یہی تھا کہ وہ خون کے رشتہ سے ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ تھے مگر دلی دوستی اور تعلقِ خاطر، جو قربت و قرابت کے سبب پیدا ہوتا ہے، وہ بھی ان میں موجود تھا جس کا مظاہرہ ابو سفیان امویؓ و عباس ہاشمیؓ اور ابو طالب ہاشمی و مسافر اموی کے درمیان برادرانہ تعلقات کی شکل میں ہوا تھا۔بعد میں یہی تعلق قریبانہ مروان امویؒ اور علی زین العابدین ہاشمی، حضرات عبد اللہ بن جعفر ہاشمی اور معاویہ بن حرب اموی اور متعدد دوسرے اکابرِ بنی ہاشم و بنی امیہ کے درمیان قائم ہوا یا جاری رہا۔یہی سبب ہے کہ عہدِ جاہلی یا عہد اسلامی میں جب کبھی ان دونوں خاندانوں کے بعض افراد کے درمیان بشری تقاضوں کے سبب ناگواری اور ناہمواری پیدا ہوئی تو دونوں خاندانوں کے بزرگوں نے اس کو دور کرنے کی کوشش کی اور کبھی ان کے اختلاف سے سیاسی یا سماجی فائدہ نہیں اٹھایا۔بنو عبد مناف کی یگانگت و اتحاد اور تعلقِ خاطر کو قائم و دائم رکھنے کا نہ صرف جذبہ ان دونوں میں برقرار رہا بلکہ اس کو طرۂ امتیاز جان کر پروان چڑھانے کا مستحسن عمل بھی۔جب کبھی ذاتی اور نجی اختلاف و تنازعہ سے ان کے متعلقہ افراد کے دلوں پر گردِ ناگواری پڑ گئی تو دونوں کے بزرگوں نے اس کو دور کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی اور خاندانی تعلقاتِ مودت کے پاک دامن کو اس کے داغوں سے بچائے بھی رکھا۔

قبائلی رقابت اور خاندانی رقابت کے ضمن میں اکثر و بیشتر بنوامیہ کے اسلام کے خلاف رویہ، حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سیاسی اختلاف، حضرات علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان ناہمواری، حضرات حسینؓ و یزید کے سیاسی نزاع اور اموی خلفاء کے مقابل بعض ہاشمی بزرگوں

کے خروج پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر اپنا مقصود حاصل کیا جاتا ہے حالانکہ تاریخی اور دیانتدارانہ تجزیہ واضح کرتا ہے کہ اول تو ان میں سے بعض واقعات تاریخ کی کسوٹی پر کھرے نہیں اترتے اور بعض واقعات جو صحیح ہیں وہ دراصل انفرادی معاملات تھے، نہ کہ خاندانی تعلقات کی خرابی کے مظاہر۔ اسلام کے باب میں بنو امیہ پر یہ قطعی بہتان عظیم ہے کہ انھوں نے خاندانی دشمنی یا قبائلی عصبیت کے سبب اسلام کی مخالفت کی تھی۔ ان کے افراد نے اسی طرح مذہبی بنیادوں پر اختلاف کیا تھا جس طرح ہاشمی یا دوسرے قریشی اور عربی قبائل کے افراد نے۔ پھر ہاشمی رسول ﷺ کے ماننے والوں میں ان کے اپنے خاندان کے بالمقابل اموی افراد اور خانوادے عددی اعتبار سے زیادہ تھے۔ حضرات علیؓ و عثمانؓ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا اور اگر بعض معاملات پر دونوں کی رائے مختلف بھی تھی تو پالیسی و حکمتِ عملی کے اختلاف کے نتیجہ میں تھی، ورنہ حضرت علی ہاشمیؓ حضرت عثمان امویؓ کے اسی طرح حامی تھے جس طرح حضرت معاویہ امویؓ اور ان کے ساتھی۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا اختلاف اور جنگ آرائی سیاسی اختلاف کا نتیجہ تھا جو خون کے حقیقی رشتہ داروں بلکہ پدر و فرزند اور بھائیوں کے درمیان بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنگِ صفین میں حضرت عقیل ہاشمیؓ حضرت معاویہ امویؓ کے ساتھ اور اپنے حقیقی بھائی کے خلاف نہ کھڑے ہوتے۔ یہی سیاسی و مسلکی اختلاف حضرات حسینؓ و یزید کے درمیان تھا۔ یہی نہیں بلکہ حضرت زید کے خروج اور بعض دوسرے سیاسی واقعات میں بھی یہی اختلافِ رائے و خیال کارفرما تھا۔ یہی سبب ہے کہ فریقین کا ساتھ بالخصوص ہاشمی بزرگوں کا ساتھ ان کے خاندانوں کے چند افراد کے سوا اور کسی نے نہیں دیا تھا بلکہ ان کے اکثر خاندانوں نے فریقِ مخالف کے ساتھ اپنے تعلقات استوار و شگفتہ رکھے تھے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اپنے مخالف عزیزوں کے حق میں یا ان کی اشک شوئی کی خاطر کم از کم غیر جانبداری پر عمل پیرا ہو سکتے تھے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انھوں نے نجی تعلقات کو اور شگفتہ، سماجی روابط کو اور مضبوط اور سیاسی مفاہمت و تعاون کو اور زیادہ گہرا اور پائیدار بنایا تھا۔

عہدِ جاہلی میں جس ندیمی، تجارتی شراکت اور خاندانی مصاہرت کا آغاز ہوا تھا وہ عہدِ اسلامی کے تمام ادوار میں نہ صرف قائم و دائم رہا بلکہ ان میں اور مضبوطی اور پائیداری آئی، زیادہ وسعت و گہرائی پیدا ہوئی۔ اب تعلقاتِ دوستانہ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تھا۔ عہدِ نبوی میں رسولِ ہاشمی ﷺ نے بنو امیہ کو سرکاری عہدوں پر سب سے زیادہ فائز کیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ بھی زیادہ کیا۔ یہ صحیح

ہے کہ خراج وفے میں آپ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ان کی قدیم محبت و تعلقِ خاطر کی بنا پر ترجیح دی مگر بنو امیہ اور ان کے دوسرے عزیزوں کو خمس اور غنیمت میں ترجیح دی اور عام حالات میں بھی نوازا۔ یہاں یہ عنصر نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ اموی خانوادے کے زیادہ تر افراد مالی لحاظ سے مضبوط اور تجارتی اعتبار سے مستحکم تھے اس لئے ان کو ہاشمیوں اور مطلبیوں کے مقابلہ میں اتنی مالی اعانت کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے برخلاف بنو ہاشم و بنو مطلب کے بیشتر افراد تجارتی اور مالی لحاظ سے کافی کمزور تھے۔ مزید برآں مدنی عہد میں بھی ان کی مالی حیثیت مستحکم نہیں ہو سکی۔ کچھ تو اسلامی حکومت کی خدمت کے سبب اور کچھ دوسرے اسباب سے جن میں افرادی قلت بالخصوص مردوں کی قلت بھی ایک سبب تھا۔ اسلامی حکومت و ریاست کی خدمت میں اموی خانوادوں کے افراد پیچھے نہ تھے۔ وہ فوجی سالار و سپاہی رہے تھے، انتظامیہ میں گورنر و والی، عامل اور دوسرے اہم عہدوں پر فائز رہے تھے۔ مالیہ میں انھوں نے صدقات کی وصولیابی کا کام انجام دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مذہبی میدان میں اللہ و رسول کی تعلیمات کو بھی عام کیا تھا۔ ان کی ذاتی لیاقت و صلاحیت کے علاوہ ان کی افرادی قوت بھی زیادہ تھی جس کے سبب وہ تجارت و حرفت اور زراعت کے میدان میں آگے رہے تھے مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے ہاشمی عزیزوں کی دوستی، مودت اور محبت کے دامن کو نہیں چھوڑا تھا۔

اس تعلق کو مضبوط کرنے میں ان دونوں خاندانوں کے رشتہ ازدواج و مصاہرت کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ عہدِ جاہلی میں ان کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہوئے اور عہدِ نبوی میں ان میں مزید استحکام آیا۔ خلافتِ راشدہ میں ان تعلقات کی نوعیت کا زیادہ علم نہیں ہوتا تاہم یہ لازمی ہے کہ وہ قائم ہوتے رہے تھے اور اموی عہد میں یہ تعلقات اپنی بہترین صورت اور قابلِ تقلید معراج پر تھے۔ یہ تعلقات دوطرفہ تھے کہ بنو امیہ و بنو ہاشم کے متعدد خاندانوں اور شاخوں کے درمیان قائم ہوتے رہے تھے۔ عربوں کے سماجی تعلقات اور قبائلی روابط میں ماں کے خاندانوں سے رشتہ داری بہت اہمیت رکھتی تھی اور وہ بالعموم دوستی، یگانگت اور محبت کو فروغ دیتی تھی اور یہی ان دونوں خاندانوں کے ازدواجی رشتوں کا معاملہ تھا۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے روابطِ محبت و مودت ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہیں جن کا انکار صرف جانبدار، متعصب اور اسلام دشمن عناصر ہی کر سکتے ہیں کہ ان کے قلب و نگاہ دونوں ہی کج ہیں۔

تعلیقات وحواشی

(۱)عہد جدید کے بعض معروضی مطالعات کے سوااسلامی تاریخ پر لکھی گئی تمام تحریریں، خواہ وہ مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلمانوں کی، مشرقیوں کی ہوں یا مغربیوں کی، جدید مورخوں کی ہوں یا قدیم مصنفوں کی، بنوہاشم و بنوامیہ کی قبائلی رقابت اور خاندانی عداوت کی کہانی سناتی نظر آتی ہیں مثلاً اردو میں ملاحظہ ہو: مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین ،اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، اول ۱۹۸، ۲۰۱ وغیرہ؛ قاضی سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۲۱ء، دوم ۲-۱۷۱؛ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، دارالمصنفین ،اعظم گڑھ ،۱۹۶۶ء، جلد اول، ۲۲ ومابعد؛ اور متعدد دوسری کتبِ سیرت و تاریخ۔ اس تاریخی پروپیگنڈے کے اثرات سے بہت سی دینی تالیفات بھی محفوظ نہیں رہیں۔

عربی میں ملاحظہ ہو: علی حسنی الخربوطلی، **الدولة العربية الاسلاميه**، عیسی البابی، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ۱۳ ومابعد؛ محمد حسین ہیکل، **حیاة محمد**، مکتبہ نہضہ مصریہ، قاہرہ ۱۹۵۲ء، ۹۸، ۴۷ وغیرہ؛

انگریزی میں ملاحظہ ہو: سید امیر علی، *A Short History of the Saracens*، لندن ۱۹۵۱ء، ۴۵ وغیرہ؛ آر، اے، نکلسن (R.A.Nicholson)، *A Literary History of Arabs*، لندن ۱۹۲۳ء، ۶۵ وغیرہ؛

(۲)جدید اسلامی تاریخ نویسی پر معاصر تحقیقات ملاحظہ کریں، خاص کر فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal) کی کتاب *History of Muslim Historiography*، لائیڈن ۱۹۵۲ء، ۷۰-۵۹، ومابعد؛ نثار احمد فاروقی، *Early Muslim Historiography*، ادارہ ادبیات دلی، دہلی ۱۹۷۹ء، ۳۰۳-۲۷۱ بالخصوص؛ عبد العزیز دوری، **بحث فی نشاة علم التاریخ عند العرب**، مطبعہ کاثولیکیہ، بیروت ۱۹۶۰ء، ابتدائی ابواب؛ سعید احمد اکبرآبادی، عثمان ذو النورین، ندوۃ المصنفین ،دہلی ۱۹۸۳ء، مقدمہ ۵۳-۵؛ محمد اسحاق صدیقی سندیلوی، اظہارِ حقیقت، دارالکتب امدادیہ، کراچی، اول، مآخذ کی بحث بالخصوص ۱۲۴-۸۸؛ صلاح الدین یوسف، خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت، نعمانی کتب خانہ، لاہور ۱۹۸۵ء، ۹۹-۱۴۳؛ راقم کا مقالہ، "اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اوران کا حل" مجلّہ علوم اسلامیہ، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جلد ۱۳، شمارہ ۲-۱، ۱۹۸۷ء، ۱۰۴-۶۹۔

(۳) خلافتِ اموی پر تحریر کردہ تمام کتابیں بالخصوص اور سیرتِ نبوی سے متعلق نگارشات بالعموم اسی عقیدہ کی حامل ہیں۔ ملاحظہ ہوں حاشیہ اکی کتابیں؛ نیز دوسرے شیعی اور جانبدار مورخین کی تحریریں۔

(۴) عباسی عہد میں اسلامی مصادر کی تدوین اور ان کے رجحانات کے لئے تاریخ نویسی پر مذکورہ بالا معاصر مطالعات ملاحظہ کریں۔ عباسی انقلاب کے عناصر ترکیبی اور اثرات کے لئے ملاحظہ ہو: ولہاسن (Wellhausen)، *Arab Kingdom and its Fall*، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۸۳ء، کا آخری باب بالخصوص؛ فاروق عمر، **طبعیۃ الدعوۃ العباسیۃ**، دارالارشاد، بیروت ۱۹۷۰ء، بالخصوص فصلِ اول، دوم اور سوم ۱۵۰-۱۹؛ ایم، اے، شعبان، *The Abbasid Revolution* کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۷۰ء، بالخصوص آخری دو ابواب۔

(۵) امام ابنِ تیمیہ، **مجموعۃ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ**، ریاض، ۱۳۹۸ھ، جلد ۳۵: ۱۹-۱۸، ۲۳، ۲۷-۲۶؛ جلد ۴، ۸۹-۸۷۔ نیز خاکسار کا مقالہ: امام ابن تیمیہ اور مطالعہ تاریخِ اسلامی، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۸ء، امام موصوف کے تبصروں کے لئے جو انھوں نے اسلامی خلافت کے مختلف ادوار کی بابت کئے ہیں۔

(۶) مثلاً ملاحظہ ہو: سید ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۶۹ء، ۱۹۱-۱۰۳ کا پورا نظریہ اسی پر مبنی ہے؛ نیز ملاحظہ ہوں مذکورہ بالا جانبدار تاریخی کتابیں۔

(۷) اس نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو: محمد اسحاق صدیقی، صلاح الدین یوسف اور سعید احمد اکبر آبادی کی مذکوہ بالا کتابوں کے علاوہ محمود احمد عباسی، خلافتِ معاویہ ویزید، کتبخانہ علومِ روحانی، دہلی؛ علی احمد عباسی، حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی، طبع کراچی (غیر مورخہ)؛ پی، کے، ہٹی *Makers of Arab History*، لندن ۱۹۶۸ء کا مضمون حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر، بالخصوص ۵۸-۴۳؛ ڈینیل پائپس (Daniel Pipes)، *Slave Soldiers and Islam*، ییل یونیورسٹی پریس ۱۹۸۱ء، ۵-۷۰ ومابعد۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خاکسار راقم کی کتاب، تاریخِ تہذیبِ اسلامی، قاضی پبلشرز وڈسٹری بیوٹرز دہلی ۱۹۹۸ء، حصہ دوم، بالخصوص باب اول و چہاردہم۔

(۸) تفضیلِ علیؓ کے نقطہ نظر سے ملاحظہ ہو: سید امیر علی کی مذکورہ بالا کتابیں۔ نیز ملاحظہ ہو: مودودی، خلافت وملوکیت، کے ابواب بر خلافتِ حضرت علیؓ؛ متعدد دوسری کتبِ تاریخ اسلامی۔

(۹) **مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ جلد ۳۵، ۳۵-۲۱** نیز دوسری

جلدیں؛منهاج السنة، مکتبہ الریاض الحدیثیہ ریاض (غیر مورخہ) دوم ۱۵-۳۱۳؛ حافظ ذہبی، المنتقیٰ من منهاج الاعتدال، مرتبہ محبّ الدین الخطیب، المطبعة السلفیة ومکتبتها، قاہرہ ۱۳۴۸ھ، ۲۰-۴۱۶۔

(۱۰) فرانز روز نتھال، نثار احمد فاروقی، عبدالعزیز دوری کی کتابیں اور راقم کا مذکورہ بالا مضمون و تاریخ تہذیبِ اسلامی، جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) مذکورہ بالا

(۱۲) ابن خلدون، مقدمہ، مطبعہ مصطفیٰ محمد (مکتبہ تجاریہ) قاہرہ، غیر مورخہ، ۱۰-۹ ومابعد

(۱۳) ابنِ خلدون، کتاب العبر (تاریخِ ابنِ خلدون) اور مقدمہ کے متعدد حوالے آئندہ آئیں گے۔

(۱۴) مثلاً ملاحظہ ہو: ولیم میور (Willaim Muir)، The Caliphate، بیروت ۱۹۶۳ء؛ اور دوسرے تمام مستشرقین۔

(۱۵) مثلاً فلپ کے ہٹی کا حضرت معاویہ پر مقالہ، ڈینیل پائپس کا اشاراتی تجزیہ اور ڈینیل، سی، ڈینیٹ (Daniel C. Dennett) *Conversion and Poll-Tax in Early Islam*، ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۴۵ء؛ اے، اے، ڈکسن (A.A. Dixon) *The Umayyad Caliphate*، لندن ۱۹۷۱ء؛ تاریخ تہذیبِ اسلامی، دوم۔

(۱۶) ملاحظہ ہو: محی الدین خطیب کی تعلیقات بر العواصم من القواصم مصنفہ قاضی ابو بکر بن العربی، لجنة الشباب المسلم، قاہرہ ۱۳۷۱ھ اور المنتقیٰ من منهاج السنة النبویة (ذہبی)، دوسرے عنوان سے طباعت، مکتبہ سلفیہ، قاہرہ ۱۳۷۴ھ اور محمد اسحاق صدیقی، صلاح الدین یوسف، محمود احمد عباسی، محمد یٰسین مظہر صدیقی وغیرہ۔

(۱۷) مذکورہ بالا جانبدار مولفین اور ان کی نگارشات۔

(۱۸) تعمیم کا ایک شاندار شاہکار مولانا مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت ہے۔

(۱۹) انساب پر کتابیں ملاحظہ ہوں بالخصوص مصعب بن عبد اللہ زبیری، کتاب نسب قریش، مرتبہ لیفی پروفنشال۔

(۲۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی، شبلی نعمانی اور ان کے ہمنوا مصنفوں کی کتابیں ملاحظہ ہوں۔

(۲۱) ابن سعد، اول ۷۶؛ طبری، تاریخ، دوم ۵۴-۲۵۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول

۶۱-۶۰؛ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ۱۰۷-۱۰۳۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ابنِ اسحاق نے اپنی سیرت رسول اللہ میں اس منافرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: انگریزی ترجمہ ۵۹-۵۸۔

یہاں طبری، دوم ۷ ۳، کی ایک روایت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جس کے مطابق ہاشم نے شاہِ روم اور غسانیوں سے، عبد شمس نے نجاشی حبشہ سے، نوفل نے کسرائے ایران سے اور مطلب نے ملوکِ حمیر سے ان کے ممالک میں تجارت کرنے اور آباد ہونے کے پروانے حاصل کئے تھے۔ چونکہ اس بین الاقوامی تجارت سے قریش دور دور تک پھیل گئے تھے اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی تھی اس لئے قریش ان چاروں فرزندانِ عبد مناف کو "مجبرون" کہتے تھے اور وہی اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار ہوئے تھے۔ یہاں قوم سے مراد بنو عبد مناف کا خاندان ہے۔ ظاہر ہے کہ قریش میں اور بھی سردار تھے کیونکہ ان کا سیاسی نظام اشرافیہ اصول پر مبنی تھا جس میں تمام بطونِ قریش کی نمائندگی تھی۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو شبلی، سیرت النبی اول میں بحث مناصبِ قریش۔

(۲۲) شیعہ کتب بالخصوص علی نقی کی تاریخ اسلام و سیرت ملاحظہ ہو۔

(۲۳) طبری، دوم ۲۵۲، نے ہشام بن محمد کلبی کی سند پر پہلے تو یہ راجح روایت بیان کی ہے کہ عبد مناف کے فرزندوں میں سب سے بڑے عبد شمس تھے مگر دوسری سندِ مجہول پر یہ بیان لفظ (قیل) سے دیا ہے کہ عبد شمس اور ہاشم دونوں توأم تھے اور ان میں سے ایک پہلے پیدا ہوا اور اس کی انگلی دوسرے کی پیشانی سے جڑی ہوئی تھی لہذا اسے الگ کیا گیا تو خون بہا۔ اس سے یہ فال لی گئی کہ ان دونوں کے درمیان جنگیں ہوں گی۔ سندِ مجہول کی روایت ہونے کے علاوہ اس کی نامعقولیت ظاہر ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء، اول ۲۴۲-۲۴۱۔ ایسی روایات جانبدار مورخین کے ہاں بھی کثرت سے ملتی ہیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنا پورا تاریخی تجزیہ استوار کرتے ہیں۔

(۲۴) بلاذری، انساب الاشراف، اول ۷۴-۷۷؛ بغدادی، کتاب المنمق، ۹۸-۹۴۔

(۲۵) کلبی کی سند پر مروی ہے لہذا اس سند کے ساتھ مروی ہونے کے سبب اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ بالعموم ناقابلِ اعتبار گردانا جاتا ہے۔

(۲۶) ابن سعد، اول ۸۸-۸۷؛ بلاذری، انساب، اول ۷۵-۷۴؛ بغدادی، کتاب المنمق ۱۰۳-۹۸ کے مطابق عبد المطلب بن ہاشم اور جندب بن حارث ثقفی کے درمیان اس منافرہ کا سبب طائف میں واقع ذوالہرم نامی جائداد پر ملکیت کا تنازعہ تھا جو اول الذکر کے حق میں فیصل

ہوا۔ طبری، دوم ۵-۳۴ اور بلاذری، انساب، اول ۷۰-۶۹ کے مطابق عبدالمطلب بن ہاشم اور نوفل بن عبد مناف کے درمیان ''ارکاح'' (زمین، وادی) پر تنازعہ تھا اور منافرہ میں فیصلہ ہاشمی بزرگ کے حق میں ہوا تھا۔ طبری کے مطابق عبدالمطلب نے اپنے چچا کے خلاف اپنے ننہالی رشتہ داروں یعنی مدینہ منورہ کے بنو نجار (خزرج) کی فوجی معاونت حاصل تھی اور متنازعہ زمین / کنواں حاصل کر لیا تھا۔ اس بنا پر نوفل نے بعد میں بنو ہاشم کی بجائے بنو عبد شمس سے حلف کا معاہدہ کر لیا تھا۔ لیکن طبری، ۳۶، کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد نوفل نے کچھ نہیں کیا تھا جبکہ عبدالمطلب ہاشمی نے خود بنو خزاعہ سے حلف کا معاہدہ استوار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بلاذری، انساب، اول، ۷۰-۶۹ اور بغدادی، کتاب المنمق، ۹۲-۸۴، نے یہ دلچسپ روایت بیان کی ہے کہ نوفل بن عبد مناف نے بھی اپنے ننہالی رشتہ داروں سے مدد لی تھی۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ روایت کے مطابق عبدالمطلب کو چونکہ ان کے خاندان بنو عبد مناف نے اس معاملہ میں نظر انداز کر دیا تھا اس لئے خزاعہ نے ان کو حلف کی پیشکش کی جو انھوں نے حالات کے تحت قبول کر لی۔ زبیری، ۱۹۷، کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے عبدالمطلب بن ہاشم سے ایک آراضی، جو سقایہ عدی کے نام سے بعد میں مشہور ہوئی اور جو صفا و مروہ کے درمیان واقع تھی، کے سلسلہ میں تنازعہ کیا تھا اور بالآخر بنو خویلد بن اسد کی مدد سے اسے حاصل کر لیا تھا۔

دوسرے منافروں میں ایک وہ ہے جس کا حوالہ ازرقی نے **کتاب اخبار مکۃ المشرفۃ**، ۴-۲۷، میں بنو عبد شمس اور بنو عدی کے درمیان دیا ہے اور جس کا اوپر متن میں ذکر آیا ہے۔ اس کے علاوہ بغدادی نے کتاب المنمق، ۲۰-۱۰۷، میں کم از کم چھ مزید منافروں کا ذکر کیا ہے جو قریش کے مختلف خاندانوں یا ان کے ارکان کے درمیان ہوئے تھے۔ ان میں سے پہلا منافرہ عائذ بن عبد اللہ مخزومی اور حارث بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی کے درمیان افضلیت کے سوال پر ہوا تھا۔ دوسرا منافرہ مالک بن عمیلہ عبدری اور عمیرہ بن ہاجر خزاعی کے درمیان صرف اتنی بات پر ہوا تھا کہ کس کا گھوڑا زیادہ تیز رفتار ہے۔ کاہن سلمہ عذری نے موخر الذکر کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔ تیسرا منافرہ بنو مخزوم اور بنو امیہ کے درمیان شرف و تفوق کے سوال پر ہوا تھا۔ اس کے مطابق ولید بن مغیرہ مخزومی اور اسید بن ابی العیص اموی نے باہمی مفاخرت کی اور یمن کے سطیح کاہن نے فیصلہ اول الذکر کے حق میں کیا۔ جبکہ چوتھے منافرہ میں اسی کاہن نے اسید بن ابی العیص اموی کو ابو ربیعہ بن مغیرہ مخزومی پر فضیلت دی تھی۔

پانچواں منافرہ لوئی بن غالب کے فرزندوں کے درمیان ہوا تھااور اس کا سبب یہ تھا کہ لوئی بن غالب کا ایک بیٹا عمرو سانپ کے کاٹنے سے مر گیا۔ لوگوں نے اس کے بھائی عامر پر قتل کا شبہ کیا تھا مگر جب سطیح کاہن نے اصل بات بتادی تو مناقشہ ختم ہو گیا۔ آخری منافرہ عتبہ بن ربیعہ اموی اور فاکہ بن مغیرہ مخزومی کے درمیان ہوا تھا۔ موخر الذکر مخزومی عتبہ اموی کا داماد تھا۔ اس نے اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ اموی پر الزام لگا کر اسے اس کے باپ کے گھر بھیج دیا۔ عتبہ اموی نے اس سلسلہ میں ایک کاہن سے رجوع کیا جس نے ہند کو تمام الزامات اور تہمتوں سے بری قرار دے دیا۔ واضح رہے کہ یہ وہی ہند بنت عتبہ اموی ؓ ہیں جو بعد میں حضرت ابو سفیان اموی ؓ کی بیوی اور حضرت معاویہ اموی ؓ کی ماں بنی تھیں۔

(۲۷) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ۳-۵۲ اور ۵۶؛ ابن سعد، ۷۳-۷۰؛ بغدادی، کتاب المنمق، ۱۹؛ کتاب المحبر، ۱۶۶؛ طبری، دوم ۵-۴۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ۵۳۔ موخر الذکر کا بیان ہے، جس کی تائید صریحاً یا مضمر طور پر دوسروں سے بھی ہوتی ہے کہ قصی نے اپنے سارے عہدے اور مناصب عبد الدار کو اس لئے عطا کر دئے تھے کہ وہ ان کے سب سے چہیتے اور فرزندِ اکبر تھے۔ مناصبِ مکہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابنِ عبدِ ربہ، **العقد الفرید**، قاہرہ ایڈیشن، سوم ۳۱۵؛ نیز کتاب المنمق، ۲۰-۱۹، ۴۴-۴۲ جس کے مطابق بنو قصی بن کلاب کے باہمی اختلاف و تصادم کے نتیجہ میں بنو عبد مناف کو صرف سقایہ ملا تھا اور رفادہ بنو اسد کے حصہ میں آیا تھا جبکہ باقی تین مذکورہ بالا مناصب عبد الدار کے پاس باقی رہے تھے۔

(۲۸) ازرقی، اخبار مکۃ، ۵۳۔ اس کی بالواسطہ تائید ابن سعد، دوم ۷۳؛ طبری، دوم ۴۴ اور بلاذری، انساب الاشراف، اول ۵۳، کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس کے مطابق عبد مناف اپنے باپ قصی بن کلاب کے جانشین بنے تھے۔ کتاب المنمق، ۱۹، نے مزید تصریح کی ہے کہ قصی کی وفات کے بعد عبد مناف اپنے والد کے تمام امور اور قریش کے تمام معاملات کے نگراں بنے تھے۔ یہ حیرت ناک بات ہے کہ ازرقی کے سوا باقی اور ابتدائی مورخین و سیرت نگار عبد شمس اور ان کے اخلاف کے صاحبِ منصبِ قیادہ ہونے کا قطعی ذکر نہیں کرتے۔

(۲۹) مثلاً ملاحظہ ہو: سید امیر علی، A Short History of the Saracens، لندن ۱۹۵۱ء، ۵-۴؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ۹۸؛ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، دوم ۲-۱۷۱؛ نکلسن (Nicholson) A Literary History of the

Arabs، ۶۵۔

(۳۰)ابن سعد، اول ۷۶؛طبری، تاریخ، دوم ۵۴-۲۵۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ۱۹۸اور ۵۷-۱۵۶ وغیرہ، سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، دوم ۷۲-۱۷۱ وغیرہ۔

(۳۱)اشرافیہ کی حکمرانی کا واضح ذکر فاکہی نے اپنی کتاب المنتقیٰ فی اخبار ام القریٰ، بیروت ۱۸۶۴ء، ۱۴۳، میں کیا ہے اوراس کی تائید قریشی اشرافیہ میں مختلف مناصب کی تقسیم اور دوسرے مورخین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ جدید مورخین اور مستشرقین کا بھی یہی خیال ہے مثلاً ملاحظہ ہو: گرونی بام (Grunebaum)، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ۲۰؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء، ۲۲-۱۵۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: میرا مضمون، ''بنوہاشم اور بنوامیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر'' برہان، دہلی، ۱۹۷۸ء، ۲۰-۵۔

(۳۲)خاندانِ بنو عبد مناف کے لئے ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول ۷۷؛ زبیری، ۳۸۳؛ بلاذری، انساب، اول ۵۸ وغیرہ؛طبری، دوم ۳۷؛ میرا مقالہ، بنو عبد مناف۔ عظیم تر خاندانِ رسالت، معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۹۶ء، ۱۰۶۔۵۸؛ مارچ ۱۹۹۶ء، ۹۶۔۱۷۸۔

(۳۳)کتاب المنمق، ۴۲-۴۰ اور ۶۵-۶۳۔ قریش کی سیاسی یا تجارتی گروہ بندی کے متعلق ابن سعد، اول ۷۷، کا بیان حسب ذیل ہے:

المطیبون	الاحلاف	غیر جانبدار
۱۔ بنو اسد	۱۔ بنو مخزوم	بنو عامر بن لوی
۲۔ بنو زہرہ	۲۔ بنو سہم	بنو محارب بن فہر
۳۔ بنو تیم	۳۔ بنو جمح	
۴۔ بنو حارث بن فہر	۴۔ بنو عدی	
۵۔ بنو عبد مناف	۵۔ بنو عبد الدار	

اس بیان کے مطابق مناصبِ قصی کے سلسلہ میں جب بنو عبد مناف نے بنو عبد الدار سے اختلاف کیا تو قریش مذکورہ بالا تین گروہوں میں منقسم ہوگئے تھے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المحبر ۶۷-۱۶۶ اور کتاب المنمق ۲۰-۱۹، ۴۴-۴۲ میں تینوں کا ذکر کیا ہے جبکہ بلاذری، انساب، اول ۵۶-۵۵ اور زبیری، ۳۸۳، نے المطیبون اور الاحلاف کا تذکر

کیا ہے مگر غیر جانبدار گروہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، اول ۲۴۸، کا بیان ہے کہ زبیری کے خیال کے مطابق بنو عبد شمس المطیبون میں شامل نہ تھے جبکہ دوسرے تمام راویوں کا خیال ہے کہ وہ بھی بنو عبد مناف کے دوسرے خاندانوں کے ساتھ اس میں شریک تھے؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصطفیٰ البابی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، اول ۳۲-۱۳۱۔

(۳۴) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ۱۸۹، کے مطابق یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا جبکہ ابوسفیان بن حرب اموی ذوالمجاز میں تھے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر کے بعد پیش آیا تھا۔ ابوسفیان کو جیسے ہی خبر ملی وہ ذوالمجاز سے مکہ پہونچے اور الجھی گتھی سلجھائی۔ ابن اسحاق کا مزید بیان ہے کہ وہ اگرچہ نرم رو مگر مضبوط ارادہ کے انسان تھے اور اپنی قوم قریش سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور ان کو خدشہ تھا کہ مبادا ابوازیہر کے سبب کہیں قریش کے درمیان کوئی سخت فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے انھوں نے دوسروں کی زیادتی پر بھی صبر کیا تھا۔ ابوازیہر کے واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول ۱۳۵، جس کے مطابق ابوسفیان نے اپنے فرزند یزید کے ہاتھ سے نیزہ لے کر پھینک دیا تھا اور کہا تھا" خدا تیرا ناس کرے! کیا تو قریش کے ایک حصہ کو دوسرے سے لڑانا چاہتا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محمد (ﷺ) کے سبب ان کا کیا حال ہے؟" ابوسفیان اموی نے حضرت حسان بن ثابت خزرجی کے ہجویہ اشعار کا جواب بھی حلم سے دیا تھا کہ وہ افتراق کے حق میں نہیں تھے۔ وہ ایک قریشی ہونے کے ناطے مسلمانوں سے بھی صلح کے جویا تھے کہ وہ ان کے قریشی بھائی بند ہی تو تھے۔

(۳۵) کتاب المنمق، ۲۸-۲۷، ۵۹-۴۵۵؛ کتاب المحبر، ۸۷-۱۷۳۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول ۸۷؛ بلاذری، انساب، اول ۷۲۔

(۳۶) ازرقی، ۷۱۔ نیز ملاحظہ ہو: کتاب المنمق، ۵۳۹؛ العقد الفرید، اول ۱۷۶؛ مسعودی، مروج الذہب، دوم ۸۳، ازرقی، ۹۹، کا بیان ہے کہ قریشی وفد رسولِ اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے دو سال بعد گیا تھا جن میں متعدد اکابرِ قریش شامل تھے۔

(۳۷) اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ہاشم کی وفات ان کی کمسنی میں ہو گئی تھی جبکہ ان کے فرزند عبد المطلب شیر خوار بچے تھے اور ان کے دوسرے بچے بھی خورد سال تھے۔ ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول ۶۳، کے مطابق ان کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس یا پچیس سال تھی، موخر الذکر زیادہ صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خاکسار کا مضمون، "بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ازدواجی تعلقات"

برہان، دہلی، مئی - ستمبر ۱۹۸۰ء؛ تاریخ تہذیبِ اسلامی، قاضی پبلشرز، دہلی ۱۹۹۴ء، اول، باب عہدِ جاہلی۔

(۳۸) زبیری، ۱۹-۱۸؛ ابن سعد، ہشتم ۴۶-۴۱؛ ابن قتیبہ؛ کتاب المعارف، ۱۲۸ اور ۱۹۱؛ کتاب المنمق، ۴۱۶ اور ۴۴۵؛ انساب الاشراف، اول، ۹۰-۸۸ اور ۱۹۹؛ ابن حزم، جمهرة انساب العرب، ۱۰۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ازدواجی تعلقات"، برہان، دہلی، مذکورہ بالا۔

(۳۹) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ۳۲۷-۳۷؛ واقدی، کتاب المغازی، ۱۵۲-۲۷؛ ابن سعد، سوم ۴۹-۴۰؛ انساب الاشراف، اول ۳۰۸-۲۹۵۔ مذکورہ بالا مآخذ نے حلفاء اور موالی کو ان کے سرپرست خاندانوں کے ارکان میں شمار کیا ہے اور یہ بدری صحابہ کرام کی فہرستوں کے ضمن میں بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے متعدد ثبوت ہیں۔ مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جب ان کے تعلق موالات کا مسئلہ درپیش ہوا تو بارشادِ نبوی ان کو بنو ہاشم یعنی اہلِ بیت میں شمار کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم ۸۳؛ نیز انساب وسوانح کی کتابوں میں تراجمِ صحابہ و تابعین۔

(۴۰) زبیری، ۸۹؛ ابن سعد، چہارم ۵۹؛ کتاب المعارف، ۱۲۵؛ انساب الاشراف، اول ۹۰؛ ازرقی، اخبار مكة، ۲۲۳؛ جمهرة، ۶۵۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، ہشتم ۵۱-۵۰۔ ابو لہب ہاشمی کے ام جمیل اموی کے بطن سے تین فرزند اور تین دختر ہوئی تھیں۔ ان کی نسل میں اموی نسب اور اموی آباء اجداد پر فخر کرنے کا جذبہ اور احساس پایا جاتا تھا جیسا کہ مشہور شاعر فضل بن عباس بن عتبہ بن ابی لہب اموی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ایک شعر جمحی، طبقات فحول الشعراء، ۶۲، نے یوں نقل کیا ہے:

عبد شمس ابی، فان کنتِ غضبی   فا ملئی وجهك الجميل خموشا

(۴۱) کتاب المنمق، ۴۵۶؛ کتاب المحبر، ۱۷۴۔

(۴۲) ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، ششم ۱۹۵۔

(۴۳) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ؛ ابن ہشام، قسم دوم ۳-۴۰۲؛ واقدی ۱۸-۸۱۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ۳۵۵؛ طبری، سوم ۵۳۔ نیز ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی، ششم ۹۹-۱۹۸۔ روایات میں بعض الفاظ و تعبیرات کا اختلاف ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے اور بنو عبد مناف کے متحدہ خاندان کا حوالہ بھی سب میں موجود ہے۔

(۴۴)حاشیہ ۴۳ کے حوالے ملاحظہ ہوں، نیز بنو عبد مناف پر خاکسار کا مقالہ مذکورہ بالا۔

(۴۵)کتاب المنمق ،۶-۴۵۵؛ کتاب المحبر، ۴۷-۱۷۳؛ابن درید ازدی، کتاب الاشتقاق، ۱۰۳؛زبیری،۶-۱۳۵۔ نیز ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی، ہشتم ۵۱؛الروض الانف،اول ۱۰۲۔

مسافر بن ابی عمرو بن امیہ قریش کے مردانِ کار اور شعراءِ بزرگ میں شمار ہوتے تھے۔وہ تجارت کے لئے نعمان بن منذر لخمی کی مملکت میں گئے تھے اور شاہِ حیرہ کے یہاں مقیم تھے کہ ان کو اجل نے آلیا۔ابو طالب کے مرثیہ کے دو شعر حسب ذیل ہیں:

لیت شعری مسافر بن ابی عمـ رو و لیت یقولها المحزون

وهل الركب قافلون الينا و خليلي فی مرمس مدفون

(۴۶)کتاب المحبر، ۱۷۷۔

(۴۷)انساب الاشراف، پنجم ۳۹۔

(۴۸)ابن سعد، ہشتم ۴۴؛طبری، دوم ۴۲۹؛ کتاب الاغانی، چہارم ۳۳۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن ہشام، اول ۶۰۸۔

(۴۹)واقدی، ۹۱۸۔

(۵۰)ابن سعد، ہشتم ۲۳۸؛انسابِ قریش کے ماہرین کے بیانات میں فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ اور فاطمہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ کے سلسلے میں کافی الجھن نظر آتی ہے۔بظاہر یہ دونوں الگ شخصیتیں تھیں مگر ممکن ہے کہ ایک ہوں اور ان کے باپ کے نام میں کسی مصنف یا کاتب سے تسامح کے سبب یہ الجھاؤ پیدا ہوا ہو۔بہر حال اس سے ہمارے دعوی کے اثبات میں کوئی خلل نہیں پڑتا ہے کہ دونوں خاندانوں میں ازدواجی تعلق بہر صورت ثابت ہوتا ہے۔

(۵۱)مؤرج سدوسی، ۲۴-۲۳؛بلاذری، انساب الاشراف، اول ۴۴؛زبیری، ۸۶؛ابن سعد، پنجم ۲۵-۲۴؛ ہشتم ۲۴۰؛جمهرة، ۶۳۔ نیز ملاحظہ ہو: کتاب الاشتقاق، ۴۴۔ کتاب المنمق میں حارث بن نوفل ہاشمی کی بیوی کا نام ہند بنت ابی سفیان بن حارث بن نوفل قرار دے کر ان کو غیر اموی بتایا ہے جو بداہتہً غلط ہے کیونکہ دوسرے تمام مورخین نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ حضرت معاویہ اموی کی بہن تھیں اور بلاذری نے حضرت ام حبیبہ اموی کی جانب سے حضرت حارث ہاشمی کو سالفِ (ہم زلف) رسول ﷺ قرار دے کر بغدادی کی غلطی کی ناقابل تردید صراحت کر دی ہے۔اس رشتے

سے ان کے کم از کم آٹھ بچے پیدا ہوئے تھے۔

(۵۲) ابن سعد، اول ۱۲۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ۱۰۲؛ کتاب المحبر، ۷۱-۱۶۹؛ کتاب المنمق ۲۰۳-۱۹۹، ۲۰۶-۲۱۱؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ۸۲؛ کتاب الاشتقاق، ۱۰۳۔

(۵۳) کتاب المنمق، ۲۰۶۔

(۵۴) عموماً یہ تمام مشرقی سیرت نگاروں، مورخوں اور مصنفوں کا خیال ہے مثلاً ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی، ششم ۱۸۸؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول؛ سید امیر علی، مذکورہ بالا، ۴۵؛ نیز ملاحظہ ہوں: حاشیہ ا کے حوالے۔

(۵۵) شبلی، سیرت النبی، اول، ۲۱۶: رقم طراز ہیں: "...... بدر کے سوا تمام لڑائیاں ابو سفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیسِ لشکر رہا"۔

(۵۶) بخاری، الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب بر کة الغازی فی ماله: صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامام العادل؛ صحیح بخاری، ابواب المناقب، باب ذکر معاویة وغیرہ؛ ابن اثیر، اسد الغابہ اور ابن حجر عسقلانی کی الاصابة میں سوانحی خاکہ حضرات ابو سفیان و معاویہ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خاکسار کا مضمون "بنو عبد مناف۔ عظیم تر متحدہ خاندانِ رسالت"، معارف اعظم گڑھ، فروری-مارچ ۱۹۹۶۔

(۵۷) بنو عبد مناف پر مذکورہ مضمون بالخصوص فروری ۱۹۹۶ء، ۹۹-۹۸ اور ان کے حواشی۔

(۵۸) ابن ہشام، السیرة، دوم ۵۸-۲۵۷؛ ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دوم ۶۹؛ مولانا شبلی نے ابو سفیان اموی کے اس ہدایت نامہ کا ذکر اپنے خاص نظریہ سے نہیں کیا ہے جبکہ بنو زہرہ وغیرہ کی اس ہدایتِ ابو سفیان کے سبب بدر سے واپسی کو بیان کیا ہے مگر صیغہ مجہول میں۔

(۵۹) مذکورہ بالا؛ شبلی، اول ۳۱۸۔

(۶۰) ابن ہشام، السیرة، دوم ۶۳-۲۶۲؛ شبلی، اول ۲۰-۳۱۹؛ ادریس کاندھلوی، دوم ۷۶ بحوالہ سیرتِ ابن ہشام، دوم ۶۳-۲۶۲؛ زرقانی، اول ۴۱۶۔

(۶۱) بخاری، الصحیح، ابواب الفضائل، باب ذکر اصهار النبی ﷺ، کتاب النکاح، باب ذب الرجل عن ابنته؛ مسلم، الصحیح، باب فضل فاطمة؛ ابن ہشام، السیرة، دوم ۹۹-۲۹۷؛ ادریس کاندھلوی، دوم ۲۸-۱۲۴؛ شبلی، اول ۳۴-۳۳۳ بحوالہ طبری و ابوداؤد۔

(۶۲) ابن ہشام، السیرۃ، سوم ۱۴-۱۲؛ فتح الباری، غزوۃ فتح مکۃ؛ شبلی، اول ۵۱۱ بحوالہ زرقانی، دوم ۳۳۶؛ ادریس کاندھلوی، سوم ۷-۵ بحوالہ فتح الباری، ۸، ۴؛ زرقانی، دوم ۲۹۲؛ صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، (اردو)، علی گڑھ ۱۹۸۸ء؛ فتحِ مکہ سے قبل حضرت علی ہاشمیؓ اور حضرت ابو سفیان امویؓ کے مابین تجدیدِ صلحِ حدیبیہ کے باب میں جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعض نکیلے جملے تو ہمارے مورخین نقل کرتے ہیں لیکن محبت آمیز جملوں کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے جب حضرت ابو سفیانؓ نے اس مسئلہ میں رائے و نصیحت مانگی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: "اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے کام کوئی چیز آسکتی ہے۔ لیکن آپ بنو کنانہ کے سید ہیں لہذا لوگوں کے سامنے ان کو پناہ و جوار دیں اور پھر وطن واپس جائیں۔" حضرت ابو سفیان نے ان کے مشورہ پر عمل کیا تھا......"۔

(۶۳) سوانحی خاکہ در الاصابۃ واسد الغابۃ۔

(۶۴) مسلم، الصحیح، کتاب القدر؛ ادریس کاندھلوی، سوم ۴۴-۳۴۔

(۶۵) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم الربیبۃ۔

(۶۶) ابن سعد، پنجم ۵-۴۔

(۶۷) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ۴-۳۱۳؛ ابن سعد ہشتم ۳۶-۳۰؛ انساب الاشراف، اول ۳۹۷ نیز ملاحظہ ہو زبیری ۸-۱۵۷؛ کتاب المحبر، ۱۰۰-۹۹ اور ۴۵۱؛ کتاب المعارف ۱۴۱؛ جمھرۃ ۷۰؛ الاصابۃ، ۶۹۲؛ کتاب الاشتقاق، ۵۱۔

(۶۸) ابن ہشام اول ۶۵۳؛ ابن اسحاق انگریزی ترجمہ ۳۱۴؛ واقدی ۱۳۱؛ ابن سعد دوم ۳۱؛ ہشتم ۳۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ۹۹-۳۹۷؛ طبری، دوم ۱۷-۴۶۷؛ بخاری، باب فضائل اصحاب النبی؛ مورج سدوسی، ۴۰۔

مورخین کے اس تقریباً متفقہ بیان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعثتِ نبوی کے بعد قریش مکہ کے سخت کوشوں نے ابو العاص بن ربیع عبد شمسی کو مجبور کرنا چاہا تھا کہ وہ اپنی ہاشمی بیوی کو طلاق دے دیں جس طرح ابولہب ہاشمی نے اپنی دونوں بہوؤں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دلوادی تھی مگر حضرت ابو العاصؓ نے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اسی حسنِ سلوک اور ان کے مجموعی طرزِ عمل پر رسول اکرم ﷺ نے ان کی تحسین فرمائی تھی جس کا ذکر بخاری میں موجود ہے۔

(۶۹) ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۸ کے حوالے، بالخصوص ابن ہشام، اول ۹-۶۵۷؛ طبری دوم ۷۲-۷۰-۴۔

(۷۰) ابن ہشام، اول ۶-۳۵۴؛ طبری دوم۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: میری کتاب عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، قاضی پبلشرز دہلی ۱۹۸۸ء، باب دوم میں بنو عبد مناف کے قبولِ اسلام پر بحث اور اس کے متعلقہ حواشی؛ نقوش، رسول نمبر، پنجم و دوازدہم۔

(۷۱) ابن اسحاق، ۵۴۶؛ واقدی ۹-۸۰۶؛ طبری، سوم ۵۱-۵۰؛ اسد الغابۃ؛ پنجم ۳۸-۲۳۶۔ نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، مذکورہ بالا بحث۔

(۷۲) ابن ہشام، ۴۱۸؛ طبری دوم ۱۴-۱۳ ۳ اور ۲۵-۳۲۴ اور ۴۴-۳۴۳؛ الکامل، دوم ۹۰-۶۰؛ البدایۃ و النہایۃ، سوم ۲۶-۱۲۲۔ نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، مذکورہ بالا بحث۔

(۷۳) ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد، طبری، واقدی، اسد الغابہ، الاستیعاب اور الاصابۃ میں ان کے تراجم ملاحظہ ہوں۔ نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، مذکورہ بالا بحث۔

(۷۴) بلاذری، انساب الاشراف، اول، ۴۶_۱۴۵؛ الکامل، دوم ۶-۷۰-۷۶؛ کتاب المنمق، ۸۶-۴۸۴۔

(۷۵) ابن اسحاق، ۱۶۴؛ انساب الاشراف، اول ۱۴۸؛ زبیری ۸-۱۳۵؛ الکامل، دوم ۷۶-۷۰؛ کتاب المنمق ۸۶-۴۸۴۔

(۷۶) بلاذری، انساب الاشراف، اول، ۹-۱۴۸-۴۹؛ ابن ہشام، طبری، دوم؛ ابن سعد، دوم، مذکورہ بالا؛ الکامل، دوم ۹۲-۷۰؛ البدایۃ و النہایۃ، سوم ۱۳۶ وغیرہ۔

(۷۷) ابن اسحاق ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۷؛ ابن سعد، سوم ۵۶-۵۵؛ ہشتم ۷-۳۶-۳؛ زبیری، ۱۰۱۔

(۷۸) زبیری، ۲۳-۲۲؛ ابن اسحاق، ۱۴۶، ۳۲۸؛ ابن سعد، سوم ۵۶-۵۵؛ ہشتم ۷-۳۶-۳؛ طبری، دوم ۳۲۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ۴۰۱؛ کتاب المعارف ۱۴۲، ۱۹۲؛ الکامل، سوم ۸۶-۱۸۵؛ جمھرۃ ۱۵-۱۴۔

(۷۹) ابن سعد، سوم ۵۶؛ ہشتم ۳۸؛ زبیری، ۲۳؛ انساب الاشراف، اول ۴۰۱؛ کتاب المعارف، ۱۳۶؛ طبری، دوم ۹۲-۴۹۱؛ جمھرۃ، ۱۵-۱۴۔

(۸۰) ابن سعد اور بلاذری وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے۔ روایات کا اس پر اختلاف ہے کہ

رسولِ اکرم ﷺ نے ایک یا دس یا سو دختروں کے منسوب کرنے کی بات کہی تھی۔ بہر صورت حضرت عثمانؓ کی فضیلت اور ان سے آپ کی محبت و تعلقِ خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۸۱) ابن اسحاق، ۱۱۶، ۱۴۶ اور ۱۶۷؛ ابن سعد، سوم ۱۸۴؛ زبیری ۱۵۳۔

(۸۲) ابن ہشام، اول ۹۴-۲۹۳؛ البدایة و النهایة، سوم ۶۴-۶۲۔

(۸۳) ابن ہشام، اول ۴۲۱؛ نیز ملاحظہ ہو: الکامل، دوم ۹۳-۹۱؛ البدایة و النهایة، سوم ۶۵ اور ۳۶-۱۳۵۔

(۸۴) ابن سعد، چہارم ۹۵-۹۴، ۱۰۴-۱۰۰؛ ابن اسحاق، ۱۱۶، ۱۴۶؛ کتاب المنمق، ۶۰-۳۵۷؛ زبیری، ۸۳-۱۷۴؛ جمهرة ۷۵-۷۳۔

(۸۵) ابن ہشام، دوم ۲۸-۴۰۰ و ما بعد؛ زبیری، ۲۶-۱۲۳؛ جمهرة، ۴-۱۰۲۔

(۸۶) زبیری، ۲۶-۱۲۴؛ الاصابة، اول ۱۱۲؛ اسد الغابة، چہارم ۳۸۴؛ ابن سعد، ۴۰؛ الاستیعاب، سوم، نمبر ۱۴۱۶ نیز الاصابة، ششم ۱۱۳، کے مطابق حضرت معاویہؓ کا بیان ہے کہ وہ عمرة القضیہ کے دن مسلمان ہوئے اور نبی اکرم ﷺ سے بطور مسلم ملاقات کی البتہ اپنا اسلام اپنے والدین سے خفیہ رکھا۔ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی، اول ۴۶۷ (حاشیہ نمبر ۱) میں اس روایت کو تسلیم کیا ہے۔

(۸۷) ابن ہشام، ابن سعد، وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے ملاحظہ ہوں۔

(۸۸) ابن ہشام، دوم ۲۶-۳۲۵؛ واقدی، ۳۳-۶۲۹؛ ابن سعد، ششم ۳۱-۲۳۰؛ طبری؛ اسد الغابة، پنجم ۶۱۴۔

(۸۹) مثلاً ملاحظہ ہو: شبلی، سیرت النبی، اول؛ ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت کے مباحث متعلقہ۔

(۹۰) مثلاً ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی کا حاشیہ، سیرت النبی: شبلی، اول ۴۶۷ (حاشیہ نمبر ۱)۔

(۹۱) منافقین کے آغاز و ترتیب طبقات کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام کی بحث۔

(۹۲) کتاب المحبر، ۶۲-۳۶۱؛ اسد الغابة، سوم ۱۳-۱۲؛ پنجم ۱۷-۳۱۶؛ الاصابة، سوم ۱۷۲ (نمبر ۶۰۴۶)۔

(۹۳) بنو امیہ کے اسدی حلفاء اور موالی کے اسلام کے لئے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق

۱۲-۱۱۵، ۱۳۶، ۲۱۵؛ ابن سعد، سوم ۹۰-۸۹؛ چہارم ۴-۱۰۲؛ ہشتم، ۴۶-۴۵ وغیرہ، اگرچہ بنو حرب بن امیہ کا خاندان مکہ مکرمہ میں مسلمان نہیں ہوا تاہم ان کے تمام اسدی حلفاء اور موالی، جو بنو غنم بن دودان کے تھے اور جن کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی، ابتدائے نبوت ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے ان کے تیس مردوں اور آٹھ عورتوں کے نام بھی گنائے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت کا مذکورہ باب۔ غزوات و سرایائے نبوی میں ان کے کارناموں کے لئے ملاحظہ ہو: ابن سعد، **اسد الغابہ**، **استیعاب** اور **اصابہ** میں ان کے سوانحی خاکے اور ابن ہشام، طبری، بلاذری وغیرہ میں غزوات و سرایا کے ابواب۔

(۹۴) ابن ہشام، دوم ۵۴۳ وغیرہ؛ ابن سعد، اول ۸۷-۲۶؛ زبیری، ۱۷۴؛ **انساب الاشراف**، اول ۵۳۲؛ طبری، سوم ۱۷۳، ششم ۱۷۹؛ نیز ملاحظہ ہو: **مجموعة الوثائق السیاسیة**، ۲۴۶-۱؛ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، باب چہارم متعلقہ بحث۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، جہشیاری، ۱۲؛ **جمہرہ**، ۷۳؛ زرقانی، سوم ۱۶-۳۱۵، ۳۱۹، ۲۳-۳۲۲؛ **جوامع السیرۃ**، ۲۶؛ **السیرۃ الحلبیة**، ۳۶۴ وغیرہ۔

(۹۵) زرقانی، سوم ۳۲۶؛ **انساب الاشراف**، اول، مذکورہ بالا؛ نیز ملاحظہ ہو: کتانی، اول، ۱۱۷؛ **جوامع السیرۃ**، ۲۷-۲۶؛ **السیرۃ الحلبیة**، سوم ۳۶۴۔

(۹۶) **انساب الاشراف**، اول، ۵۳۲۔

(۹۷) ابن سعد، دوم ۳۳۵۔

(۹۸) ابان بن سعید نے نجد کی مہم مورخہ محرم ۷ھ / مئی-جون ۶۲۸ء میں ایک دستہ کی قیادت کی تھی (**اسد الغابہ**، اول ۷۳-۳۵) ہشام بن عاص اموی نے یلملم کی مہم کی، جو دو سو سپاہ پر مشتمل تھی، رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء میں کمان کی تھی (واقدی، ۸۷۳؛ **اسد الغابہ**، پنجم ۶۴-۶۳) خالد بن سعید کی عرنہ کی مہم رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء میں تین سو سپاہ کے افسر تھے (واقدی ۸۱-۸۷۳؛ **اسد الغابہ** دوم ۸۴-۸۲)۔ ابوسفیان بن حرب لات کو توڑنے کے لئے شوال ۸ھ / جنوری-فروری ۶۳۰ء میں گئے تھے (ابن ہشام، دوم ۵۴۱؛ واقدی، ۹۷۱؛ طبری، سوم ۱۰۰-۹۹؛ **اسد الغابہ**، پنجم ۲۱۶)۔

(۹۹) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، باب چہارم، بحث بر خلفائے رسول ﷺ۔

(۱۰۰) ابن ہشام، دوم ۴۶، ۲۰۳؛ واقدی، ۱۹۶، ۴۰۲؛ ابن سعد، دوم ۳۵، ۶۱؛ انساب، اول

۳۱۱،۳۴۰؛طبری،دوم۵۵۶؛نیز میری کتاب مذکورہ بالا۔

(۱۰۱)ابن ہشام ،دوم ۱۸-۳۱۵؛واقدی،۶۰۰ ومابعد؛طبری،دوم۲۳۴؛قرآن مجید،سورہ فتح، آیت۱۸؛ابن سعد،دوم۹۷؛ابن خلدون،دوم ۷۸۵۔

(۱۰۲)مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو؛میری مذکورہ بالا کتاب،باب چہارم کی متعلقہ بحث۔

(۱۰۳)اسد الغابہ،دوم ۳۵۰۔

(۱۰۴)ابن ہشام،دوم ۴۴۰؛سوم۵۰۰؛واقدی،۸۸۹ اور۹۵۹؛ابن سعد ،دوم ۱۳۷؛ انساب الاشراف،اول ۳۰۴،چہارم۱۵۰؛ فتوح البلدان،۷۰؛طبری،سوم ۷۳اور۹۴؛اسد الغابہ، سوم۵۹-۳۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو:کتاب المعارف،۱۶۳، ۲۸۳؛کتاب المحبر ،۲۶-۱۲۵؛زرقانی، سوم۳۶۴۔

(۱۰۵)بالترتیب ملاحظہ ہو:فتوح البلدان، ۴۸؛ اسد الغابہ،چہارم۸-۱۰۷/ کتاب المحبر ،۱۲۶؛جمہرہ،۷۳؛ انساب، چہارم(ب)۱۳۰/ فتوح البلدان،۹۲؛اسد الغابہ، اول ۳۵-۳۷/ابن ہشام،دوم ۵۴۳؛ابن سعد، اول ۲۶۵؛فتوح البلدان،۸۰؛طبری،سوم۳۲۸؛اسد الغابہ،دوم ۸۴-۸۲۔ نیز ملاحظہ ہو:کتاب المحبر ،۲۶-۱۲۵؛زرقانی،سوم ۳۶۳۔

(۱۰۶)فتوح البلدان،۴۸؛کتاب المحبر ،۲۶-۱۲۵؛زرقانی،سوم ۳۶۳۔

(۱۰۷)فتوح البلدان،۷۰،۸۰؛اسد الغابہ،دوم ۱۳-۱۱۲؛کتاب المحبر ،۲۶-۱۲۵؛زرقانی، سوم ۳۶۴۔

(۱۰۸)اسد الغابہ،دوم۳۱۵؛کتاب المحبر ،۲۶-۱۲۵۔

(۱۰۹)ابن سعد،دوم۱۴۵؛اصابہ ،دوم۴۵(نمبر ۳۲۶۳)؛اسد الغابہ،دوم۹-۳۰۸۔

(۱۱۰)مفصل بحث کے لئے میری مذکورہ بالا کتاب کا باب پنجم ملاحظہ کریں۔

(۱۱۱)حضرت ولید امویؓ کے کردار و عمل کے بارے میں میری غیر مطبوعہ کتاب ”حضرت ولید بن عقبہ اموی-حیات و شخصیت“ میں مفصل بحث ہے۔عہدِ نبوی میں ان کے عاملِ صدقات کے عہدے کے لئے ملاحظہ ہو:ابن ہشام،دوم۹۷-۲۹۶؛واقدی۸۱-۹۸۰؛ابن سعد،دوم۱۶۱؛اسد الغابہ، پنجم۹۱-۹۰؛نیز میرا مضمون ”تاریخِ اسلام میں فنِ شانِ نزول کی اہمیت-ایک تنقیدی نظر“، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ۱۹۸۲ء، جلد۱، شمارہ۱، ۲۔

(۱۱۲)اسد الغابہ، چہارم ۸۷-۳۸۵؛ابن خلدون، تاریخ،دوم ۸۳۵؛ نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت کا باب پنجم۔

(۱۱۳)انساب، چہارم ۱۵۰؛اسد الغابہ، چہارم ۷۹-۱۷۸، ۸-۱۰۷ بالترتیب؛کتانی،اول ۴۰۰۔

(۱۱۴)بخاری، جامع صحیح،باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۱۵)زبیری، ۱۷۴؛جمہرہ، ۷۳۔

(۱۱۶)کتانی،اول ۴۱-۴۰۔

(۱۱۷)کتانی،اول ۷۶۔

(۱۱۸)ازرقی،۲۸-۱۲۷کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال مسلمانوں پر حج فرض نہیں ہوا تاہم جاہلی روایات کے مطابق حضرت عتاب اموی نے مسلمانوں کو حج کرایا تھا، جبکہ دوسرے نقطہ نظر کے لئے ملاحظہ ہو:ابن سعد، پنجم ۴۴۶؛کتاب المحبر ،۱۱؛نیز ابن ہشام، سوم ۵۰۰؛واقدی،۹۵۹؛ابن سعد، دوم ۱۳۷؛ طبری، سوم ۳۷؛فتوح البلدان، ۵۳؛ اسد الغابہ، سوم ۵۹-۳۵۸؛کتانی،اول ۱۰۹۔

(۱۱۹)زبیری، ۱۸۷۔

(۱۲۰)ابن سعد، ہشتم ۲۳۰؛زبیری، ۱۴۵۔

(۱۲۱)ابن ہشام، دوم ۶۵۴؛ابن سعد، چہارم ۲۸؛الکامل، دوم ۳۲۱ ومابعد؛البدایہ والنہایہ، پنجم ۲۲۷؛نیز ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی، ہشتم ۲۰۱؛انساب الاشراف، پنجم ۲۳-۲۲۔

(۱۲۲)خلافت صدیقی کے استحقاق اور دوسرے مباحث کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، سوم ۱۰-۲۰۳، ۲۳-۲۱۸ومابعد؛منہاج السنہ،اول؛العواصم من القواصم کے متعلقہ مباحث؛نیز سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۷ء، ۸۸-۶۲، ۳۱-۱۱۱؛البدایہ والنہایہ، پنجم ۵۲-۲۴۵۔

(۱۲۳)یعقوبی، دوم ۱۲۶ مابعد۔

(۱۲۴)یعقوبی، دوم ۱۳۳۔ نیز ملاحظہ ہو:ابن سعد، چہارم ۹۷ پر صحابی موصوف کی دختر ام خالدؓ کی سند پر مروی ہے کہ حضرت خالدؓ نے حضرات عثمانؓ و علیؓ سے کہا تھا: "اے بنو عبد مناف! کیا تم اس پر راضی ہو گئے کہ تم پر کوئی اور حکومت کرے یا خلافت کا حقدار ہو"؟ کہا جاتا ہے کہ خالد بن سعید بن عاص امویؓ نے بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت تین ماہ بعد کی تھی۔

(۱۲۵)یعقوبی، دوم ۲۴۰۔

ہمارے عہدِ جدید کے بہت سے علماء اور مورخین بھی ان عصبیت آمیز روایتوں کے فریب کا شکار ہو گئے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو: سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر ۷۳-۲۷ وغیرہ۔

یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اگر حضرت ابوسفیان امویؓ نے اپنی سابقہ عداوتِ اسلام میں یہ بات کہی تھی تو حضرت خالد بن سعید امویؓ نے، جو کہ ابتدائی مسلم اور سابقون اولون میں سے تھے، کس جذبہ سے کہا تھا یا حضرت زبیر بن عوام اسدیؓ نے ایسی بات کیوں کہی تھی؟ ظاہر ہے کہ ان سب کا مقصد فتنہ انگیزی نہیں تھا بلکہ وہ عبد مناف کے بالمقابل کسی دوسرے خاندانِ قریش کو ترجیح دینا عرب روایات کے خلاف سمجھتے تھے۔

(۱۲۶) زبیری، ۲۲؛ ابن سعد، سوم ۲۰، ہشتم ۲۳۳؛ انساب الاشراف، اول ۴۰۰؛ طبری، سوم ۳۸۵؛ جمہرہ، ۱۴۔ نیز ملاحظہ ہو: الکامل، سوم ۳۹۷؛ ابن سعد، ہشتم ۳۱۔

(۱۲۷) طبری، سوم ۳۸۶۔

(۱۲۸) طبری، سوم ۳۸۶۔

(۱۲۹) یعقوبی، دوم ۱۵۳؛ ابو یوسف، کتاب الخراج، ۲۵۔

(۱۳۰) زبیری ۴۵-۲۴۴۔

(۱۳۱) حضرت زیاد بن ابی سفیان امویؓ کے استلحاقِ نسب کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، پنجم ۱۵-۲۱۴ جنھوں نے استلحاق کی روایت "فیما قیل" (جیسا کہ کہا گیا) کے الفاظ سے بیان کی ہے جو اس کے ضعیف ہونے کی علامت ہے اور پھر دوسرے صفحہ پر ایک روایت ایسی بیان کی ہے جس سے استلحاق کی تردید ہوتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: الکامل، سوم ۴۵-۴۴۲۔

اس استلحاقِ نسب کے سلسلہ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان امویؓ پر قدیم و جدید مورخین نے اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے محض سیاسی منفعت حاصل کرنے، زیاد بن ابی سفیان کو حضرت علیؓ کی حمایت ترک کرنے اور اپنی موافقت پیدا کرنے کے لئے غلط طور پر اپنا بھائی اور اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کا فرزند تسلیم کیا تھا۔ جہاں تک اس فعلِ خلیفہ کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو ان کے تمام معاصرین نے، جن میں صحابہ کرام کی خاصی تعداد شامل تھی، جائز و مباح اقدام سمجھ کر قبول کیا تھا اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، یہاں تک موطا امام مالک میں ان کو فرزندِ ابی سفیانؓ تسلیم کیا گیا ہے۔ العواصم من القواصم، ۴۲-۲۳۵ میں اس موضوع پر کافی مفصل بحث ہے اور استلحاق کی تردید

ہے۔ حضرت معاویہؓ پر استلحاق کا الزام بعد میں اموی مخالف مورخوں اور متعصب راویوں اور مصنفوں نے عائد کیا ہے۔ اس کی تردید کے لئے ملاحظہ ہو: خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت، ۱۳-۵۰۹؛ محمد تقی عثمانی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۸۶ء، ۸۴-۱۷۹

(۱۳۲) انساب الاشراف، پنجم ۲۲-۱۵؛ الکامل، سوم ۶۶-۶۷؛ البدایہ والنہایہ، پنجم ۴۶-۱۴۵۔

(۱۳۳) انساب الاشراف، پنجم ۲۵-۲۲، الکامل، سوم ۴۷-۲۷؛ البدایہ والنہایہ، ہفتم ۴۷-۱۴۶ ومابعد۔

(۱۳۴) مثلاً ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۲۴-۲۲۲، ۳۴-۲۳۲؛ الکامل، سوم ۲۷-۲۷۔ خورشید احمد فارق، تاریخ اسلام۔ خلافت راشدہ و بنی امیہ، دہلی ۱۹۷۸ء، ۴۹-۱۴۴ جن کا پورا مطالعہ تاریخی و ذہنی کجروی اور واقعات کو مسخ کرنے اور بلا سند و حوالہ یا ضعیف و مرجوح روایات پر اپنے نتائج کی عمارت کھڑی کرنے کا شاہ کار ہے۔ انھوں نے تاریخ نگاری کے بجائے ''تاریخ سازی'' کی ہے۔

(۱۳۵) انساب الاشراف، پنجم ۲۳-۲۲؛ البدایہ والنہایہ، ہفتم ۱۴۷، سعید احمد اکبر آبادی، عثمان ذوالنورین، ۹۶۔

(۱۳۶) انساب الاشراف، پنجم ۲۶-۲۵۔

عام طور سے متعصب و جانبدار مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو صرف بنو امیہ بالخصوص بنو عقبہ بن ابی معیط سے محبت تھی حالانکہ یہ قطعی صحیح نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فطری رجحان کے تقاضے سے وہ اپنے خاندان سے زیادہ محبت کرتے ہوں مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ بنو عبد مناف سے محبت نہیں کرتے تھے۔ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بنو عبد مناف ہی نہیں بلکہ پورے قبیلہ قریش سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے محبوبوں کو بھی ان کی الفت و محبت کا احساس تھا جس کا ثبوت ان کے طرزِ عمل سے ملتا ہے۔

(۱۳۷) حضرت عثمانؓ پر الزامات کا بہت شافی و کافی جواب متعدد مورخوں نے دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: عمر ابوالنصر، خلفائے محمد، اردو ترجمہ، نقوش، رسول نمبر ۱۳، ۶۱-۳۵۴؛ محمد اسحاق صدیقی ندوی، اظہار حقیقت، کراچی غیر مورخہ، اول ۶۳-۳-۱۶۴؛ محمد یٰسین مظہر صدیقی، الهجمات المغرضة على التاريخ الاسلامي، ریاض ۱۹۸۸ء؛ تاریخ تہذیب اسلامی، جلد دوم، ۴۴-۷-۳؛ قاضی ابن

العربي،العواصم من القواصم،۱۱۱-۶۳؛ صلاح الدین یوسف،خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت،۹۸-۲۳۱۔

(۱۳۸)ابن سعد، چہارم ۵۷؛اسد الغابہ،اول ۵۱-۳۵۰؛اصابہ،اول ۲۹۲(نمبر ۱۵۰۰)۔

(۱۳۹)ابن سعد، ہفتم ۱۴؛چہارم ۵۷؛اسد الغابہ،سوم ۱۹۱ ومابعد۔

(۱۴۰)ابن خلدون،تاریخ ،دوم ۱۰۰۳۔

(۱۴۱)کتاب المعارف،۱۲۲؛الکامل،۱۹۹،ابن سعد، چہارم ۶۔

(۱۴۲)یعقوبی،تاریخ،دوم ۱۵۱۔

(۱۴۳)کتاب المعارف،۲۸-۱۲۷؛انساب الاشراف، پنجم ۳۹؛طبری، چہارم ۴۰۴۔

(۱۴۴)کتاب المعارف،۱۲۷۔

(۱۴۵)ابن سعد، چہارم ۵۳۔

(۱۴۶)ملاحظہ ہو: میری مذکورہ بالا کتاب ”بر سیرت ولید اموی“؛سعید احمد اکبر آبادی، عثمان ذوالنورین ۲۰۰-۱۹۵ ومابعد۔

(۱۴۷)طبری، چہارم ۲۶۹۔

(۱۴۸)ابن سعد، پنجم ۳۲؛اسد الغابہ، ہفتم ۱۰-۳۰۹؛ اصابہ،دوم ۶-۴۵۴(نمبر ۳۲۶۸)

(۱۴۹)ان کے جود وسخا کے لئے ملاحظہ ہو:ابن سعد، پنجم ۴۵-۴۴؛اسد الغابہ،سوم ۹۲-۱۹۱۔

(۱۵۰) جمحی، طبقات فحول الشعراء ۱۰۹؛ نیز ملاحظہ ہو: محقق کا حاشیہ ۳۔

(۱۵۱)ابن سعد، پنجم ۴۷-۴۶۔

(۱۵۲)ابن سعد، پنجم ۴۷۔ابن سعد نے دو صفحے آگے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کے اواخر میں حضرت عبد اللہ بن عامر امویؓ کی وفات ہوئی تو انھوں نے بیساختہ فرمایا:”اللہ ابو عبد الرحمٰن پر رحم کرے!اب ہم کس پر فخر کیا کریں گے اور کس سے مباہات کیا کریں گے“!

(۱۵۳) جمحی، طبقات، ۱۶۳۔

(۱۵۴)کتاب الاغانی، چہارم ۳۴۳۔

(۱۵۵)طبری، چہارم ۴۰۰؛الکامل، سوم ۱۸۲۔ طبری کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عباسؓ کو بلایا اور ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا۔

(۱۵۶)ابن سعد، چہارم ۳۳-۳۲۔

(۱۵۷)اس بحث کے لئے ملاحظہ ہو: سید ابو الاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، ۱۸-۱۱۱؛ اور دوسرے تمام جانبدار مورخین کی تصانیف جنھوں نے طبری، چہارم ۴۱۸-۳۷۶ اور انساب، پنجم ۱۴-۱۳؛ البدایہ و النہایہ، ہفتم ۹۷-۱۶۸ وغیرہ کی ضعیف روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔

(۱۵۸)ان روایات پر تنقیدی بحث کے لئے ملاحظہ ہو: عثمان ذوالنورین ۴۳-۲۴۱؛ اظہار حقیقت، اول ۳۰۴ ومابعد، ۶۸-۳۵۰۔ حضرت عثمان پر الزامات کی واضح تردید کے لئے ملاحظہ کریں: قاضی ابو بکر بن العربی، العواصم من القواصم، ۶۱-۱۱۱ ومابعد ؛ تعلیقاتِ مرتب: نیز ۱۳۹، ۴۱-۱۴۰۔

(۱۵۹)طبری، چہارم ۳۵۱؛ ابو بکر ہیثمی، موارد الظمآن، ۵۳۲؛ عثمان ذوالنورین، ۱۵-۲۱۱، ۴۳-۲۴۲: کتاب المعارف ۶۴؛ العواصم من القواصم، ۲۸-۱۲۵ مع تعلیقاتِ خطیب۔

(۱۶۰)طبری، چہارم ۵۱-۳۴۹؛ ابن سعد، سوم ۶۵؛ انساب، پنجم ۶۸-۶۷؛ البدایہ و النہایہ، ہفتم ۷۵-۱۷۰؛ عثمان ذوالنورین، ۱۵-۲۱۱، ۴۵-۲۴۳ ومابعد: طہ حسین، الفتنۃ الکبریٰ، ۲۰۸۔

(۱۶۱)طبری، چہارم ۵۵-۳۵۱؛ ہیثمی، موارد الظمآن، ۵۳۲؛ الکامل، سوم ۶۰-۱۵۹؛ البدایہ و النہایہ، ہفتم ۷۱-۱۷۰؛ عثمان ذوالنورین ۱۵-۲۱۱ وغیرہ۔ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بالعموم اور حضرت علیؓ بالخصوص کوفہ، بصرہ اور مصر کی باغیوں کی سازش سے واقف تھے اور ان کے علٰحدہ راستوں سے بیک وقت واپس ہونے کو ان کی سازش پر دلیل بنایا تھا۔ مزید ملاحظہ ہو: العواصم من القواصم، مع تعلیقات ۲۸-۱۰۹۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں کے الزامات کے جو جوابات حضرت علیؓ نے دئے تھے ان کے لئے ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ، ہفتم ۷۱-۱۷۰۔ ان کے آخری جملہ کے الفاظ ہیں "...... واللہ لو ان مفتاح الجنۃ بیدی لادخلت بنی امیۃ الیہا" (۱۷۱)۔

(۱۶۲)طبری، چہارم ۳۴۴-۳۴۳؛ ابن سعد، سوم ۶۶: البدایہ و النہایہ، ہفتم ۷۴-۱۷۱ ومابعد: عثمان ذوالنورین ۴۲-۲۴۱ ومابعد: العواصم من القواصم، ۱۳۰؛ انساب الاشراف، پنجم ۷۶۔ حدیثِ نبوی کے لئے ملاحظہ ہو: العواصم، مع تعلیقاتِ خطیب ۳۱-۱۳۰۔

(۱۶۳)الکامل، سوم ۱۷۴؛ ابن سعد، سوم ۷۱-۷۰؛ طبری، چہارم ۳۵۰ کا بیان ہے کہ حضرت حسنؓ باغیوں کے آنے کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھے جبکہ حضرت علیؓ احجار الزیت

مقام پر اپنی فوجی ٹکڑی (عسکر) کے ساتھ ان کی مدافعت کے لئے موجود تھے۔ دوسرے صحابہ کے لئے مزید ملاحظہ ہو: **العواصم من القواصم**، ۳۳-۱۳۲ جس کے مطابق حضرات عبداللہ بن عمر، حسن بن علی، زید بن ثابت، ابوہریرہ، ابن زبیر، مروان رضی اللہ عنہم اور انصار کے کئی طبقات دفاع کے لئے موجود تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: **البدایہ والنہایہ**، ۱۷۶؛ عثمان ذوالنورین، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۶۔

(۱۶۴) ابن سعد، سوم ۶۶؛ طبری، چہارم ۵۳-۳۵۱؛ **انساب**، پنجم ۸۵-۸۳: نیز ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۶۰-۳۵۹، ۸۳-۳۸۲، ۳۸۵، ۸۹-۳۸۸ ومابعد؛ **العواصم من القواصم**، ۳۴-۱۳۳، جن کے مطابق حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود حضرات مروانؓ، ابن زبیر اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم نے ان کی مدافعت جاری رکھی اور آخر تک ان کے دروازے پر موجود رہے تھے۔ تدفینِ عثمانی کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۴۱۲؛ **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۷۷-۱۷۶ ومابعد۔

(۱۶۵) **انساب**، پنجم ۵۔

(۱۶۶) **انساب**، پنجم ۹۔

(۱۶۷) **انساب**، پنجم ۱۰۔

(۱۶۸) **الکامل**، سوم ۱۸۴۔

(۱۶۹) **انساب**، پنجم ۱۵-۱۴۔

(۱۷۰) **کتاب المحبر** ۱۶-۱۱؛ طبری، چہارم ۴۰۵۔

(۱۷۱) طبری، چہارم ۶-۴۰۵۔ اس موقعہ پر حضرت عثمانؓ نے بحیثیت امیر المومنین مسلمانانِ عالم کے نام اپنا پیغام بھی حضرت ابن عباسؓ کے ہمراہ بھیجا تھا جو انھوں نے یوم ترویہ میں مجمعِ عام میں پڑھ کر سنایا۔ ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۴۱۱-۴۰۷۔ نیز مقولہ ابن عباسؓ کے لئے ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم ۸۰۔

(۱۷۲) زبیری ۵۷، ۱۲۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: **ازدواجی تعلقات** پر میرا مذکورہ بالا مضمون۔

(۱۷۳) حضرت علیؓ کے انتخاب پر اختلاف صحابہ کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۵۲-۴۵۰: **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۲۶-۲۲۵ جن کے مطابق بیعت نہ کرنے والوں میں متعدد مہاجرین وانصار شامل تھے؛ ابن تیمیہ، **منہاج السنہ**، ۷، ۲۳؛ شاہ ولی اللہ دہلوی، **ازالۃ الخفاء**، طبع اول غیر مورخہ، دوم ۲۷۹؛ عباسی، **خلافتِ معاویہ و یزید**، ۲۰۲؛ محمد اسحاق صدیقی ندوی، **اظہار حقیقت**، دوم

۳۶-۱۹۔ علامہ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد مکمل نہیں ہوا تھا اور بہت سے صحابہ نے ان سے بیعت نہیں کی تھی جن میں حضرات سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ جیسے بزرگ صحابہ شامل تھے۔

(۱۷۴) قصاصِ خونِ عثمان کے دو گروہ دعویدار ہوئے: (ا) حضرت عائشہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کا اتحاد (ب) حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقائے کار رضی اللہ عنہم۔ ان کے مطالبات کے لئے ملاحظہ ہو: **الکامل**، سوم ۲۰۴-۱۹۸؛ **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۲۸-۲۲۷؛ ازالۃ الخفاء، دوم ۲۷۹۔ طبری، پنجم ۱۶۰ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کو شہادتِ عثمانی کے بعد خلافت قبول کرنے سے روکا تھا کہ ان پر خون کا الزام لگ جائے گا۔ نیز ملاحظہ ہو: اظہار حقیقت، دوم ۴۶-۳۶، ۹۵-۱۶۸، تفصیل کے لئے باب دوم و سوم دیکھیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا خیال ہے کہ قصاص پر قادر ہونے کے باوجود حضرت علیؓ نے خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہیں لیا اور ان کی اس اجتہادی غلطی کے سبب صحابہ کرام کو ان کی بیعت سے گریز ہوا۔ طبری، ۱۷۵ کے مطابق حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی نے ترکِ قصاص کو ''ترکِ نظام اور عدمِ انعقادِ سلطان'' کے مرادف قرار دیا تھا۔

(۱۷۵) طبری، چہارم ۴۵۸؛ **الکامل**، سوم ۱۰۰؛ **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۲۸-۲۲۷ومابعد، اظہار حقیقت، دوم ۴۴-۳۹۔ نیز ملاحظہ ہو: **نہج البلاغہ**، دوم ۱۵۹ (طبع دار الکتب الکبریٰ، قاہرہ)۔

(۱۷۶) طبری، چہارم ۶۰-۴۵۸؛ **الکامل**، سوم ۱-۱۰۰؛ **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۲۲۸؛ اظہار حقیقت، دوم، باب دوم۔

(۱۷۷) طبری، چہارم ۴۶۴؛ **الکامل**، سوم ۴-۱۰۳؛ **البدایہ والنہایہ**، ہفتم ۲۲۹؛ اظہار حقیقت، دوم، باب سوم، ۷۷-۱۷۲۔

(۱۷۸) طبری، چہارم ۴۱-۴۴۰؛ **الکامل**، سوم ۱۹۸؛ **البدایہ والنہایہ**، ہشتم ۲۱؛ خلافت و ملوکیت ۳۴-۱۳۲؛ اظہار حقیقت، دوم ۲۰۲-۱۹۱۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ خلافتِ علیؓ کے انعقاد کے بعد ان کے بہت سے امراء نے، جو قتلِ حضرت عثمانؓ میں ملوث تھے، انھیں مشورہ دیا کہ وہ شام سے حضرت معاویہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سہل بن حنیف انصاری کو مقرر کر دیں چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے مشورے پر حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا۔

(۱۷۹) **الکامل**، سوم ۹۸-۱۹۷؛ طبری، چہارم ۴۴۰۔

(۱۸۰)طبری، چہارم ۴۴۵؛ابن حنبل، کتاب السنۃ، مطبوعہ مکہ معظمہ، دوم ۲۱۴؛البدایہ والنہایہ، ہفتم ۲۲۹؛الکامل، سوم ۲۰۴؛نیز اظہار حقیقت، دوم ۱۶-۲۱۵، ۹۸-۳۹۷ ومابعد۔ بعض دوسرے صحابہ کرام بھی حضرت علیؓ کے مدینہ منورہ سے باہر جانے کے مخالف تھے۔ چنانچہ طبری، جلد پنجم ۱۷۰ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے ان کو یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ اگر آپ مدینہ منورہ سے چلے گئے تو نہ تو آپ پھر واپس آسکیں گے اور نہ اسلامی خلافت مدینہ لوٹے گی۔ مگر سبائیوں نے ان کو برا بھلا کہا اور حضرت علیؓ نے بھی ان کی بات نہ مانی۔ ملاحظہ ہو: طبری، چہارم ۵۸-۴۴۵؛الکامل، سوم ۲۲۲؛البدایہ والنہایہ، ہفتم ۳۳-۲۲۸؛نووی، شرح مسلم، کتاب الفتن، کتاب فضائل الصحابہ۔

(۱۸۱)طبری، چہارم ۸۹-۴۸۸، ۹۶-۴۹۳، ۷-۵۰۵ ومابعد؛الکامل، سوم ۲۴-۲۰۵؛ البدایہ والنہایہ، ہفتم ۳۹-۲۳۷۔

(۱۸۲)طبری، چہارم ۶۶-۵۶۳، پنجم ۶۳-۵؛الکامل، سوم ۳۲۵-۲۷۶؛ البدایہ والنہایہ، ہفتم ۴۴-۲۲۹۔

(۱۸۳)طبری، چہارم ۷۵-۵۷۳؛الکامل، سوم ۸۶-۲۸۵؛البدایہ والنہایہ، ہفتم ۷۵-۲۵۲۔

(۱۸۴)ابن حنبل، کتاب السنۃ، مکہ معظمہ، دوم ۲۱۴؛ابن سعد، پنجم ۵۵؛منہاج السنۃ، سوم ۱۸؛ازالۃ الخفاء، دوم ۲۸۳۔ امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ سے اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”تمہارے باپ کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ معاملہ اتنا طول کھینچے گا، کاش تمہارا باپ آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا“۔ ان کو بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ جنگ کرنے سے جنگ نہ کرنا بہتر تھا۔ ملاحظہ ہو: منہاج السنۃ، دوم ۲۴۳۔

(۱۸۵)علماءِ اہلِ سنت میں سید ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت ۳۲-۱۲۸، ۴۰-۱۳۲ اس خیال کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ جنگِ جمل کے ضمن میں تو وہ بھی جنگ برپا کرنے کی ذمہ داری قاتلوں اور سازشیوں کے سر ڈالتے ہیں مگر جنگِ صفین کے لئے وہ سراسر حضرت معاویہؓ کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو: خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت کے باب چہارم کی فصل سوم وچہارم۔

(۱۸۶)طبری، پنجم ۵۱؛ الکامل، سوم ۳۱۹؛ البدایہ والنہایہ، ہفتم ۳۹-۲۳۷ نیز

۲۷۶۔ تفصیلی بحث اور سید مودودی کے دلائل وخیال کی تردید کے لئے اظہارِ حقیقت، دوم کے باب دوم وسوم؛ نیز خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت کے باب چہارم کی فصل چہارم ملاحظہ ہو۔

(۱۸۷)طبری، پنجم ۱۵؛ الکامل، سوم ۳۱۹؛ البدایه والنهایه، ہفتم ۳۹-۲۳۷،۲۳، ۲۷۲ نیز ملاحظہ ہو: خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت کے مذکورہ بالا ابواب وفصول؛ منهاج السنه، دوم ۳۶-۲۳۴۔

(۱۸۸)کتاب المعارف، ۲۰۴؛ اسد الغابه، سوم ۲۴-۴۲۲؛ اصابه، دوم ۴۸۷ (نمبر ۵۶۳۰)۔ حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ سے تقریباً بیس سال بڑے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ میں اسلام لائے اور ہجرت کر کے مدینہ آبسے اور حنین وغیرہ کے غزوات میں حصہ لیا۔ بحالتِ کفر وہ غزوہ بدر میں اسلام کے خلاف لڑے اور قید ہوئے تھے۔ وہ بڑے ذہین وفطین، انسابِ قریش کے جید عالم اور صاحب کردار بزرگ تھے۔ قریش کے چار عظیم ترین ججوں- عقیل، مخرمہ، حویطب اور ابوجہم- کے رکنِ اعظم تھے۔ ابن سعد کے مطابق ان کی وفات خلافتِ معاویہؓ میں ہوئی مگر بخاری کی تاریخ صغیر کے مطابق خلافتِ یزید میں واقعہ حرہ سے قبل فوت ہوئے۔

(۱۸۹)مثلاً ملاحظہ ہو: اسد الغابه، سوم ۴۲۳؛ اصابه، دوم ۴۸۷ (نمبر ۵۶۳۰)۔ ان روایات میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دولت کے لالچ میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا حالانکہ وہ اپنے سیاسی مسلک نیز حضرت معاویہؓ کے طریقہ کو غلط سمجھتے تھے۔ یہ روایت بداہتاً غلط ہے کیونکہ وہ عدالتِ صحابہ نیز ایمانِ مومن کے قطعی خلاف ہے۔

(۱۹۰)غزوہ حنین کے واقعہ کے لئے ملاحظہ ہو: واقدی، ۹۱۸؛ ابن سعد، چہارم ۴۴-۴۳۔ موخر الذکر نے غزوہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۹۱)ابن عساکر، چہارم ۱۳-۱۱۲۔

(۱۹۲)ابن عساکر، پنجم ۸۸۔

(۱۹۳)الکامل، سوم ۴۱۱۔

(۱۹۴)ابن الجوزی بحوالہ مختارات من ادب العرب، ازابوالحسن علی حسنی ندوی، مطبع مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، حیدر آباد دکن، غیر مورخہ، دوم ۱۵-۱۴۔

(۱۹۵)ابن ابی الحدید، شرح نهج البلاغه، جلد سوم ۸۳۶؛ البدایه والنهایه، ہشتم ۱۳۱؛ ازالۃ الخفاء، دوم ۲۸۳۔ نیز ملاحظہ ہو: الامامه والسیاسه، طبع اول ۱۹۳۷ء، اول ۱۷۶۔

(۱۹۶) بخاری، جامع صحیح، کتاب فضائل الصحابة، مناقب الحسن والحسین وغیرہ: البدایہ والنہایہ، ہشتم ۱۷-۱۶؛ العواصم من القواصم، ۱۷۰۔

(۱۹۷) طبری، پنجم ۶۴-۱۶۲ نیز ملاحظہ ہو: ۱۶۰؛ البدایہ والنہایہ، ہشتم ۱۶-۱۵؛ الکامل، سوم ۴۰۵؛ بخاری، جامع صحیح، کتاب الصلح۔

(۱۹۸) سب وشتم حضرت علیؓ کی روایاتی کی روایتی اور درایتی حیثیت پر بحث کے لئے ملاحظہ ہو: ابن حجر ہیثمی، تطہیر الجنان، ۵۴، ۶۴ وغیرہ۔ حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ ان تمام روایات میں کسی نہ کسی قسم کا سقم (علة) ہے۔ صحابہ کے بارے میں جو روایات مثالب بیان کرتی ہیں ان پر ابن تیمیہ کے تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو: منہاج السنہ، سوم ۱۹۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت، ۵۰۶-۴۹۷۔

(۱۹۹) الکامل، چہارم ۱۲۔

(۲۰۰) طبری، پنجم ۶۴-۱۶۳؛ الکامل، سوم ۴۰۸۔

(۲۰۱) مثلاً طبری، پنجم ۱۶۰، کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے جب حضرت حسنؓ کے فیصلہ مصالحت سے اختلاف کیا تو برادرِ بزرگ نے ان کو نہ صرف سرزنش کی بلکہ سمجھایا بھی لہذا حضرت حسینؓ نے اس سے اتفاق کر لیا۔ ہمارے عام مورخین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کی خلافت و بیعت بکراہت قبول کی تھی۔ ملاحظہ ہو: دینوری، الاخبار الطوال، لائیڈن ۱۸۸۸ء، ۲۳۷؛ طہٰ حسین، علی وبنوہ، طبع قاہرہ، ۲۰۳۔ مگر یہ روایات صحیح نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کے طرز عمل سے میل نہیں کھاتیں۔

(۲۰۲) دوسری طرف بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے بخوشی ان کی خلافت قبول کی تھی۔ ملاحظہ ہو: الاخبار الطوال، ۲۳۴۔ اس کے علاوہ طبری، ابن کثیر وغیرہ کی متعدد روایات بھی ان کے طرزِ عمل کو بتاتی ہیں اور ان کا ذکر اوپر کے متن اور حواشی کے ضمن میں بھی آتا رہا ہے۔

(۲۰۳) البدایہ والنہایہ، ہشتم ۵۱-۱۵۰۔

(۲۰۴) ایضاً ۱۵۱۔

(۲۰۵) شرح نہج البلاغہ، دوم ۸۳۳۔

(۲۰۶) قسطلانی، شرح صحیح بخاری، اصح المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ، اول ۴۱۰، نے لکھا ہے

کہ قیصر کے شہر پر سب سے پہلے جس نے جہاد کیا وہ یزید بن معاویہ تھے اور ان کے ساتھ حضرات ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ و اکابر صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن حجر، فتح الباری، اول ۴۱۰، جن کا خیال یہ ہے کہ وہ حدیثِ نبوی جس میں قسطنطنیہ کے مجاہدوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے دراصل حضرت معاویہؓ، ان کے فرزند یزید اور ان کی مہم کے شرکاء کی منقبت میں ہے۔ یہ حضرت مہلب کا بھی خیال ہے۔ حدیثِ نبوی مذکورہ بالا کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، اول ۴۱۰ (باب ماقیل فی قتال الروم)۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن تیمیہ، منهاج السنه، دوم ۲۵۲؛ البدایه والنهایه، ہشتم ۸۱۔ حضرت حسین بن علیؓ کی اس اموی لشکر میں شرکت کے لئے ملاحظہ ہو: البدایه والنهایه، ہشتم ۱۵۱؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۸۴؛ طبری، پنجم ۲۳۲؛ طبقات ابن سعد، ترجمہ حضرت حسینؓ۔ اس بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خلافتِ معاویہ ویزید، ۳۰-۲۱۔ طبری نے لکھا ہے کہ ۴۹ھ / ۶۶۹ء کی مہم میں یزید بن معاویہ نے روم پر حملہ کیا اور قسطنطنیہ تک پہونچ گئے اور ان کے ساتھ حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔

(۲۰۷) زبیری، ۴۰؛ ابن سعد، پنجم ۳۵؛ الکامل، سوم ۴۶۰؛ ابن عساکر، ۷، ۱۳۔

(۲۰۸) زبیری، ۱۴۱۔

(۲۰۹) کتاب المعارف، ۳۲۰۔ ابن قتیبہ نے بہر حال اپنی روایات میں ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جس سے کسی دوسرے اموی کی شرکت کی نفی معلوم ہوتی ہو۔

(۲۱۰) ابن عساکر، ششم ۱۲۷۔

(۲۱۱) یعقوبی، دوم ۲۲۵۔

(۲۱۲) یعقوبی، دوم ۲۲۷۔

(۲۱۳) یعقوبی، دوم ۲۲۵؛ الکامل، سوم ۴۰۸، نے اس کو ۴۱ھ / ۶۲-۶۶۱ء کا واقعہ قرار دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم ۲۱۴۔

(۲۱۴) یعقوبی، دوم ۲۳۱۔

(۲۱۵) ابن عساکر، ششم ۱۴۲، ۱۴۵، کے مطابق حضرت سعید بن عاص اموی کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ / ۷۸-۶۷۷ء میں ہوئی تھی۔

(۲۱۶)یعقوبی، دوم ۲۲۵؛ ابن عساکر، چہارم ۱۰۵۔

(۲۱۷)زبیری، ۵۵-۱۵۴۔

(۲۱۸)ابن عساکر، ہفتم ۳۶-۳۳۵۔

(۲۱۹)ابن عساکر، ہفتم ۳۴-۳۳۳۔

(۲۲۰)ابن عساکر، ہفتم ۳۱-۳۲۷۔

(۲۲۱)ابن عساکر، ہفتم ۴۳-۳۴۲۔

(۲۲۲)حذف من نسب قریش، ۲۷-۲۶۔

(۲۲۳)الکامل، چہارم ۱۳۔

(۲۲۴)الکامل، پنجم ۷۳۔

(۲۲۵)ابن عساکر، ہفتم ۳۹-۴۳۸۔

(۲۲۶)طبری، پنجم ۱۶۷۔

(۲۲۷)ابن سعد، ہفتم ۳۶۷۔

(۲۲۸)ابن سعد، ایضاً؛ یعقوبی، دوم ۲۳۷۔ موخرالذکر کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت سعید بن عثمان اموی عاملِ خراسان نے سمرقند فتح کیا تو ان کے ساتھ حضرت قثم بن عباس ہاشمیؓ بھی شریکِ مہم تھے اور انھوں نے سمرقند ہی میں وفات پائی۔

(۲۲۹)زبیری، ۸۸۔

(۲۳۰)طبری، پنجم ۱۷۳، ۲۳۲؛ الکامل، سوم ۴۲۰۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، پنجم ۲۲-۲۱، کے مطابق یہ تقرری ۴۲ھ / ۶۳-۶۶۲ء میں حضرت مروان امویؓ کی پہلی ولایتِ مدینہ کے زمانے میں ہوئی تھی اور ۴۹ھ / ۶۶۹ء تک جاری رہی۔ حضرت ابو ہریرہؓ ان کو اسلام کا پہلا قاضی کہا کرتے تھے۔ واقدی کا بیان ہے کہ ہمارے اصحاب کے اتفاق کے مطابق حضرت عبد اللہ بن نوفل ہاشمیؓ حضرت مروان بن حکم امویؓ کے پہلے قاضی تھے مگر بعض اہلِ بیت نہ صرف ان کے بلکہ کسی بھی ہاشمی کے اموی حکومت کے دوران قاضی بننے کا انکار کرتے ہیں۔

(۲۳۱)الکامل، چہارم ۱۹۳؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن عساکر، ششم ۱۴۲۔

(۲۳۲)الکامل، چہارم ۹۴-۱۹۳۔

(۲۳۳)حضرت مروان اموی کے اکابر محدثین کے نزدیک ثقہ ہونے کے لئے ملاحظہ ہو: بخاری، جامع صحیح ،کی مختلف کتب جیسے کتاب الحج ،کتاب العتق ،کتاب الھبة، کتاب الشروط ،کتاب فضائل النبی ﷺ، کتاب المغازی؛ الکامل، چہارم ۹۴-۱۹۳؛ انساب، پنجم ۱۲۵۔اس موضوع پر مکمل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: العواصم من القواصم، ۹۰-۸۹، مع تعلیقاتِ خطیب ۲-۱، جس کے مطابق حضرت مروانؓ صحابہ، تابعین اور فقہاءِ مسلمین کے نزدیک اکابرینِ امت میں سے ہیں اور عدل کے مقام پر فائز ہیں اور ان کی روایات و فتاویٰ پر تمام فقہائے امصار اعتماد کرتے تھے۔ خطیب کے مطابق حضرت مروانؓ کی روایت قبول کرنے والوں میں حضرت سعید بن المسیب اور مدینے کے فقہائے سبعہ میں سے حضرات ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور عروہ بن زبیر وغیرہ شامل تھے۔ان کے سوا امام بخاری نے کتاب الوکالہ میں اور امام احمد بن حنبل نے ان کی روایات متعدد مقامات پر قبول کی ہیں۔ امام عبد الرزاق امامِ یمن وغیرہ نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔ مزید بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خاکسار کے دو مضامین: ۱-حضرت مروان بن حکم اموی-سیرت و کردار کے دو رخ ،التوعیہ، دہلی ،جنوری-اپریل ۱۹۹۵ء؛ ۲-حضرت مروان بن حکم اموی اور امام بخاری، المآثر، مئو، اگست-دسمبر ۱۹۹۹ء و جنوری ۲۰۰۰ء۔

(۲۳۴)خلافت و ملوکیت ۶۶-۱۶۴، جس میں یہ واقعہ طبری، چہارم ۲۰۷-۱۹۰؛ استیعاب، اول ۱۳۵؛ ابن الاثیر، الکامل، سوم ۴۲-۲۳۴؛ البدایہ و النہایہ، ہشتم ۵۵-۵۰؛ اور ابن خلدون، سوم ۱۳، کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲۳۵) قتل کے اصل اسباب کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، پنجم ۷۷-۲۷۰؛ الکامل، سوم ۲۸۶؛ البدایہ والنہایہ، ہشتم ۵۴؛ خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت ۸۰-۳۷۴۔

(۲۳۶)ابن عساکر، ششم ۱۷۷۔

(۲۳۷)کتاب المنمق، ۵۳۶؛ کتاب المحبر، ۴۷-۴۶۔

(۲۳۸)زبیری، ۸۶ اور انساب، اول ۴۰۰۔ یہ روایت ان دونوں مورخین اور ماہرینِ نسب کے نزدیک ضعیف و مرجوح ہے کہ اول الذکر نے "زعموا" سے بیان کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ راویوں کا خیال ہے اور موخر الذکر نے "یقال" (کہا جاتا ہے) کے لفظ سے شروع کیا ہے اور وہ دونوں روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہیں۔ مزید برآں یہ روایت سندِ مجہول پر مبنی ہے کہ راویوں کے

ناموں کا علم و ذکر نہیں اور سندِ مجہول کی روایت بلااختلاف مردود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، ہشتم ۴۰-۳۹۔

(۲۳۹) ایک دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ان روایتوں سے حضرت معاویہؓ کے حلم و شرافتِ نفس کا علم ہوتا ہے۔ حضرت مروانؒ نے جب خلیفۃ المسلمین کو حضرت امامہ بنت ابی العاصؓ کے بارے میں سارا ماجرا لکھ بھیجا تو حضرت معاویہؓ نے ان کو لکھا کہ "امامہ اپنی مرضی کی مختار ہیں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو" چنانچہ حضرت مروانؒ نے ان سے ذرا تعرض نہ کیا۔

(۲۴۰) انساب، چہارم (ب) ۷۵۔

(۲۴۱) زبیری، ۸۳-۸۲؛ جمہرہ، ۶۲۔

(۲۴۲) چند مبارک مستثنیات کے سوا موجودہ دور کے بیشتر علماء، مورخین، مصنفین اور جہلاء عوام و خواص کا بھی یہی خیال ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: سید ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت ۸۱-۷۹، ۶۰، ۲۴۵۔

(۲۴۳) البدایہ والنہایہ، ہشتم ۸۰؛ انساب، چہارم (ب) ۴-۳؛ الامامۃ والسیاسۃ، طبع اول، قاہرہ ۱۹۳۷ء، ۲۱۳۔ نیز ملاحظہ ہو: خلافتِ معاویہ و یزید ۴۲-۳۲ وما بعد۔

(۲۴۴) الکامل، چہارم ۱۲۷۔

(۲۴۵) طبری، پنجم ۳۰۳؛ البدایہ والنہایہ، ہشتم ۲۲۹؛ ذہبی، تاریخ الاسلام، سوم ۹۱۔

(۲۴۶) طبری، پنجم ۳۰۳۔

(۲۴۷) انعقادِ خلافتِ یزید بن معاویہ کے لئے ملاحظہ کیجئے: صحیح بخاری، اصح المطابع، کراچی، دوم ۱۰۵۳؛ ۵۸۹؛ صحیح مسلم، اصح المطابع، کراچی، دوم ۱۳۶، کتاب الامارۃ۔ یہ تمام روایات حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی بیعتِ یزید سے متعلق ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۱۸، ۳۳-۲۳۲۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت، ۳۲-۴۰۱؛ ابن خلدون، مقدمہ، فصل ولایۃ العہد، ۳-۲۰۴؛ العواصم من القواصم، مع تعلیقاتِ خطیب، ۲۱۴۔ شیعی روایات اور ان کی ترجمانی کے لئے ملاحظہ ہو: خلافت و ملوکیت، ۱۴۸۔

ابن کثیر اور ذہبی کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کی نامزدگی کے بعد مجمع عام میں دعا کی تھی: "اے اللہ تو سب کچھ جانتا ہے۔ اگر میں نے اس کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس

امر کو پایہ تکمیل تک پہونچادے اور اگر میں نے اس کو فرزند کی محبت کے جذبہ سے بنایا ہے تو اس امر کو مکمل نہ ہونے دے"۔ البدایہ، ہشتم ۸۰؛ تاریخ الاسلام، دوم ۲۲۷ بحوالہ خلافت و ملوکیت کی شرعی اور تاریخی حیثیت، ۴۱۵ حاشیہ۔

(۲۴۸) طبری، پنجم ۳۲۲۔

(۲۴۹) حضرت علی اکبر کے بارے میں حضرت معاویہؓ کا یہ تبصرہ ان سے اپنے خون کے رشتے کے سبب تھا جو ان کی محبت اور حلم پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۵۰) زبیری، ۱۳۳؛ انساب، چہارم (ب) ۱۵-۱۴؛ ابن عساکر، ہفتم ۸-۴۰۷؛ الکامل، چہارم ۱۶-۱۵۔

(۲۵۱) طبری، پنجم ۴۰-۳۳۹۔ مفصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو: خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت کے باب چہارم کی فصلِ ششم۔

(۲۵۲) طبری، پنجم ۳۴۳۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طبری نے واقدی کی یہ روایت لفظ "زعم" سے شروع کی ہے جو ان کے نزدیک اس کے مرجوح و ضعیف ہونے کی علامت ہے لیکن دوسرے مآخذ نیز حضرت ابن عمرؓ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے کیونکہ وہ یزید کی بیعت کر چکے تھے اور اس پر از اول تا آخر قائم رہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ انھوں نے اپنے اہل و عیال اور دوسروں کو بھی بیعتِ یزید کرنے اور فرمانبردار رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو: **صحیح بخاری**، مذکورہ بالا۔

(۲۵۳) انساب، چہارم (ب) ۴-۳۔

(۲۵۴) طبری، پنجم ۳۸۸؛ الکامل، چہارم ۴۰۔

(۲۵۵) واقعہ کربلا کی ترجمانی میں دو مکاتبِ فکر بن گئے ہیں۔ اول وہ طبقہ ہے جو اس واقعہ کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ وقت، ان کے امراء و عمال اور بنو امیہ پر ڈالتا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: سید ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ۸۱-۱۷۹۔ جبکہ دوسرے طبقہ کے نزدیک خروج کی ذمہ داری حضرت حسینؓ پر تھی اور ان کی شہادت کی ذمہ داری شیعانِ کوفہ پر تھی۔ ملاحظہ ہو: محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ۹۵-۲۶۴۔ نیز ملاحظہ ہو: امام ابنِ تیمیہ، ابنِ حجر، اسرار احمد، عتیق الرحمٰن سنبھلی وغیرہ کی تحقیقات۔

(۲۵۶) الکامل، چہارم ۵۵؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۷۶-۱۷۳ ومابعد۔

(۲۵۷) مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفی لشکر کے سالاروں میں سے بعض نے حضرت حسینؓ کو خلیفہ اموی کے پاس خط لکھنے کے لئے آمادہ کیا تھا اور انھوں نے واقعتاً لکھے بھی تھے۔

(۲۵۸) زبیری، ۵۷۔

(۲۵۹) الکامل، چہارم ۸۴؛ابن عساکر، پنجم ۳۷۰؛ البدایہ والنہایہ، ہشتم ۹۵-۱۹۴ ومابعد۔ قبر و سر مبارک حضرت حسینؓ کے لئے ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ، ہشتم ۴-۲۰۳۔

(۲۶۰) الکامل، چہارم ۹۱-۸۵؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۹۷-۱۹۵۔

(۲۶۱) الکامل، چہارم ۸۹، کے مطابق قاتلوں کو شفاعتِ محمدی سے محرومی کی بشارت دی تھی اور ان سے ترکِ موالات کا اظہار کیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ، ہشتم ۱۹۶ ومابعد۔

(۲۶۲) ابن سعد، پنجم ۲۳۸؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۰۴۔

(۲۶۳) الکامل، چہارم ۱۵-۱۴، ۴۰-۳۷؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۴۹-۱۴۷، ۶۱-۱۵۹ ومابعد۔

(۲۶۴) کتاب المنمق، ۴۳-۲۴۷؛ انساب، چہارم (ب) ۳۔

(۲۶۵) انساب، چہارم (ب) ۶۔

(۲۶۶) ابن عساکر، ہفتم ۴۳-۳۳۹۔

(۲۶۷) انساب، چہارم (ب) ۲۰۔

(۲۶۸) ابن سعد، پنجم ۱۴۵۔

(۲۶۹) واقعہ حرہ سے متعلق مبالغہ آمیز روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو: الکامل، چہارم ۲۱-۱۱۱؛ البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۴-۲۱۷۔

(۲۷۰) البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۳۳؛ "مارأیت منه ماتذکرون،وقد حضرته واقمت عنده فرأیته مواظبا علی الصلاة،متحریا للخیر،یسأل عن الفقه،ملا زما للسنة.قالوا:فان ذلك کان منه تصنعالك ،فقال: وما الذی خاف منی اورجا حتی یظهره الی الخشوع؟ أفاطلعکم علی ماتذکرون من شرب الخمر؟فلئن کان اطلعکم علی ذلك انکم لشرکاء ه وان لم یکن اطلعکم مما یحل لکم ان تشهدو ابما لم تعلموا"۔

(۲۷۱) ابن تیمیہ ،فتاویٰ، سوم ۱۰-۴۰۹۔ کردارِ خلیفہ یزید کے بارے میں ملاحظہ ہو: البدایہ

والنهایه، ہشتم ۲۹-۲۲۶۔

(۲۷۲)زبیری، ۵۸۔ نیز ملاحظہ ہوں: روایاتِ طبری، ابنِ اثیر اور ابنِ کثیر وغیرہ جو خاندانِ حسینی کے مدینہ بھیجے جانے سے بحث کرتی ہیں۔

(۲۷۳)الکامل، چہارم ۸۷۔ ابنِ اثیر نے اس ضمن میں ایک دلچسپ روایت یہ لکھی ہے کہ ایک دن جب خلیفہ اموی نے حضرت علی زین العابدین کو بلایا تو ان کے ساتھ عمرو بن حسن بھی تھے جو اس وقت ایک چھوٹے بچے تھے۔ خلیفہ نے اپنے فرزند خالد بن یزید کی طرف اشارہ کر کے عمرو بن حسن سے کہا: ''ان سے لڑو گے''؟ عمرو نے جواب دیا: ''ایک چاقو مجھے دیجئے اور ایک اسے دیجئے تاکہ میں اس سے لڑوں''۔ یزید نے عمرو کو سینے سے چمٹا لیا اور کہا: ''نر سانپ کی اس عادت کو میں پہچانتا ہوں۔ سانپ سانپ ہی کو جنم دیتا ہے''۔ نیز ملاحظہ ہو: زبیری، ۵۸۔

(۲۷۴)طبری، پنجم ۸۵-۴۸۴؛ انساب، چہارم (ب) ۳۴۔ یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ یزید نے غالباً واقعہ کربلا کے پس منظر میں اپنے سالارِ لشکر کو بنو ہاشم بالخصوص حضرت علی بن حسینؓ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی تھی کہ مبادا ان کی غفلت و تجاوز سے کوئی دوسرا ناخوشگوار واقعہ رونما ہو جائے۔

(۲۷۵)بنو امیہ کے ساتھ اہل مدینہ کے غیر اخلاقی سلوک کے لئے ملاحظہ ہو: انساب، چہارم (ب) ۳۳-۳۲، ۴۱ کا بیان ہے کہ اہلِ مدینہ نے عثمان بن محمد وغیرہ تمام بنو امیہ اور ان کے موالی اور قریش کے ان تمام لوگوں پر حملہ کر دیا جو ان کے حامی تھے۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ ان کو مدینہ سے نکال باہر کیا۔ بنو امیہ نے اپنی تمام جماعت کے ساتھ دارِ مروانؓ میں پناہ لی تو لوگوں (الناس) نے وہاں ان کا محاصرہ کر لیا۔ دارِ مروانؓ میں صاحبِ مکان کے ساتھ ان کے فرزند عبدالملک بھی تھے۔ لوگوں نے ان پر یزید کی بیعت توڑنے کے لئے زور دیا۔ حضرت مروانؓ نے سارے حالات خلیفہ یزید کو حبیب بن کرہ کے ہاتھ ایک خط میں لکھ بھیجے۔ واقعہ حرہ کا اصل سبب مدینہ کی یہ شورش تھی جو بروز جمعہ ۲۷/ذی الحجہ ۶۳ھ / ۲۷/اگست ۶۸۳ء کو پیش آئی۔ نیز ملاحظہ ہو: البدایہ والنهایه، ہشتم ۱۹-۲۱۷۔

(۲۷۶)طبری، پنجم ۸۵-۴۸۴؛ انساب، چہارم (ب) ۳۴، الکامل، چہارم ۱۱۳۔ طبری اور ابن اثیر کا جملہ ہے: ''وکان مروان شاکراالعلی بن الحسین مع صداقة کانت بینهما

قدیمة"۔ جبکہ ابنِ کثیر،البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۲۰، میں جملہ کے الفاظ ہیں:"وکان مروان موادا لعلی بن الحسین......"۔

(۲۷۷)طبری، پنجم ۴۸۵؛کتاب الاغانی،اول ۲۲، میں یہ اضافہ ہے کہ زوجہ حضرت مروانؓ کے ساتھ ان کے دو بیٹے عبداللہ و محمود بھی تھے۔

(۲۷۸)طبری، پنجم ۴۹۳؛الکامل، چہارم ۲۰-۱۱۹۔

(۲۷۹)یعقوبی،دوم ۲۵۱؛نیز:ابن ایاس ازدی، ۲۳۴؛ البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۰-۲۱۹ ومابعد۔

(۲۸۰)طبری، پنجم ۳-۵۰۲؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۳۶۔

(۲۸۱)ابن سعد، پنجم ۲۱۵؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۲۱۸۔

(۲۸۲)انساب، چہارم ۴۰-۳۹؛الکامل، چہارم ۲۰-۱۱۹۔ ان روایتوں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مسلم بن عقبہ مری نے پہلے تہدیدی انداز اختیار کیا تھا اور بعض نامناسب کلمات کہے تھے مگر بعد میں ان کا اعزاز و اکرام کیا اور حکمِ خلیفہ کے سبب ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ظاہر ہے کہ حکمِ خلیفہ کے بعد کسی امیر کی مجال نہ تھی کہ اس کی مخالفت کرتا۔اس لئے یہ الحاقی اضافے معلوم ہوتے ہیں۔چنانچہ ابنِ سعد، پنجم ۲۱۵، میں یہ تہدیدی جملے نہیں ہیں۔

(۲۸۳)الکامل، چہارم ۲۰-۱۱۹؛انساب، چہارم(ب)۴۰-۳۹۔

(۲۸۴)زبیری، ۸۷؛ابن سعد، چہارم ۵۹۔

(۲۸۵)زبیری، ۳۲، کے مطابق اس رشتہ سے ایک فرزند قاسم بن ولید اموی پیدا ہوئے تھے۔نیز ملاحظہ ہو:جمہرہ، ۱۰۲؛کتاب الاغانی،اول ۱۵۰۔

(۲۸۶)خلافتِ معاویہ دوم اور خلیفہ اموی کے کردار کے لئے ملاحظہ ہو: الکامل، چہارم ۳۰-۱۲۹؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۸-۲۳۷۔

(۲۸۷)وفاتِ یزید کے بعد کے واقعات و حوادث کے لئے ملاحظہ ہو: الکامل، چہارم ۴۴-۱۳۱؛البدایہ و النہایہ، ہشتم ۴۴-۲۳۸ ومابعد۔

(۲۸۸)ان تعلیقات کے لئے مذکورہ بالا حواشی ملاحظہ ہوں۔

(۲۸۹)ابن سعد، پنجم ۲۱۵۔

(۲۹۰)ابن سعد، پنجم ۱۵-۲۱۴۔

(۲۹۱)زبیری، ۱۷۱۔

(۲۹۲)زبیری، ۴۵۔

(۲۹۳)جمھرہ، ۸۰، ۱۰۰۔

(۲۹۴)زبیری، ۴۶-۴۵؛ نیز زبیری، ۳۲ بالترتیب۔

(۲۹۵)ابن سعد، پنجم ۲۱۳۔ اسی روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت علی بن حسین نے خانہ کعبہ کے دروازے پر مختار ثقفی پر لعنت کی تو ایک شخص نے ان سے کہا: "میں آپ پر قربان! آپ اس پر لعنت کرتے ہیں اور وہ آپ لوگوں کی خاطر ذبح کر دیا گیا"۔ فرمایا: "وہ پکا جھوٹا (کذاب) تھا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا"۔

(۲۹۶)مثلاً ابن سعد، پنجم ۱۸۱، کی ایک روایت یہ ہے کہ راوی علی بن حسین اور عروہ بن زبیر کے ساتھ مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں نمازِ عشاء کے بعد روزانہ مجلس لگاتے تھے۔ ایک رات ان دونوں بزرگوں نے بنوامیہ کے جور و ظلم اور اپنے مصائب کا ذکر کر کے کہا کہ وہ حالات کو تبدیل کرنے پر قدرت تو نہیں رکھتے لیکن ان پر قہر و عقوبتِ الٰہی کا خوف رکھتے ہیں۔

(۲۹۷)ملاحظہ ہو: یعقوبی، دوم، میں اماموں کے بارے میں شیعی مورخ کے بیانات دربابِ تقیہ۔

(۲۹۸)ابن سعد، پنجم ۲۱۳۔

(۲۹۹)انساب، پنجم ۱۸۸؛ ابن سعد، پنجم ۹۸-۹۷۔

(۳۰۰)انساب، پنجم ۱۸۸۔

(۳۰۱)الکامل، چہارم ۲۵۳؛ ابن سعد، پنجم ۱۲-۱۱۱، نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، پنجم ۵۸-۵۷۔

(۳۰۲)ایضا، بالخصوص الکامل، چہارم ۲۵۳۔

(۳۰۳)انساب، پنجم ۱۸۸؛ ابن سعد، پنجم ۱۱۲۔

(۳۰۴)ابن سعد، پنجم ۱۱۲۔

(۳۰۵)ابن سعد، پنجم ۱۳-۱۱۲۔

(۳۰۶)ابن سعد، پنجم ۱۱۶؛ مسعودی، التنبیہ والاشراف، قاہرہ ۱۹۳۸ء، ۲۷۳۔

(۳۰۷)اسد الغابہ، سوم ۱۹۵؛ اصابہ، دوم ۲۶-۳۲۲ (نمبر ۴۷۸۱) کے مطابق ان کی وفات طائف میں ۶۸ھ / ۸۸-۶۸۷ء میں ہوئی جبکہ عمر شریف ستر سال تھی۔ اصابہ، دوم ۳۲۶،

کے مطابق ان کے سنہ وفات پر اتفاق ہے مگر ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اصابہ کے مطابق ان کی صحیح عمر اکہتر سال تھی۔

(۳۰۸) یعقوبی، دوم ۲۷۴؛ ابن سعد، پنجم ۳۱۲؛ الکامل، پنجم ۹۹-۱۹۸۔

(۳۰۹) انساب، پنجم ۳۵۴۔

(۳۱۰) ابن سعد، پنجم ۲۸۷۔

(۳۱۱) زبیری، ۳۰۴۔

(۳۱۲) کتاب المنمق، ۱۷۴: کتاب الاغانی، چہارم ۱۰-۳۰۵: جمحی، ۲۰۸: انساب، پنجم ۱۷۰، ۱۷۵، ۲۷۰، ۳۴۲ ان کے اشعار کے لئے۔

(۳۱۳) زبیری، ۳۰۴۔

(۳۱۴) ابن عساکر، ہفتم ۳۴۴۔ مورخ کا بیان ہے کہ ان کی وفات کا صحیح سنہ یہی ہے مگر ۸۴ھ / ۷۰۳، یا ۸۵ھ / ۷۰۴، یا ۸۶ھ / ۷۰۵، بھی بتائے گئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔

(۳۱۵) زبیری، ۷۴-۴۶؛ ابن عساکر، چہارم ۶۴-۱۶۲۔ موخر الذکر کے بیان میں یہ دلچسپ اضافہ ہے کہ ملاقات ہونے پر خلیفہ اموی نے حضرت حسن ثانی سے کہا کہ آپ کے بال جلد سفید ہوگئے۔ اس پر یحیٰ بن حکم اموی نے کہا: "امیر المومنین! اہل عراق ان کے پاس ہر سال آتے ہیں اور خلافت کی تمنائیں دلاتے ہیں اور انھیں تمناؤں نے ان کو سفید کر دیا ہے"۔ حضرت حسن نے ان کی تردید کی اور کہا کہ "ہم اہل بیت کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں"۔ خلیفہ عبد الملک نے ان کی بات سن کر ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ دربارِ خلافت سے باہر نکلنے پر حسن ثانی نے یحیٰ اموی کی سفارش پر خفگی ظاہر کی کہ "آپ نے تو گردن ہی کٹوا دی تھی"۔ یحیٰ اموی نے کہا کہ "خلیفہ اموی ان سے خوفزدہ رہتا ہے اور اگر میں نے وہ بات نہ کہی ہوتی تو وہ اتنی جلدی آپ کی بات نہ مانتا"۔

(۳۱۶) وکیع کندی، کتاب الولاۃ والقضاۃ، ۱۲۴؛ جمہرہ، ۶۲۵۔

(۳۱۷) طبری، ششم ۴۲۰؛ الکامل، چہارم ۵۱۹۔ جعفری خاندان کی شادی کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب المعارف، ۲۰۷، جس کے مطابق طلاق کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ نے ایک سیب دانت سے کاٹ کر کھایا اور پھر اپنی بیوی کو کھانے کے لئے دیا چونکہ خلیفہ کو سانس (نحر) کی تکلیف تھی اس لئے ام ابیہا نے چھری منگوائی تاکہ استعمال شدہ حصہ کاٹ کر پھینک دیں۔ ان دونوں میں اختلاف ہوا اور بالآخر طلاق ہو گئی۔

(۳۱۸) زبیری ۵۳؛ کتاب المحبر، ۴۳۹؛ جمهرہ، ۷۸،۳۷۔

(۳۱۹) زبیری، ۵۹؛ کتاب المحبر، ۴۳۷؛ ابن سعد، ہشتم ۴۷۵؛ جمہرہ، ۹۶؛ ابن عساکر، سوم ۸۳؛ نیز ملاحظہ ہو: کتاب الاغانی، سوم ۲۴۲؛ انساب، پنجم ۱۱۷؛ کتاب المعارف، ۲۰۱، ۲۱۳؛ الاعلام، اول ۳۳۶۔

دوسری تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، ہفتم ۱۰۷؛ الکامل، پنجم ۱۹۵؛ ابن ایاس ازدی، ۳۸۔

(۳۲۰) زبیری، ۵۳۔

(۳۲۱) زبیری، ۳۰۔

(۳۲۲) یعقوبی، دوم ۵-۳۰۴۔

(۳۲۳) خلیفہ ولید بن عبدالملک کے کردار اور حجاج بن یوسف ثقفی سے ان کے تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، ششم ۵۰۴-۴۸۱ نیز ماقبل صفحات، الکامل، چہارم ۸۷-۵۷۷؛ البدایہ والنہایہ، نہم ۲۸-۱۱۷ نیز اس کے قبل کے صفحات۔

(۳۲۴) زبیری، ۴۳-۴۲۔

(۳۲۵) ابن سعد، پنجم ۲۲۱؛ الکامل، چہارم ۲-۵۲۶۔ نیز ابن سعد، پنجم ۲۴۴۔

(۳۲۶) ابن عساکر، چہارم ۱۶۴۔

(۳۲۷) ابن سعد، پنجم ۳۱۹؛ زبیری، ۵۲؛ جمہرہ، ۳۶، ۸۰، ۱۰۰۔

(۳۲۸) ابن سعد، پنجم ۳۱۸؛ زبیری، ۳۲۔

(۳۲۹) ابن عساکر، پنجم ۶۱-۴۶۰۔

(۳۳۰) زبیری، ۱۷۱؛ جمہرہ، ۱۰۰۔

(۳۳۱) زبیری ۵۲-۵۱، ۵۹، ۱۱۴؛ ابن سعد، ہشتم ۴۷۳؛ انساب، پنجم ۱۰۹؛ ابن ایاس ازدی، ۱۸۰؛ التنبیہ والاشراف، ۵۵۔ زبیری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حسن ہاشمی کہا کرتے تھے کہ "مجھے عبداللہ بن عمرو اموی سے زیادہ کسی اور سے بغض و نفرت نہیں مگر ان کے فرزند محمد بن عبداللہ اموی سے زیادہ کوئی اور عزیز نہیں"۔

(۳۳۲) زبیری، ۵۹، ۷۴، ۲۳۳؛ ابن عساکر، ہفتم ۲۷۰؛ العقد الفرید، چہارم ۴۴۲، ۴۶۱۔

(۳۳۳) یعقوبی، دوم ۲۹۔

(۳۳۴)انساب، چہارم(ب)۷۷-۷۶۔

(۳۳۵)یعقوبی، دوم۷-۲۹۶۔

(۳۳۶)ایضاً۔

(۳۳۷)ابن عساکر، ہفتم ۳۵۵؛مزید ملاحظہ ہو:البدایہ والنہایہ، نہم ۱۷-۱۷۰۔ابن کثیر کے مطابق حضرت حسن ثانی کی وفات مدینہ منورہ میں ۹۷ھ/۱۶-۷۱۵ء میں ہوئی۔اموی خلفاء اور اکابر سے ان کے تعلقات شگفتہ تھے اور وہ خلافتِ اسلامی اور عقیدتِ اہلِ بیت کے معاملہ میں شیعوں کے نقطہ نظر کے مخالف تھے۔عبد اللہ بن حسن ثانی کے لئے مزید ملاحظہ ہو:البدایہ والنہایہ، دہم ۹۵۸، وما قبل۔ان کی وفات ۱۰۳ھ/۲۲-۷۲۱ء میں پچھتر سال کی عمر میں ہوئی۔

(۳۳۸)طبری، ششم ۴۸-۷ ۵۴؛کتاب الاغانی، جلد۱۵، ۴۲-۳۴۱۔

(۳۳۹)کتاب الاغانی، پنجم ۳۵۳۔

(۳۴۰)وکیع کندی، ۱۶-۱۱۳۔

(۳۴۱)ملاحظہ ہو:یعقوبی، دوم ۶-۳۰۵۔

(۳۴۲)یعقوبی، دوم۶-۳۰۵؛سب و شتمِ حضرت علیؓ کے باب میں مزید ملاحظہ ہو:ابن سعد، پنجم ۳۹۲؛الکامل، پنجم ۴۲۔

(۳۴۳)ابن سعد، پنجم ۹۰-۳۸۹۔

(۳۴۴)ابن سعد، پنجم ۳۹۱۔

(۳۴۵)ابن سعد، پنجم ۹۱-۳۹۰۔

(۳۴۶)ابن سعد، پنجم ۳۴-۳۳۳۔

(۳۴۷)ابن سعد، پنجم ۳۹۲۔

(۳۴۸)ایضاً۔

(۳۴۹)ایضاً ۳۹۱۔

(۳۵۰)ابن عساکر، ششم ۱۱۷۔

(۳۵۱)ابن عساکر، چہارم ۲۱-۳۲۰کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ کے مولیٰ رزیق قریشی مدنی نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس اپنے کو اہلِ مدینہ کا ایک فرد بتایا اور اپنے حفظِ قرآن و فرائض دیگر

اور عطیہ سے محرومی کا ذکر کیا۔ خلیفہ اموی کے پوچھنے پر کہ وہ کس خاندان سے ہیں انھوں نے بنو ہاشم کے موالی کا ایک فرد بتایا۔ خلیفہ نے پھر ان کے سرپرست کا نام پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ مسلمانوں کے ایک شخص کے مولی ہیں۔ خلیفہ اموی نے سرزنش کی کہ وہ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور وہ چھپا رہے ہیں تب انھوں نے کہا کہ وہ حضرت علیؓ کے مولی ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ بنو امیہ کے سامنے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر ثانی اس پر اتنا روئے کہ ان کے آنسو زمین پر گرنے لگے پھر انھوں نے فرمایا: "میں بھی علیؓ کا مولی ہوں"۔ اور مولی مذکور کو عطیہ سے نوازا۔ اس پوری روایت پر شیعی چھاپ واضح ہے کہ حضرت علیؓ کا نام لینا گناہ تھا اور لوگ اسے چھپانے کا تقیہ کرتے تھے۔ اوپر کی بحث سے روایت کا یہ دروبست متعصب راوی کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

(۳۵۲) یعقوبی، دوم ۳۰۵۔ **ذكره يوماً عمر بن عبد العزيز، فقال: ذهب سراج الدنيا، وجمال الاسلام، وزين العابدين. فقيل له: ان ابنه ابا جعفر محمد بن على فيه بقية، فكتب عمر يختبره، فكتب اليه محمد كتابا يعظه ويخوفه، فقال عمر: اخرجوا كتابه الى سليمان، فاخرج كتابه، فوجده يقرظه ويمدحه، فانفذالى عامل المدينه...... فقال: ان سليمان كان جبارا كتبت اليه بما يكتب الى الجبارين، وان صاحبك اظهر امرا فكتبت اليه بماشا كله. وكتب عامل عمر اليه بذالك، فقال عمر: ان اهل هذاالبيت لا يخليهم الله من فضل.**

(۳۵۳) ابن سعد، پنجم ۳۳۳؛ الکامل، پنجم ۶۲ بالترتیب۔ ان دونوں روایتوں پر بھی شیعی چھاپ واضح ہے۔

(۳۵۴) طبری، ہفتم ۱۴-۱۲؛ یعقوبی، دوم ۱۳-۳۱۲؛ ابن ایاس ازدی، ۱۷۔

(۳۵۵) خلافتِ ہشام کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، ہفتم ۲۰۷-۲۵؛ الکامل، پنجم ۲۶۳-۱۲۳؛ البدایہ والنہایہ، نہم ۳۵۴-۲۳۳۔

(۳۵۶) مثلاً ملاحظہ ہو: زبیری، ۶۱۔

(۳۵۷) طبری، ہفتم ۳۶؛ ابن ایاس ازدی، ۲۵؛ الکامل، پنجم ۳۱-۱۳۰۔

(۳۵۸) انساب، پنجم ۱۱۶۔

(۳۵۹) ابن عساکر، سوم ۸-۴۰۷۔

(۳۶۰)الکامل، پنجم ۱۴۱۔

(۳۶۱)ابن ایاس ازدی، ۵۰-۴۹۔

(۳۶۲)الکامل، پنجم ۲۲۴۔ابنِ اثیر کا یہ بیان اسی روایت میں بڑادلچسپ ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری گورنرِ عراق حضرت علیؓ کے سب و شتم میں مبالغہ سے کام لیا کرتا تھا تاکہ وہ تہمت سے بچا رہے اور ''قوم'' کا تقرب بھی اسے حاصل رہے۔خالد کی ولایتِ عراق شوال ۱۰۵ھ / مارچ ۷۲۴ء سے جمادی الاولی ۱۲۰ھ / مئی ۸-۷۳۷ء تک رہی۔سبِ علیؓ کا حاشیہ الحاقی معلوم ہوتا ہے۔

(۳۶۳)طبری، ہفتم ۶۳-۱۶۰؛الکامل، پنجم ۶۰-۲۲۹-۳، ۷-۲۴۲-۴۔اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ داؤد بن علی عباسی نے خالد قسری کے عطا کردہ دس لاکھ درہم کے انعام کا اعتراف کیا تھا مگر باقی کسی مال کے پانے سے انکار کیا۔اس پر ہشام نے کہا کہ میرے نزدیک تم دونوں نصرانیہ کے بیٹے سے زیادہ سچے ہو اور پھر ان کو گورنرِ کوفہ کے پاس تحقیقِ حال کے لئے بھیج دیا۔

(۳۶۴)طبری، ہفتم ۶۵-۱۶۳؛الکامل، پنجم ۳۳-۲۳۲۔خروجِ زید بن علی کے لئے ملاحظہ ہو: ۷۳-۱۶۵،۹۱-۱۸۰۔

(۳۶۵)ابن عساکر، ششم ۱۵۔حضرت زید کی تاریخ ولادت ۷۸ھ / ۶۹۷ء اور تاریخ شہادت ۱۲۰ھ / ۳۸-۷۳۷ء تھی۔نیز ملاحظہ ہو: ۲۴-۱۸۔

(۳۶۶)ابن ایاس ازدی، ۴۴ نیز طبری، مذکورہ بالا۔

(۳۶۷)الکامل، پنجم ۲۶۲۔

(۳۶۸)یعقوبی، دوم ۳۲۲۔

(۳۶۹)یعقوبی، دوم ۲۶-۳۲۵۔

(۳۷۰)ابن عساکر، ہفتم ۳۵۵۔

(۳۷۱)ابن عساکر، ہفتم ۳۵۶۔

(۳۷۲)وکیع کندی، اول ۷۴-۱۷۲۔

(۳۷۳)انساب، پنجم ۱۲۲۔

(۳۷۴)خلافتِ بنی امیہ کے زوال کے لئے ملاحظہ ہو: طبری، ہفتم ۲۶۸-۱۹۹؛الکامل، پنجم ۴۰۶-۲۹۲؛البدایہ والنہایہ، نہم ۳۵۴، دہم ۴۰-۲ ومابعد۔

(۳۷۵)مقدمہ ابن خلدون ۳۵-۱۳۱، بحث بر عصبیۃ۔

(۳۷۶)یعقوبی، دوم ۳۳۱۔

(۳۷۷)طبری، ہفتم ۳-۳۰۲۔

(۳۷۸)طبری، ہفتم ۵-۳۰۴، ۹-۳۰۸؛ ابن ایاس ازدی، ۶۶؛ الکامل، پنجم ۲۵-۳۲۴۔

(۳۷۹)طبری، ہفتم ۷-۳۰۶۔

(۳۸۰)الکامل، پنجم ۷۴-۳۷۳؛ زبیری، ۱۶۶۔

(۳۸۱)ابن ایاس ازدی، ۲۶؛ الکامل، پنجم ۵۵-۵۴۔

(۳۸۲)انساب الاشراف، پنجم ۱۱۱؛ طبری، اردو ترجمہ، کراچی ۱۹۶۸ء، ہفتم ۷۹-۱۷۰؛ جمہرہ، ۷۶۔

(۳۸۳)زبیری، ۷۴؛ جمہرہ، ۴۹۔

(۳۸۴)زبیری، ۶۵؛ جمہرہ، ۴۷۔

(۳۸۵)زبیری، ۶۷، کے مطابق یہ شادی اموی سے ہوئی تھی جبکہ جمہرہ، ۱۲-۱۱، کا اس سے اختلاف ہے۔

(۳۸۶)زبیری، ۷۹؛ جمہرہ، ۱۶۰، ۱۰۳۔ واقعہ کربلا میں ان کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو: زبیری، ۴۳۔

(۳۸۷)کتاب المحبر، ۴۴۹۔

(۳۸۸)ایضاً۔

(۳۸۹)کتاب المحبر، ۴۴۰۔

(۳۹۰)زبیری، ۱۱۷، کے مطابق رقیہ عثمانی کی یہ دوسری شادی تھی۔ اس سے قبل وہ حسنی خانوادہ کے ایک فرد کی بیوی رہ چکی تھیں۔ بہر حال انھوں نے محمد بن ابراہیم عباسی کے گھر میں دورانِ نفاس وفات پائی۔

منتخب کتابیات

اللہ تعالیٰ	قرآن مجید
ابن ابی ایاس (محمد بن احمد، م ۹۳۰ / ۱۵۲۴)	بدائع الزہور فی وقائع الدھور، بولاق ۱۳۱۱ھ
ابن ابی الحدید (عبدالحمید بن ہبۃ اللہ، م ۶۵۵ / ۱۲۵۹)	شرح نہج البلاغہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء
ابن اثیر (عزالدین علی بن محمد، م ۶۳۰ / ۱۲۳۳)	اسد الغابہ، تہران ۱۹۳۸ء
	الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء
ابن اسحاق (محمد بن اسحاق، م ۱۵۰ / ۷۶۷)	السیرۃ النبویۃ، رباط ۱۹۶۷ء
ابن اعثم کوفی (احمد بن عثمان، م ۳۱۴ / ۹۲۶)	کتاب الفتوح، حیدر آباد ۱۹۶۸ء
ابن تیمیہ (احمد بن عبدالحلیم، م ۶۵۲ / ۱۲۵۴)	جوامع الکلم الطیب، بیروت ۱۹۷۶ء
	مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، مرتبہ عبدالرحمٰن بن محمد الحنبلی وغیرہ، کتاب علم السلوک، ۱۳۹۸ھ
	المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ، قاہرہ ۱۹۳۱ء
	منہاج السنۃ، قاہرہ ۱۹۵۸ء
ابن الجوزی (عبدالرحمٰن بن علی، م ۵۹۷ / ۱۲۰۰)	المنتظم فی التاریخ، حیدر آباد ۱۹۳۹ء
	صفۃ الصفوۃ، حیدر آباد ۱۹۳۶ء
	سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، قاہرہ ۱۹۱۲ء
ابن حجر عسقلانی (احمد بن علی، م ۸۵۲ / ۱۴۴۸)	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، قاہرہ ۱۹۳۸ء
	تہذیب التہذیب، حیدر آباد ۱۹۱۱ء
	فتح الباری فی شرح البخاری، بولاق ۱۸۸۲ء؛ ریاض ۱۹۹۷ء
	لسان المیزان، حیدر آباد ۱۹۱۱ء

ابن حجر ہیثمی (احمد بن محمد، م ۹۷۴/۱۵۶۶)
الصواعق المحرقة، بیروت ۱۹۶۵ء
تطہیر الجنان، قاہرہ غیر مورخہ

ابن حزم (علی بن احمد، م ۴۵۶/۱۰۶۴)
جمهرة انساب العرب، قاہرہ ۱۹۴۸ء
جوامع السیرة، قاہرہ ۱۹۵۶ء
کتاب الفصل فی الملل و النحل، قاہرہ ۱۹۰۲-۱۸۹۹ء
المفاضلة بین الصحابة، دمشق ۱۹۴۰ء

ابن حنبل (احمد بن محمد، م ۲۴۱/۸۵۵)
المسند، قاہرہ ۱۹۴۹ء

ابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد، م ۸۰۴/۱۴۰۶)
کتاب العبر (تاریخ ابنِ خلدون) بیروت ۱۹۵۶ء
المقدمة، مطبعہ مصطفیٰ محمد، قاہرہ غیر مورخہ

ابن خلکان (احمد بن محمد، م ۶۸۱/۱۲۸۱)
وفیات الاعیان، بولاق ۱۸۵۹ء

ابن درید ازدی (محمد بن حسن، م ۳۲۱/۹۳۳)
کتاب الاشتقاق، گوٹنجن ۱۸۵۴ء؛ قاہرہ ۱۹۵۸ء

ابن سعد (محمد بن سعد، م ۲۳۰/۸۴۵)
الطبقات الکبریٰ، بیروت ۵۸-۱۹۵۷ء

ابن سید الناس (محمد بن محمد، م ۷۳۴/۱۳۳۴)
عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر، قاہرہ ۱۹۳۷ء

ابن الطقطقی (محمد بن علی بن طباطبا، م ۷۰۹/۱۳۰۹)
کتاب الفخری، قاہرہ ۱۸۹۹ء

ابن طولون (محمد بن علی، م ۹۵۳/۱۵۴۶)
قضاة دمشق الشام، دمشق ۱۹۵۶

ابن عبدالبر (یوسف بن عبداللہ، م ۴۶۳/۱۲۶۰)
الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، حیدر آباد ۱۹۰۰ء

ابن عبدالحکم (عبدالرحمٰن بن عبداللہ، م ۲۵۹/۸۷۰)
کتاب فتوح افریقیا و الاندلس، الجیریا ۱۹۴۷ء

ابن عبدالحکم (عبداللہ، م ۲۱۴/۸۲۹)
سیرة عمر بن عبدالعزیز، قاہرہ ۱۹۲۷ء

ابن عبد ربہ (احمد بن محمد، م ۳۲۸/۹۴۰)
العقد الفرید، قاہرہ ۱۹۴۰ء

ابن العربی (قاضی محمد بن عبداللہ، م ۵۴۳/۱۱۴۸)
احکام القرآن، قاہرہ ۱۹۵۷ء

ابن عساکر دمشقی (علی بن حسن، م ۵۷۱/۱۱۷۶)
تہذیب التاریخ الکبیر، دمشق ۳۲-۱۹۱۱ء
تاریخ مدینة دمشق، دمشق ۱۹۵۱ء تاحال

ابن العماد حنبلی (عبدالحی بن محمد، م ۱۰۸۹/۱۶۸۷)	شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، قاہرہ ۱۳۵۰ھ
ابن قتیبہ (عبداللہ بن مسلم دینوری، م ۲۷۶/۸۸۹)	الشعر و الشعراء، لائیڈن ۱۹۰۲ء
	عیون الاخبار، قاہرہ ۱۹۲۵ء
	کتاب المعارف، قاہرہ ۱۹۶۰ء
	کتاب الامامہ و السیاسۃ، قاہرہ ۱۹۲۵ء (منسوب)
ابن قیم الجوزیہ (محمد بن ابو بکر، م ۷۵۱/۱۳۵۰)	اعلام الموقعین عن رب العلمین، قاہرہ غیر مورخہ
	بلوغ السول فی اقضیۃ الرسول، الھند ۱۸۷۵ء
	زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، قاہرہ ۱۹۷۱ء
	المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، حلب ۱۹۷۰ء
ابن کثیر (اسمٰعیل بن عمر، م ۷۷۴/۱۳۷۳)	البدایۃ و النہایۃ، قاہرہ ۱۹۳۲ء
	السیرۃ النبویۃ، بیروت ۱۹۸۳ء
	الفصول فی سیرۃ الرسول، دمشق ۳۔۱۴۰۲ھ
ابن الکلبی (ہشام بن محمد، م ۲۰۴/۸۱۶)	کتاب الاصنام، لپزگ ۱۹۴۱ء
ابن ماجہ (محمد بن یزید، م ۲۷۳/۸۸۶)	سنن، قاہرہ ۱۹۵۲
ابن مرتضیٰ (احمد بن یحییٰ، م ۸۴۰/۱۴۳۷)	طبقات المعتزلۃ، بیروت ۱۹۶۱ء
ابن منظور (محمد بن مکرم، م ۷۱۱/۱۳۱۱)	لسان العرب، بیروت ۶-۱۹۵۵
ابن الندیم (محمد بن اسحاق، م ۲۳۵/۸۴۹)	الفہرست، قاہرہ ۱۹۶۸ء؛ اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۸۸ء
ابن ہشام (عبدالملک بن ہشام، م ۲۱۸/۸۳۳)	السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۲۵ء
ابو حنیفہ دینوری (احمد بن داؤد، م ۲۸۲/۸۹۵)	کتاب الاخبار الطوال، لائیڈن ۱۸۸۸ء
ابو داؤد (سلیمان بن الاشعث، م ۲۷۵/۸۸۸)	السنن، قاہرہ ۱۹۲۲ء
ابو زرعۃ دمشقی (عبدالرحمٰن بن عامر، م ۲۸۲/۸۹۵)	سیرۃ رسول اللہ ﷺ و تاریخ الخلفاء الراشدین، دمشق ۱۹۸۰ء
ابو عبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴/۸۳۶)	کتاب الاموال، قاہرہ ۱۹۳۴ء
ابو الفرج اصفہانی (علی بن حسین، م ۳۵۶/۹۶۹)	کتاب الاغانی، لائیڈن ۱۹۰۰ء؛

	مقاتل الطالبین، نجف ۱۹۳۴ء؛ ۱۹۵۶ء
ابونعیم اصفہانی (احمد بن عبداللہ، م ۴۳۰/۱۰۳۹)	دلائل النبوۃ، حیدرآباد دکن ۱۹۵۰ء؛
	حلیۃ الاولیاء، قاہرہ ۳۸-۱۹۳۲ء
ابویوسف (یعقوب بن ابراہیم، م ۱۸۲/۷۹۸)	کتاب الخراج، قاہرہ ۱۹۳۳ء
ازرقی (محمد بن عبداللہ، م ۲۴۴/۸۵۸)	اخبار مکۃ المشرفۃ، بیروت ۱۹۶۴ء
اشعری (علی بن اسمٰعیل، م ۳۳۰/۹۴۱)	مقالات الاسلامیین و اختلاف المسلمین،
	استانبول ۱۹۳۰ء
بخاری (محمد بن اسمٰعیل، م ۲۵۶/۸۷۰)	الجامع الصحیح، قاہرہ ۱۹۵۵ء،
	التاریخ الکبیر، حیدرآباد دکن ۱۹۴۱ء
بغدادی (عبدالقاہر بن طاہر، م ۴۲۹/۱۰۳۷)	الفرق بین الفِرَق، قاہرہ ۱۹۱۰ء
بغدادی (محمد بن حبیب، م ۲۴۵/۸۴۹)	کتاب المحبر، حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء
	کتاب المنمق، حیدرآباد دکن ۱۹۶۴ء
بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر، م ۲۷۹/۸۹۲)	انساب الاشراف، اول قاہرہ ۱۹۵۹ء؛
	یروشلم، چہارم ۱۹۳۸ء؛ پنجم ۱۹۳۶ء؛
	فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء
ترمذی (محمد بن عیسیٰ، م ۲۷۹/۸۹۲)	الجامع الصحیح، حمص ۷۱-۱۹۶۹ء؛
	الشمائل النبویۃ، قاہرہ ۱۸۶۳ء ومابعد
جاحظ (عمرو بن بحر، م ۲۵۵/۸۶۸)	البیان والتبیین، قاہرہ ۱۹۴۸ء
	رسالۃ فی تفضیل بنی ہاشم، قاہرہ ۱۹۳۱ء
	العثمانیۃ، قاہرہ ۱۹۵۸ء
	کتاب البخلاء، قاہرہ ۱۹۵۸ء
جمحی (محمد بن سلام، م ۲۳۱/۸۴۵)	طبقات فحول الشعراء، قاہرہ ۱۹۵۲ء
جہشیاری (محمد بن عبدوس، م ۳۳۱/۹۴۲)	کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ ۱۹۳۸ء
حلبی (علی بن برہان الدین، م ۱۰۴۴/۱۶۳۴)	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون،

(سیرت حلبیہ) قاہرہ ۱۹۶۴ء

خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰/۸۵۴) کتاب الطبقات، دمشق ۶۷-۱۹۶۶ء؛
کتاب التاریخ، دمشق ۱۹۶۷ء

دیار بکری (حسین بن محمد، م ۹۶۶/۱۵۵۹) الخمیس فی احوال انفس النفیس، قاہرہ ۱۸۸۵ء

ذہبی (محمد بن احمد، م ۷۴۸/۱۳۴۷) تاریخ الاسلام، قاہرہ ۱۹۷۳ء؛
تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن ۱۵-۱۹۱۴ء؛
میزان الاعتدال، قاہرہ ۱۹۱۰ء

زبیری (مصعب بن عبداللہ، م ۲۳۶/۸۵۱) نسب قریش، قاہرہ ۱۹۵۳ء

سمہودی (علی بن عبداللہ، م ۹۱۱/۱۵۰۵) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، قاہرہ ۹-۱۹۰۸ء۔

سہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ، م ۵۸۱/۱۱۸۵) الروض الانف، قاہرہ (غیر مورخہ)

شامی (محمد بن یوسف دمشقی، م ۹۴۲/۱۵۳۵) سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (سیرۃ شامی)، قاہرہ ۱۹۷۵ء

طبری (محمد بن جریر، م ۳۱۰/۹۲۳) تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)، قاہرہ ۱۹۶۰ء؛
تہذیب الآثار، ریاض ۱۹۸۲ء؛
جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر طبری) قاہرہ ۱۹۶۰ء

فاکہی (محمد بن اسحاق، م ۲۷۲/۸۸۶) المنتقیٰ فی اخبارام القریٰ، بیروت ۱۹۶۴ء

قاضی عیاض (بن موسیٰ یحصبی، م ۵۴۴/۱۱۴۷) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاہرہ ۱۹۵۰ء

کشی (محمد بن عمر، م ۴/۱۰ صدی) معرفۃ اخبار الرجال، کربلا ۱۹۶۲ء

کلاعی (سلیمان بن موسیٰ، م ۶۳۴/۱۲۳۶) الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ و الثلاثۃ الخلفاء، قاہرہ ۱۹۷۰ء

کندی (محمد بن یوسف، م ۳۵۰/۹۶۱)
کتاب الامراء و الولاة و القضاة، لائیڈن ۱۹۱۲ء
ولاة مصر، بیروت ۱۹۵۹ء

مالک بن انس (م ۱۷۹/۷۹۵)
موطا، قاہرہ ۱۹۵۱ء

ماوردی (علی بن محمد، م ۴۵۰/۱۰۵۸)
الاحکام السلطانیہ، قاہرہ ۱۸۸۱ء

مسعودی (علی بن حسین، م ۳۴۵/۹۵۶)
مروج الذہب، قاہرہ ۱۹۲۷ء؛
کتاب التنبیہ و الاشراف، لائیڈن ۱۸۹۴ء

مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱/۸۷۵)
الجامع الصحیح، قاہرہ ۱۹۵۵ء

مقریزی (احمد بن علی، م ۸۴۵/۱۴۴۲)
امتاع الاسماع، قاہرہ ۱۹۴۱ء

نسائی (احمد بن شعیب، م ۳۰۳/۹۱۵)
سنن، کانپور ۱۸۸۲ء

نووی (یحییٰ بن شرف الدین، م ۶۷۶/۱۲۷۷)
ریاض الصالحین، دمشق ۱۹۷۶ء؛
شرح صحیح مسلم، قاہرہ ۱۹۲۸ء

واقدی (محمد بن عمر، م ۲۰۷/۸۲۲)
کتاب المغازی، لندن ۱۹۶۶ء

ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶/۱۷۶۲)
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء؛ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء، قدیمی کتب خانہ کراچی، غیر مورخہ مع اردو ترجمہ عبدالشکور فاروقی، انشاء اللہ، حامد الرحمٰن فاروقی، اشتیاق احمد دیوبندی
اطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ؛
حجۃ اللہ البالغۃ، مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ، بولاق ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۷ء، ادارۃ الطبعۃ المنیریہ، قاہرہ ۱۳۵۲ھ/۱۸۳۳ء، ملتزم الطبع والنشر، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ ۱۹۵۲ء-۱۹۵۳ء، کتاب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۹۵۳ء؛

سرور المحزون فی سیر الامین المامون،
مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء؛ ۱۳۰۸ھ؛ دار الاشاعت
کراچی ۱۳۵۸ھ؛ اردو تراجم: مولا بخش چشتی،
مطبع ستارہ ہند دہلی ۱۳۱۵ھ، بعنوان "کنز المکنون"؛
عاشق الٰہی، مطبع محمدی دہلی، بعنوان "الذکر المیمون"
ابو القاسم بن عبد العزیز ہسوی، ٹونک ۱۲۷۱ھ،
بعنوان "عین العیون"؛

شرح تراجم ابواب صحیح البخاری،
دار المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۴۹ء،
اصح المطابع، دہلی، مطبع نور الانوار آرہ؛
قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین،
مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۰ھ، مطبع روزانہ اخبار
دہلی ۱۸۹۹ء، مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۶ء؛ اردو ترجمہ
احمد علی، علوی پریس لکھنو ۱۲۹۶ء؛ مفید عام پریس
آگرہ ۱۲۹۵ء؛
المصفی مع المسوی، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ /
۱۸۷۶ء، مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۹۳ھ وغیرہ

یاقوت حموی (م ۶۲۶/ ۱۲۲۹) — ارشاد الاریب، لائیڈن ۱۹۰۷-۳۱ء
معجم البلدان، بیروت ۱۹۵۶ء

یحیٰی بن آدم (م ۲۰۳/ ۸۱۸) — کتاب الخراج، لائیڈن ۱۸۹۶ء

یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب، م ۲۸۴/ ۸۹۷) — تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء؛
کتاب البلدان، لائیڈن ۱۸۶۰ء، قاہرہ ۱۹۵۵ء

اہم ثانوی کتابیں

آر،اے، نکلسن(R.A.Nicholson) — *A Literary History of the Arabs*،لندن ۱۹۳۳ء

اے،اے،ڈکسن(A.A.Dixon) — *The Umayyad Caliphate* لندن ۱۹۷۱ء

ابوالاعلیٰ مودودی — خلافت وملوکیت،دہلی۱۹۶۹ء؛سیرت سرورعالم، دہلی ۱۹۸۱ء

ابوالحسن علی ندوی — المرتضیٰ، مجلسِ تحقیقات ونشریات، لکھنو۱۹۸۸ء
نبی رحمت؛اردوترجمہ السیرة النبویة لکھنو ۱۹۷۸ءاور جدہ۱۹۸۹ءبالترتیب

ابوالکلام آزاد — رسول رحمت،دہلی ۱۹۸۲ء

احمد امین — فجر الاسلام، قاہرہ ۱۹۶۴ء؛
ضحی الاسلام، قاہرہ ۱۹۶۴ء

اطہر عباس رضوی — شاہ ولی اللہ اینڈ ہز ٹائمس، کینبرا ۱۹۸۰ء

اکرم ضیاء عمری — المجتمع المدنی فی عهد النبوة،مدینہ ۱۹۸۳ء؛
السيرة النبوية الصحيحة،قطر ۱۹۹۱ء

ڈی، سی،ڈینیٹ(D.C.Dennett) — *Conversion and Poll-Tax in Early Islam*،کیمبرج ۱۹۵۰ء؛اردوترجمہ از غلام رسول مہر،لاہور ۱۹۷۱ء

ڈینیل پائپس(Daniel Pipes) — *Slave Soldiers and Islam*, ییل یونیورسٹی پریس ۱۹۸۱ء

ریوبن لیوی(Ruben Levy) — دی سوشل اسٹرکچر آف اسلام، کیمبرج ۱۹۵۰ء

سعید احمد اکبر آبادی — صدیق اکبر، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۱ء؛
عثمان ذوالنورین، ندوۃ المصنفین ۱۹۸۳ء

سید امیر علی — A Short History of the Saracens، لندن ۱۹۵۱ء

سید سلیمان ندوی — سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء جلد سوم تا جلد ہفتم

شاہ محمد سلیمان منصور پوری — رحمۃ للعالمین، دہلی ۱۹۸۰ء

شاہ معین الدین احمد ندوی — تاریخ اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

شبلی نعمانی — الفاروق، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۳ء

سیرت النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء (اول، دوم)

صالح احمد علی — تنظیمات الرسول الادا ریہ فی المدینہ، بغداد ۱۹۶۰ء

صلاح الدین یوسف — خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت، لاہور ۱۹۸۵ء

طہٰ حسین — علی و بنوہ، قاہرہ ۱۹۶۰ء

عبدالعزیز دوری — بحث فی نشأة علم التاریخ عند العرب، بیروت ۱۹۶۰ء

علی احمد عباسی — امیر المومنین معاویہؓ کی سیاسی زندگی، کراچی ۱۹۸۷ء

علی حسنی الخربوطلی — الدولة العربیة الاسلامیة، قاہرہ ۱۹۶۰ء

فاروق عمر — طبیعة الدعوة العباسیة، بیروت ۱۹۷۰ء

فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal) — History of Muslim Historiography لائیڈن ۱۹۵۲ء

فرانسسکو جبریئیلی — اے شارٹ ہسٹری آف دی عربس، لندن ۱۹۶۵ء

فلپ کے ہٹی (P.K.Hitti) — دی ہسٹری آف دی عربس، نیویارک ۱۹۶۴ء؛ میکرز آف عرب ہسٹری، لندن ۱۹۶۹ء

ایم اے، شعبان — The Abbasid Revolution، کیمبرج ۱۹۷۰ء

مارگولیتھ، ڈی، ایس — محمد اینڈ رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء

محمد ادریس کاندھلوی — سیرۃ المصطفیٰ، دیوبند، غیر مورخہ

محمد اسحاق سندیلوی — اظہارِ حقیقت، دار الکتب امدادیہ کراچی

محمد تقی عثمانی — حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، کراچی ۱۹۸۶ء

محمد حسین ہیکل — حیاۃ محمد ﷺ، قاہرہ ۱۹۵۲ء

محمد حمید اللہ — عہد نبوی کا نظام حکمرانی، حیدر آباد ۱۹۴۹ء؛
محمد رسول اللہؐ، لاہور ۱۹۸۲ء (اردو؛ انگریزی)؛
نبی اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی ۱۹۴۹ء

محمد یٰسین مظہر صدیقی — تاریخ تہذیب اسلامی، نئی دہلی، جلد اول ۱۹۹۴ء،
جلد دوم ۱۹۹۸ء؛
عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت دہلی ۱۹۸۸ء
Organisation of Government
Under the Prophet ﷺ
دہلی ۱۹۸۷ء، لاہور ۱۹۸۸ء

محمود احمد عباسی — خلافتِ معاویہ و یزید، کراچی ۱۹۶۲ء

نثار احمد فاروقی — *Early Muslim Historiography*
دہلی ۱۹۷۹ء

ولہاسن (Wellhausen) — *Arab Kingdom and its Fall*,
لندن ۱۹۷۳ء

ولیم مونٹگمری واٹ (W.M.Watt) — محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء؛
محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ ۱۹۵۶ء

ولیم میور (William Muir) — دی لائف آف محمد، ایڈنبرا ۱۹۲۳ء
The Caliphate، بیروت ۱۹۶۳ء

خلافتِ اسلامی کے ادوار - محدثین کی نظر میں

امام ابن تیمیہ نے خلافتِ اسلامی سے متعلق کئی احادیثِ نبوی بیان کی ہیں:

۱- خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتى الله ملكه- او الملك -من يشاء (خلافتِ نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت یا فرماں روائی جس کو چاہے گا عطا کرے گا)۔

۲- تكون الخلافة ثلاثين عاماً ثم يكون الملك (خلافت تیس سال ہو گی پھر ملک ہو گا)۔

۳- تكون الخلافة ثلاثين سنة ثم تصير ملكاً (خلافت تیس سال رہے گی پھر وہ ملک ہو جائے گی)۔

۴- ستكون خلافة نبوة ورحمة، ثم يكون ملك و رحمة ، ثم يكون ملك و جبرية ثم يكون ملك عضوض، رواه مسلم (عنقریب خلافتِ نبوت ورحمت ہو گی، پھر بادشاہت ورحمت ہو گی، پھر بادشاہت وجبریت ہو گی، پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہو گی- اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)۔ (مجموعہ فتاویٰ، جلد ۳۵، ۲۰-۱۸؛ نیز جلد ۱۰، ۳۵۶)

مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ "آپ کے بعد بارہ خلفاء ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں، صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: 'اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے'۔ 'یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک اس پر بارہ خلیفہ حکمراں نہ ہو لیں'۔ 'بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا'۔ 'میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے، پھر چھوٹے لوگ ہوں گے'۔ ابو داؤد (کتاب المہدی) میں یہ الفاظ ہیں، 'یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گذر جائیں، ان سب پر تمام امت مجتمع ہو گی'۔...... حافظ ابن حجرؒ ابو داؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا، یعنی حضرت ابو بکرؓ[1]، حضرت عمرؓ[2]، حضرت عثمانؓ[3]، حضرت علیؓ[4]، امیر معاویہؓ[5]، یزید[6]، عبد الملک[7]، ولید[8]، سلیمان[9]، عمر بن عبدالعزیز[10]، یزید ثانی[11]، ہشام[12] ......" (سیرت النبی، سوم، ۲-۱۰۷)